تجلی
دیوبند
ماہنامہ
ایڈیٹر:۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند کی عظیم رعایت سے فائدہ اٹھائیے

"مکتبہ فیض القرآن" نے تفسیر ابن کثیر اردو کی اشاعت کے سلسلے کو زیادہ عام کرنے کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ تفسیر ابن کثیر کے ہر ممبر کو درج ذیل کتابوں نیز مطبوعاتِ دیوبند پر (درسی وغیر درسی) دو آنے فی روپیہ کی رعایت پیش کی جائے گی۔ آرڈر کے ہمراہ ممبری نمبر تحریر کرنا نہ بھولیے۔

۱	تفسیر فیض الرحمن رعایتی ہدیہ	دو روپے
۲	بہشتی زیور مکمل و مدلل دو جلدوں میں	بارہ روپے
۳	قصص القرآن کامل چہار جلد ساڑھے تیس روپے	
۴	اشاعتِ اسلام کامل	چھ روپے
۵	غلامانِ اسلام	پانچ روپے
۶	حیات انور	چار روپے
۷	تذکرۃ الاعزاز	ایک روپیہ
۸	عورت اور اسلام	تین روپے
۹	اصح السیر	دس روپے
۱۰	تجلیاتِ کعبہ	تین روپے
۱۱	تجلیاتِ مدینہ	ڈھائی روپے
۱۲	حقیقتِ ذکر	تین روپے
۱۳	دار العلوم کا البم مع فوٹو و تشریحات	سات روپے
۱۴	آسان عربی ترجمہ	دو روپے
۱۵	شریعت اور تصوف	آٹھ آنے
۱۶	پیغمبر انسانیت	چھ آنے
۱۷	قومی زبان	چھ آنے
۱۸	تواریخ حبیب الٰہ	ایک روپیہ بارہ آنے
۱۹	تعلیم الدین	ایک روپیہ
۲۰	خصائل نبوی	چھ روپے
۲۱	قصص الانبیاء	چھ روپے
۲۲	تقریر بخاری	تین روپے
۲۳	بخاری شریف کامل اردو	چوبیس روپے
۲۴	بدعت کیا ہے؟	تین روپے
۲۵	تاریخ دیوبند	دو روپے
۲۶	قرآن اور تعمیر سیرت	پانچ روپے
۲۷	سائنس اور اسلام	چار روپے
۲۸	مصابیح التراویح	چار روپے
۲۹	فتاویٰ رشیدیہ	آٹھ روپے
۳۰	ارشادات	پانچ روپے

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

اچھی کتابیں!

بخاری شریف ترجمہ مع متن قرآن کے بعد سب سے بڑھکر صحیح مانی جانے والی کتاب "بخاری" کا سلیس اردو ترجمہ اور بالمقابل عربی عبارت ساتھ ساتھ۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل۔ ہدیہ پینتالیس ۴۵ روپے۔

کتاب زندگی امام بخاری کی الادب المفرد کا اردو ترجمہ، بہترین اخلاقی تعلیمات پر مشتمل احادیث کا مفید ترین مجموعہ جس کے جامع امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔

امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی نام ہی کہہ رہا ہے کہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ ذہانت و ذکاوت کے مجسمے حضرت امام اعظمؒ کی سیاسی زندگی کے حالات مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے گوہر ریز قلم سے پانچ سو سے زائد صفحات مجلد بارہ روپے

امام ابن تیمیہؒ افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی معرکۃ الآراء کتاب۔ امام العارفین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل، عزیمت و حمیت اور مجددانہ کارناموں کا سیر حاصل تذکرہ، جس پر اہل علم کے تبصرے ہوا ہے۔ قیمت مجلد دس روپے (مجلد اعلیٰ گیارہ روپے)

عظیم تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی۔ تین ضخیم جلدوں میں مکمل یہ مشہور زمانہ تاریخ تعارف کی محتاج نہیں۔ پاکستان میں عمدہ کاغذ اور روشن طباعت و کتابت کے ساتھ چھپی ہے۔ قیمت نئی سیٹ مکمل و مجلد چھتیس ۳۶ روپے۔

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے متعلق بہترین محققانہ اور سیر حاصل مقالات کا بیش بہا مجموعہ۔ اس کتاب کا نہ پڑھنا اپنی زرّین تاریخ کے ایک اہم باب سے ناواقف رہنا ہے جو بہت بڑی محرومی ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

صحابیات رضؓ اُن برگزیدہ خواتین کے حالات جنھوں نے اللہ کے آخری رسولؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ قیمت چھ روپے۔

سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی تالیف جس میں رسول اللہؐ، صحابہؓ، ائمہؒ اولیاءؒ، ازواج النبیؐ اور اسلام کی مشہور نیک خواتین کے حالات ہیں۔ قیمت پونے سات روپے۔

مسلمان عورت مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی عربی تصنیف المرءۃ المسلمۃ کا اردو ترجمہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے مقدمہ بھی مولانا آزاد ہی کا ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

تذکرۃ الرشید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مشہور تذکرہ۔ جس میں آپ صرف حالات ہی نہیں بلکہ علمی و فقہی مطالب پر مشتمل خطوط بھی ہیں۔ خطوط کیا ہیں علم و تفقہ کے موتیوں کا گنجینہ ہیں۔ ہر دو حصہ مجلد۔ قیمت دس روپے۔ (غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے)

نقش حیات مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح حیات مکمل در دو جلد غیر مجلد ساڑھے آٹھ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے بارہ روپے)

مکتوبات شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مکتوبات جو علوم و معارف کے امین ہیں۔ مکمل در سہ جلد غیر مجلد ساڑھے سولہ روپے (مجلد اعلیٰ ساڑھے

ہندوستان کی منزل۔ سوشلزم یا اسلام؟ (از وحید الدین خاں) قیمت ۶ر

اساسِ دین کی تعمیر

مولانا صدر الدین اصلاحی کی مشہور کتاب جو دین کے بنیادی اُمور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کرتی ہے۔
قیمت مجلّد ساڑھے تین روپے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط

خلیفۂ اوّل کے ستّر خطوط کا یہ مترجم مجموعہ پہلی بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔ بیحد عرق ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد جمع کیا ہوا۔ مجلّد پانچ روپے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے سرکاری خطوط

اسلام ہی کے نہیں تمام دنیا کے بہترین سپہ سالار اور بے نظیر حکمراں عمر فاروقؓ کے ۵۴۲ خطوط کا اُردو خزینہ۔ قیمت مجلّد بارہ روپے۔

اسلام کا نظامِ عدل

دنیائے اسلام کے مشہور مصنف استاذ سیّد قطب کی یہ اعلیٰ تصنیف۔ اسلام کے نظامِ عدل کو نہایت دلچسپ مربوط اور منقح شکل میں پیش کرتی ہے۔ ترجمہ سلیس و شگفتہ
قیمت مجلّد چھ روپے۔

النبی الخاتمؐ

سیرتِ رسولؐ پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی وہ مشہور کتاب جس کے بارے میں اہلِ نظر کا فیصلہ ہے کہ سیرت کی لائبریری میں اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ مجلّد سوا تین روپے

حقیقتِ عبودیت

عبادت کسے کہتے ہیں عبودیت کیا ہے۔ اس کا سیر حاصل اور ایمان افروز جواب دنیائے اسلام کے شہرۂ آفاق امام و مجتہد علامہ ابن تیمیہؒ کی زبان سے سُنئے۔ ترجمہ عام فہم۔
قیمت ایک روپیہ ۳۵ نئے پیسے۔

خاصانِ خدا کی نماز

اللہ کے آخری پیغمبرؐ اور ان کے صحابہؓ اور دیگر بزرگانِ دینؒ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ اس کی تفصیل آپ کی نمازوں کو کامل بنانے میں انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ قیمت بارہ آنے۔

خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت

خدا اور آخرت ہی کے خوف پر ایمان کا مدار ہے۔ یہ کتاب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے بعض ایسے اثر انگیز اور ایمان افروز حالات سے روشناس کرائے گی جو خوفِ آخرت پر مبنی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

حضرت فاطمہؓ زہرہ کی والدہ مومنین کی ماں رسول اللہؐ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایمان آفریں حالات جو بہت عام فہم اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ بچّے اور عورتیں بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

سیّدہ فاطمہ زہراؓ

رسول اللہؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے حالاتِ زندگی، سادہ سلیس اور عام فہم زبان میں۔ قیمت ۱۲؍

مسلمان شوہر و بیوی

زن و شوہر کے باہمی حقوق و فرائض اور تعلقات کی نوعیت اور عمدہ زندگی گذارنے کے طور طریق کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر

اہلِ قرآن کی تردید اور حدیث کی تائید میں بے نظیر کتاب مکمل تین جلد ساڑھے تیرہ روپے (تیسری کو چھوڑ کر صرف جلد اوّل و دوم بھی طلب فرما سکتے ہیں جن کی قیمت ساڑھے چھ روپے) تنہا جلد اول نہیں بھیجی جائیگی۔

مکاتیبِ زنداں

● ابو الاعلیٰ مودودی ● امین احسن اصلاحی ● میاں طفیل احمد۔ جیل سے لکھے ہوئے ان تینوں حضرات کے سبق آموز خطوط۔ قیمت دو روپے۔

تدبرِ قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی کی مشہور و معروف کتاب۔ فہم قرآن کی راہ دکھانے والی۔
قیمت مجلّد سوا تین روپے۔

قرآن کا قانون عروج و زوال:- از مولانا ابوالکلام آزاد۔ قیمت: ڈھائی روپے۔ ایک انسان ایک نظام:- (از وحید الدین خاں) قیمت ۶؍

مکتبہ تجلّی دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجلی

ماہنامہ دیوبند

شمارہ نمبر ۱۲ و ۱

جلد نمبر ۱۱ و ۱۲

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت چھ روپے۔ فی پرچہ ۵۰ نئے پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۵ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

فہرست مضامین مطابق ماہ فروری و مارچ ۱۹۶۱ء

۱	آغازِ سخن	عامر عثمانی	۶
۲	تجلی کی ڈاک	"	۱۱
۳	اہلِ بیت کون ہیں؟	ڈاکٹر عبدالحمید صاحب	۵۹
۴	مسجد سے میخانے تک	ملا ابن العرب مکی	۶۷
۵	رمضان۔ ایک عظیم لمحۂ فکریہ	شمس نوید عثمانی	۷۷
۶	ابن جریر طبریؒ		۷۹
۷	حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفتاء	مظہر عزیز سہیل بی۔ اے	۸۹
۸	کھرے کھوٹے	عامر عثمانی	۹۹
۹	بابُ الصحت	بیگم عظیم زبیری	۱۲۲

تحت رجسٹریشن ایکٹ

نام ـــــ تجلی (ماہنامہ)

مقام اشاعت ـــــ اسلامیہ بازار۔ دیوبند

پرنٹر پبلشر ایڈیٹر عامر عثمانی محلہ ابوالمعالی (دیوبند)

وطنیت ـــــ ہندوستانی

ملکیت ـــــ عامر عثمانی

تصدیق کنندہ: عامر عثمانی

اشد ضروری

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی چھ روپے باسٹھ ۶۲ نئے پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات } ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام و مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائیگا

ترسیل زر اور خط و کتابت پتہ

دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یو۔ پی)

مدیر عامر عثمانی فاضل دیوبند

پاکستان کا پتہ:۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "کوہ نور" پریس دہلی سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔ اس شمارہ کی قیمت ایک روپیہ

آغازِ سخن

ماہ فروری کے پہلے عشرے میں جبل پور اور اس کے مضافات میں ظلم و سفاکی کا جو ہولناک کھیل کھیلا گیا ہے اور پولیس ہی کے زیر سایہ فرقہ پرست بھیڑیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ ٹوٹی ہے اس کی تفصیلات سے اخبار میں طبقہ واقف ہو چکا ہے اور جو لوگ اخبار نہیں پڑھتے انھیں بھی دوسروں کی زبانی اطلاعات مل چکی ہیں۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کہنے کیلئے کوئی نئی بات نہیں۔ کوئی ایسی اسکیم نہیں جو اُن مسلمانوں کے کام آسکے جو ظلم و بربریت کی آگ سے زندہ تو بچ نکلے ہیں، مگر بے سروسامانی اور بیکسی کے کانٹوں پر کرب و الم کے دن کاٹ رہے ہیں۔ نہ ہمارے پاس کوئی ایسا منصوبہ ہے جو اُن مسلمانوں کے کام آسکے جن تک ابھی فساد کے شعلے نہیں پہنچے، لیکن معلوم نہیں کب ان پر بھی کینہ و عداوت کے ترکش خالی کئے جانے لگیں۔ صرف دل کا درد اور حزن کا احساس ہے جو ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ جبل پور کا ذکر کر کے چند آنسو بہالیں ـــــ وہ جبل پور جسے "شمشان بھومی" بنا دیا گیا۔ جہاں تھوڑے سے وقت میں وہ وہ مظالم توڑے گئے کہ انسانیت شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اندازہ کہتا ہے کہ اس ملک میں اقلیت آزاری کا سلسلہ کبھی نہیں رُکے گا۔ ۴۷ء سے ۵۰ء تک تو عمل اور ردِ عمل کی منطق بھی آڑ بن سکتی تھی، لیکن اس کے بعد جتنے فسادات پے در پے ہوئے ہیں ان میں تو صرف یک طرفہ عمل ہی کی منطق کارفرما رہی ہے۔ کانگریس کے کاغذی اصول اور دستور پر کچھ بھروسا تھا وہ بھی مسلسل آزمائش کے بعد ہاتھی کے دانت ثابت ہوئے۔ دوسرے درجے میں بعض ایسے رہنماؤں کی ذات مرجع امید تھی جنھیں تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے بالاتر سمجھا گیا ہے اور جن کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار بھی ہے لیکن عملاً وہ بھی مسلمانوں کو تحفظ نہ دے سکے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر چاہے کچھ ہی گذر جائے ان کے قلوب میں انصاف کی تڑپ اور اقدام و عمل کی اُمنگ پیدا نہیں ہوتی۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو عملی اعتبار سے ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت ہیں۔ انھیں نہ صرف یہ کہ تعصبات اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے بلند سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض اکثریتی جماعتیں تو ان پر مسلم نوازی کا بھی الزام لگاتی رہتی ہیں۔ لیکن ان سے بھی مسلمانوں کو سوائے خوشنما لفظوں اور لاحاصل دلاسوں کے اور کچھ نہ ملا۔ آسام میں فساد ہوگا تو وہ ہوا کے بازوؤں پر اُڑے چلے جائیں گے۔ شاید اس لئے کہ وہاں خود اکثریت گتھم گتھا ہے لیکن مسلمانوں پر ہلاکت و بربادی کی بارش کرنے والے فسادات چاہے روز روز ہوتے رہیں وہ کبھی تشریف نہیں لے جائیں گے۔ ایک دو نہیں دسیوں فسادات دورِ آزادی میں ہوئے ہیں لیکن کیا مجال کہ وزیر اعظم پنڈت نہرو کہیں ایک بھی جگہ قدم رنجہ فرما سکے ہوں۔ بہت احسان کیا تو چند فقرے فرقہ پرستی کے خلاف کہہ دیئے۔ لیکن مظلوموں نے عدالتی تحقیقات اور حقیقی عدل کی مانگ کی تو آنکھیں پھیر لیں۔ اب تازہ ہی فساد کو دیکھئے۔ کوئی معمولی بات ہے کہ صرف ساگر میں سو سے زیادہ مکانات خاک سیاہ کر دیئے گئے۔ پورے کے پورے خاندان آگ میں بھون دیئے گئے۔ خود وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش

ڈاکٹر کانجو کے اعتراف کے مطابق جبل پور کو "شمشان بھومی" بنا دیا گیا ــــ پھر لطف یہ ہے کہ پنڈت نہرو اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس فساد عظیم میں وہاں کے مقامی حکام کی کوتاہیاں بھی دخیل ہیں۔ مزید یہ کہ اس مرتبہ انگریزی پریس بھی فرقہ پرستی کے خلاف اظہار نفرت کرتے ہوئے انصاف کا مطالبہ کر رہا ہے، لیکن ان سطور کے لکھنے تک نہ تو پنڈت جی فساد زدہ علاقوں میں قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف اٹھا سکے نہ ہی کوئی ایسی بات کہی ہے جس سے توقع کی جا سکے کہ قتل و غارت کے اس ہولناک ڈرامے کی انصاف دلانے والی سطح پر تحقیقات کی جائے گی۔ بس اتنا ہی کہا ہے کہ جو کچھ ہوا اس پر مجھے دکھ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ :-

"ان فسادات سے معلوم ہوا کہ قوم کی ذہنی صحت اچھی نہیں ہے۔"

گویا گذشتہ تیرہ سالوں سے آئے دن جو مسلمانوں کے خون سے ہولی اور جان و مال سے پھاگ کھیلا جا رہا ہے اس سے تو یہ اندازہ کیا ہی نہ جا سکتا تھا کہ قوم کی ذہنی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ اب جبل پور ہی کے حشر خیز فساد نے اچانک یہ اندازہ کرنے کا موقع دیا ہے کہ قوم کی ذہنی صحت خراب ہے۔ نہ ہے نصیب اب بھی اندازہ ہوا تو بہت ہوا ــــ لیکن اس کا حاصل؟ ــــ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے عالی مرتبہ وزیر اعظم کے نزدیک جبل پور اور اس کے آس پاس کے مسلمانوں کی بربادی و ہلاکت کوئی انسانی مسئلہ نہیں، بلکہ وہ خالص سائنسی و فنی مسئلہ ہے۔ جس کے سلسلہ میں چارہ جوئی اور عدل گستری کے ٹھوس اقدامات کے عوض علم و فن کے فلک ہفتم سے یہ سرد سا نکتہ ہی عطا فرما دینا کافی ہو کہ قوم کی ذہنی صحت خراب ہے کوئی بتاؤ اس عطائے خسروی کو حالیہ آفات اور آئندہ خطرات میں گھرے ہوئے مسلمان کن کن زخموں کا مرہم بنائیں۔

وزیر اعظم کے بعد ــــ اور دستوری اعتبار سے ان سے بھی پہلے عالی جناب صدر جمہوریہ ہند کی ذات گرامی بھی مظلوموں کے لئے تکیہ گاہ تھی، لیکن مسلمان کو جان و مال کے تحفظ کی نعمت ان کے سرچشمۂ فیض سے بھی حاصل نہ ہوئی ابھی جب کہ جبل پور کے حشر کو برپا ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ ہوئے تھے جناب موصوف نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بجٹ سیشن پر ایڈریس دیا ہے اس میں بہت کچھ ہے۔ حالات عالم پر تبصرہ بھی ہے۔ کانگو، لاؤس اور قبرص کا بھی ذکر خیر ہے۔ کانگو میں لومبا کو ان کے دو ساتھیوں سمیت مار ڈالا گیا اس کی اہمیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ سخت تشویش بھی ظاہر فرمائی گئی ہے۔ لیکن کوئی لفظ جبل پور کے لئے نہیں ہے۔ جبل پور جہاں دو تین نہیں، بلکہ پچاسوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ــــ اور یہ سب مرنے والے محترم صدر کی رعایا ہی تھے بلکہ وہ دستور اگر کوئی قیمت رکھتا ہے جس کی نگہبانی محترم صدر فرما رہے ہیں تو یہ سب مقتول و مظلوم انہی اولاد کے درجے میں تھے۔ مگر ان کی لاشوں کو اپنے معزز صدر اور دیش پتا کے دو آنسوؤں سے بھی مشرف ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی۔ اس کی تو کیا امید رکھئے کہ صدر محترم بین الاقوامی بلندیوں سے اتر کر کوئی عملی اقدام بھی کشتگان تغافل کی اشک شوئی کے لئے کر سکیں گے

یہ تو ان دو معزز ہستیوں کا ذکر ہوا جن کے ہاتھ میں پورے ملک کی باگ ڈور ہے۔ جن کے چشم و ابرو کے اشارے پر ایک ایک ظالم و سفاک کی روح فنا ہو سکتی ہے جو کرنے پر آئیں تو اس ایڈمنسٹریشن کا مزاج درست کر سکتے ہیں جس کی کوتاہیاں فتنہ و شر کو طرح دینے کی ذمہ دار ہیں۔

اب بعض ان ہستیوں کو دیکھئے جو ضابطے میں کسی عہدہ و منصب کی مالک نہ سہی، لیکن سیاسی و سماجی "نیوں" سطحوں پر ان کا طوطی بولتا ہے۔ وہ اگر کوشش کریں تو کوئی بھی مسئلہ خاطر خواہ اہمیت حاصل کر سکتا ہے، لیکن ان کا بھی یہ حال ہے کہ اور سب معاملات میں تو بلائی ترک تازیاں دکھائیں گے، لیکن مسلمانوں کے تحفظ اور حقوق کا معاملہ آئے تو منہ میں قفل اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر بیٹھ جائینگے

مثال کے طور پر آچاریہ ونوبا بھاوے کو دیکھئے۔ بڑے مہاتما بڑے دردمند۔ بڑے انسانیت دوست۔ لیکن ان کی مہاتمائیت آسام ہی کے فساد پر ماہی بے آب ہوتی ہے۔ ان کی ناک کے نیچے مسلمانوں پر ظلم و قہر کا کیسا ہی طوفان گذر جائے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے مقدس کانوں پر جوں بھی رینگی ہے۔ ڈاکوؤں کی اصلاح کے لئے سرگشتہ و بے تاب۔ چھوت چھات کی لعنت ختم کرنے کے لئے مجسم سوز و گداز اور فحش پوسٹروں کے غم میں سراپا عمل و حرکت مگر مسلمانوں کی مظلومانہ چیخیں اور فریادیں ان کے کانوں سے ٹکرا کر مایوس لوٹ آتی ہیں ان کی روحانیت ذرا ان کے پہلو میں چٹکی نہیں لیتی کہ خدمت عدل و انسانیت کا ایک میدان یہ بھی ہے!

دوسری طرف ذرا فرقہ پرستوں کے رنگ ڈھنگ دیکھئے۔ روزنامہ "دعوت" میں جبلپور کے ہنگامے پر ہندو مہاسبھا کی رپورٹ نقل کی گئی ہے۔ اس رپورٹ پر جو نوٹ "دعوت" والوں نے دیا ہے وہ تو مستقل ایک مقالہ عبرت کا طالب ہے۔ لیکن نوٹ سے اس وقت بحث نہیں۔ بتانا یہ ہے کہ ہندو مہاسبھا کے وفد نے اپنی رپورٹ میں وہی الٹی گنگا بہائی ہے جسکے فرقہ پرست عادی ہیں۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمانوں ہی نے ہندوؤں پر چڑھائی کی۔ انھی کی فرقہ پرستی فساد کا واحد سبب ہے۔ انھی کا یہ حوصلہ ہے کہ باقاعدہ منصوبہ بنا کر اسلحہ جمع کئے پھر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ ڈرے سہمے ہندوؤں پر حملہ آور ہو گئے۔ حد یہ ہے کہ بقول ہندو سبھا:

"کیونکہ کئی بار ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مالی امداد دی جاتی رہی ہے اسی لالچ کے پیش نظر جبل پور میں مسلمانوں نے اپنے گھروں میں آگ لگائی۔"

فرمائیے چوری اور سینہ زوری کی اس سے بڑی مثال کہیں آپ کی نظروں سے گذری ہے؟ دن دہاڑے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور ڈنکے کی چوٹ سفید جھوٹ بولنے کا ایسا شاہکار کبھی دیکھنے میں آیا ہے؟

اس رپورٹ پر تبصرہ کرنے کی بجائے ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندو مہاسبھا یا کسی اور فرقہ پرست جماعت سے ہمیں کوئی گلہ نہیں۔ فرقہ پرستی کی جبلت جو کچھ ہے وہ اسی کا مظاہرہ کرے گی۔ درندے خوں آشامی کی جبلت نہیں چھوڑ سکتے۔ بچھو کاٹے گا اور سانپ کاٹے گا۔ افسوس یہ ہے کہ کانگریسی حکومت اور اس کی پولیس مسلمانوں کو ان خونخوار درندوں سے دل کھول کر نمٹ لینے کا غیر جانبدارانہ موقع نہیں دیتی۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ بھارت کے ہر شہری کا تحفظ کرے۔ اسے غنڈوں کی دستبرد سے بچائے لیکن آئے دن ہونے والے فسادات شاہد عدل ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکی۔ ایسی صورت میں اسے کہہ دینا چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی حفاظت ہمارے بس میں نہیں ہے وہ کر سکیں تو خود اپنی حفاظت کر لیں۔ یہ کہکر وہ ایک کونے میں جا بیٹھتی تب دیکھ لیا جاتا کہ تعداد میں کم اور وسائل میں بے بضاعت ہونے کے باوجود کیا مسلمان غنڈوں اور فرقہ پرستوں سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ اور محفوظ نہ رکھ سکیں تو مردانہ وار جان پر کھیلنا بھی جانتے ہیں اور یہ حرف شکایت کبھی ان کی زبانوں پر نہیں آئے گا کہ امن و قانون کے ذمہ داروں نے ہماری مدد نہیں کی کونے میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔

لیکن تلخ تر شکوہ یہ ہے کہ بار بار ہونیوالے فسادوں میں مقامی حکام اور پولیس کا رویہ بھی مسلمانوں کے حق میں اکثر بلائے جان ہی ثابت ہوا ہے۔ وہی مرتے ہیں برباد بھی ہوتے ہیں اور پھر پولیس کے کانٹے دار جال کے حلقے بھی انھی کے تن مجروح پر تنگ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کس سے فریاد کی جائے اور کہاں سے وہ طمانیت لائی جائے جو جمہوریت کے ہر شہری کا واجبی حق ہے۔

جہاں کہیں مقامی حکام اور پولیس نے فرض شناس

ہوں گے۔ مسلمان بن آئی نہیں مارے جا سکتے۔ اسکی ایک قریبی مثال سہارنپور کا وہ ہنگامہ ہے جو رام لیلا کے جلوس کے موقع پر برپا ہوا تھا۔ ٹھیک وہی تکنک استعمال کی گئی تھی جو فرقہ پرستوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ جب جلوس جامع مسجد کے سامنے پہنچا تو شور مچا دیا گیا کہ "بھگوان رام" کی سواری پر جامع مسجد سے ڈھیلے پھینکے گئے ہیں۔ حکام اس اوچھے ہتھیار پر فوراً ہی اپنی گرفت مضبوط نہ کر لیتے تو مسلمانوں پر قیامت توڑنے کے پورے سامان کر ہی لئے گئے تھے۔ لیکن فرقہ پرستوں کو ناکامی ہوئی اور حکام کی فرض شناسی کے طفیل ایک بشن سنگھ نامی شخص کو عدالت نے تین ماہ قید سخت کی سزا بھی دی۔

حاصل اس خامہ فرسائی کا یہ بتانا ہے کہ ہم بھارتی مسلمانوں کے لئے بہت نازک وقت آ پہنچا ہے۔ ہر فساد پر یہ توقع باندھ کر دل کو تسلی دے لیتے تھے کہ شاید اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور اُس مقدس دستور کے خزانے سے مسلمانوں کو پورے سیاسی و سماجی حقوق تو درکنار جان و مال کا تحفظ بھی ملنا مشکل ہے جس کے زیر سایہ کبھی کسی کو مظلومیت کی موت نہیں مرنا چاہیئے تھا۔

پھر کیا کیا جائے؟

یہی ہے وہ سوال جو بھارت کی ملت مسلمہ کیلئے فوری طور پر سب سے اہم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو گاہے گاہے اس سوال کی اہمیت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور اپنی صواب دید کی حد تک وہ جواب بھی دینے کی کوشش کرتی ہیں مگر جب طوفان گذر جاتا ہے تو اسے طاقِ نسیاں میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس بے بنیاد خوش فہمی سے ٹیک لگا لی جاتی ہے کہ جو ہوتا تھا ہوا اب آگے کو خیر سلا ہے۔ حالانکہ حالات گواہ ہیں یہ خوش فہمی کسی مرض کا مداوا ثابت نہیں ہوئی اور خطرات و آفات جوں کے توں موجود ہیں۔ ضروری ہے کہ تمام مسلم جماعتوں کے ارباب حل و عقد صرف اسی ایک مسئلہ پر سر جوڑ کر کچھ سوچیں اور دیگر تمام باہمی اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اسی پہیلی کو بوجھیں کہ آئے دن کے فسادات کی آفت کا مداوا کیا ہو کیونکر ہو؟

اسباب و علل کے دائروں میں فکر و غور کرنا اور قابلِ عمل اسکیم سامنے لانا ارباب حل و عقد ہی کا کام ہے۔ ہاں اخلاقی پہلو سے یہ بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ جو برباد یاں بھی ہم پر نازل ہو رہی ہیں ہمارے ہی اعمال کا ثمرہ ہیں قرآن کہتا ہے:

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ۔ (الشوریٰ)

اور جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو تو معاف بھی کر دیتا ہے

ہم اپنے اعمال و کردار پر غور کریں اپنی کرتوتوں کو قرآن و سنت کے آئینہ میں دیکھیں۔ اپنے اخلاق و افعال کا جائزہ لیں۔ اپنے ایمان کا وزن کریں۔ تباہیاں اور کامرانیاں اسباب و وسائل ہی کے جلو میں آتی ہیں، لیکن یہ اسباب و وسائل کس مبدء و مصدر سے نکلتے ہیں؟ یہ ہے اصل میں توجہ کرنے کے قابل سوال۔ اگر قرآن و سنت کے فرمودات آج جھوٹے نہیں ہو گئے اور تاریخی نظائر کی کوئی قدر و قیمت باقی ہے تو کیا شک ہے اس صداقت میں کہ اپنے خالق و مالک کے احکامات سے روگردانی ہی ہماری بدحالیوں کی جڑ بنیاد ہے اور کامیابیوں کی منزلوں تک لے جانے والے اسباب و وسائل کا فقدان رحمتِ خداوندی ہی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ رحمتِ باری منعطف ہو تو اسباب و وسائل خود بخود گھانس کی طرح اُگ آتے ہیں۔ منعطف ہو تو سونا بھی مٹی بن جاتا ہے۔ دوسری قوموں کے حال پر مت جاؤ۔ ان کے لئے اس دنیا میں ڈھیل ہے لیکن ہمارے لئے ڈھیل کیوں ہو جب کہ آخرت کی نعمتوں میں ہمارا ہی حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

ان معروضات کے بعد سب سے اہم اور قابل توجہ گذارش ہم تمام برادرانِ ملت کی خدمت میں یہ کریں گے کہ فساد کے نتیجے میں جو ہزاروں مسلمان محتاج و مساکین کی سطح پر آگئے ہیں وہ بیش از بیش امداد کے مستحق ہیں انھیں روٹی کپڑے، برتن اور ہر طرح کے ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے اپنے فنڈ سے دس ہزار سے زائد رقم مصیبت زدگان کی امداد کے لئے بھیجی ہے اور صوبائی حکومت بھی تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ لیکن اول تو یہی نہیں معلوم کہ یہ رقمیں کن کن ہاتھوں سے گذر کر کہاں کہاں پہنچتی ہیں اور کب پہنچتی ہیں۔ دوسرے یہ ضرورت کے مقابلہ میں اتنی کم ہیں کہ صحیح طور پر تقسیم ہو جائیں تب بھی مسئلہ پورے طور پر حل نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ برادرانِ اسلام اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ دریا دلی دکھائیں اور پیسہ، کپڑا، برتن وغیرہ جو کچھ جس سے بن آئے فوراً مہیا کریں۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ۔

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اس مال و دولت میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں کسی کو موت آ دبوچے

مصیبت زدوں کی مدد جہاں اجرِ آخرت کے پہلو سے ہمارے فرائض میں شامل ہے وہیں اس کے دنیاوی پہلو بھی ہیں۔ ایک تو یہ ہماری غیرت ملی کا امتحان ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم میں سے جو لوگ آج امن و چین کے سانس لے رہے ہیں انھی میں سے بعض پر کل وہی وقت آ پڑے جو جبل پور اور اس کے مضافات کے مسلمانوں پر آج آ پڑا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ ہماری بھی دستگیری کا داعیہ دوسروں کے قلوب میں پیدا کر دے گا بشرطیکہ آج ہم نے تنگدلی نہ دکھائی۔ جس ملک میں ہم ہیں وہاں فساد کا کوئی وقت نہیں کسی بھی وقت کہیں بھی یکایک فتنہ جاگ سکتا ہے۔ خاص طور پر یہ آنے والا ڈیڑھ سال تو بڑا ہی خطرناک ہے۔ جنرل الیکشن آ رہا ہے۔ ہولی بھی سر پر ہے۔ فرقہ پرست اخبارات کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستانہ جذبات مشتعل کرنے کے لئے نت نئی خبریں آتشیں عنوانات لگا لگا کر چھاپتے رہتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ حال ہی میں خاص دارالسلطنت میں [illegible] ایک جھوٹا افسانہ کھڑا کر کے فتنہ پردازی کی سعی کی گئی۔ کون جانے کب کہاں اہنسا کے پجاریوں کی مقدس درندگی شباب پر آ جائے اور ہم میں سے کون کون ہلاکت و یا مالی کی اُس منزل میں پہنچ جائے جس میں جبلپور وغیرہ کے مظلوم پہنچے ہوئے ہیں۔ اللھم حفظنا۔

فساد زدگان کی امداد کے لئے جمعیۃ العلماء نے کمیٹی بنائی ہے اور امدادی سامان پہنچنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ کمیٹی کے جن اراکین کے ناموں کا اعلان روزنامہ الجمعیۃ میں ہوا ہے وہ یقیناً ایسے ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔

پتہ:- خزانچی صاحب امدادی کمیٹی۔ مرکزی دفتر جمعیۃ العلماء ہند۔ لال کنواں۔ گلی قاسم جان۔ دہلی

یہ سطور کتابت ہو چکی تھیں کہ جماعت اسلامی کا شائع کردہ پتہ بھی سامنے آیا۔ وہ یہ ہے:- جناب انعام الرحمٰن صاحب متصل چوکی تلیا۔ بھوپال۔

منی آرڈر کوپن پر "برائے مظلوم فنڈ" لکھدیا جائے۔

عامر عثمانی ۲۸ فروری ۶۱ء

امام غزالیؒ کا فلسفہ مذہب و اخلاق | حضرت امام غزالیؒ کا نام

آپ بارہا سنتے ہیں ان پر یہ محققانہ اور سیر حاصل تالیف بھی دیکھ ڈالیئے۔ قیمت بارہ دس روپے۔

بلاغ المبین (اردو) | زیارت قبور کے موضوع پر شاہ ولی اللہؒ کی زبردست تصنیف۔ قبروں سے متعلق تمام ہی امور پر محققانہ گفتگو۔ مجلد چار روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

تجلی کی ڈاک

بعض حضرات اس طرح کے سوالات بھیجتے ہیں جن کا تعلق بعض مخصوص افراد سے ہوتا ہے اور ان کے جوابات کی افادیت عام لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتی۔ ایسے سوالات شائع کرنے سے ہم معذور ہیں۔ ان کے جواب کے لئے جوابی لفافہ بھیجا جائے تو ڈاک سے جواب دے دیا جاتا ہے۔ (ع)

سوال:۔ امام الدین رام نگری اور مدیر تجلی

مولانا ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری کی کتاب "حضرت امام حسین شہیدؓ" دونوں حصے دیکھ چکا ہوں اور "دارالعلوم" اور "ایشیا" میں ان کے مضامین بھی بالاستیعاب دیکھے ہیں۔ مولانا موصوف دلائل و براہین کے بجائے سب و شتم اور طنز و تضحیک سے کام لے رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ آپ اور ان کے درمیان یہ کش مکش آخر اس درجہ پر کیوں پہونچ گئی ہے مولانا رام نگری صاحب نے بھی اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں اپنے اختلاف کا ذکر فرمایا ہے، لیکن وہ میری ناقص سمجھ میں نہیں آسکا۔ میں آپ کے موقف کی وضاحت نہیں چاہتا، بلکہ آپ کے اور مولانا موصوف کے درمیان اختلاف کی نوعیت آخر اس قدر کیوں شدت اختیار کر گئی؟ حالانکہ آپ کے تعلقات تو ضرب المثل تھے

سوال:۔ (ایضاً) مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی

جنوری ۷۶ء میں ماہر القادری نے "فاران" کے اداریہ میں اصلاحی صاحب اور حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب پر جو حملہ کیا ہے اور عبادات و مسالک میں جو تضاد ظاہر کیا ہے اور مولانا امین احسن اصلاحی پر جو گرفت کی ہے اور میثاق کے اداریہ نگار تین چار ماہ سے مسلسل جو مضمون لکھ رہے ہیں اس کے بارے میں ماہر القادری نے جو رائے ظاہر کی ہے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ وضاحت کے بیان فرمائیے۔

آخر میں گذارش ہے کہ اجمال و اختصار سے کام نہ لیں، بلکہ اس معاملہ کو پوری طرح سے واضح فرمادیں تاکہ حقیقت حال بالکل ظاہر ہوجائے۔

اس کا جواب "تجلی کی ڈاک" کے ذریعہ چاہتا ہوں تاکہ مجھ جیسے ناواقفین حال کے لئے آپ کی وضاحت رہبر و رہنما کا کام دے سکے۔ والسلام

غلام رسول۔ مدرس مدرسہ خدام القرآن
میرے شاہ ضلع رحیم یار خاں
(مغربی پاکستان)

جواب:۔

میرے مطالعہ سے امام الدین صاحب کی کتاب کے دونوں حصے نہیں گذرے صرف حصہ اوّل گذرا ہے وہ بھی پورا نہیں، کیونکہ چند ہی صفحات پڑھنے کے بعد جب محسوس ہوگیا کہ مصنف ذاتیات کے چکر میں ذہنی عدم توازن کا شکار ہیں اور فریق اشتعال میں

اُس منطقی شعور، اخلاقی حس اور ناقدانہ شائستگی سے مُنہ موڑ چکے ہیں جس کے بغیر اہم مسائل میں گفتگو جھک مارنے کے مترادف ہوتی ہے تو جی نہیں چاہا کہ مزید مطالعہ پر وقت ضائع کروں۔ ورق گردانی میں بھی متعدد جگہ یہی نظر آیا کہ موصوف کو اصل مبحث سے زیادہ بعض ذوات و اشخاص کی کھال کھینچنے سے دلچسپی ہے۔ موصوف ایک زود رنج اور اشتعال پذیر مزاج کے بزرگ ہیں۔ وہ جب بھڑک جاتے ہیں تو مولانا امین اصلاحی کی طرح تسمہ لگا نہیں چھوڑتے۔ اُنسے وہی شخص زبان زوری کر سکتا ہے جو چھچھورے پن کی برداشت رکھتا ہو اور متین حدود و قیود کو کوئی اہمیت دینے پر تیار نہ ہو۔ عام حالات میں وہ ذی فہم بزرگ ہیں، باقاعدہ عالم نہ ہونے کے باوجود دینی علوم میں نگاہ رکھتے ہیں۔ انھیں بات کرنے اور سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے۔ ان میں خلوص و دلریشی بھی ہے، لیکن قسمت کی اس کرشمہ کاری کو کیا کہیئے کہ ان کی یہ عام حالت بہت جلد ایک ایسی خاص حالت میں بدل جانیکی حیرتناک صلاحیت رکھتی ہے جس میں فہم و خرد کی ساری صحتمندیاں ارکھائی ہوئی بلی کی طرح دبک کے رہ جاتی ہیں اور سینے سے لے کر کاسۂ سر تک جذبات ہی جذبات دندناتے پھرتے ہیں۔

قدرت کی یہ صنعت کاری کچھ نادر نہیں ہے۔ آپ مولانا امین احسن اصلاحی میں بھی اس کی جھلکیاں دیکھ سکتے ہیں۔ ممدوح عام حالات میں بڑے دیدہ ور بڑے نکتہ رس، بڑے طباع، بالغ نظر عالم، وسیع المطالع مصنف اور گرمجوش مناظر ہیں، لیکن جب ان کا آتش گیر مزاج گرمی پا کر لودے اُٹھتا ہے تو ان کے تمام ذہنی اوصاف پر کثیف دھوئیں کی ایک چادر سی تن جاتی ہے اور انھیں بالکل ادراک نہیں ہوتا کہ میرا قلم کن رسوا کن پستیوں تک غوطے کھاتا چلا جا رہا ہے۔ بعض دفعہ تو واقعہ یہ ہے کہ ان کے بعض بے ساختہ الفاظ اور فقرے پڑھ کر دل و دماغ کو اچانک ایسا شاک لگتا ہے جیسے کوئی سنجیدہ و معزز آدمی یکایک سر بازار تھرکتا اور مٹکتا نظر آجائے

بہر حال ذکر امام الدین صاحب کا تھا۔ میرے اور ان کے مابین کوئی کشمکش نہیں کشمکش دو طرفہ کھینچ تان کو کہتے ہیں۔ میرے بازو تو ان کے مقابلے میں شل پڑے ہیں میں نے کہیں ان کے پُرجوش مضامین کا ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیا۔ پھر ذاتی کشمکش میں عداوت و کدورت بھی ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہاں اُن سے تو کیا اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی عداوت و پرخاش رکھنے کی صلاحیت ہی سے مکمل محرومی ہے۔

بات ایک دفعہ یوں ہوئی تھی کہ تجلی میں ایک ایسے مضمون کو جگہ دی گئی جو مومن برادری سے متعلق تھا۔ جگہ دینے کی وجہ عاجز نے ادارتی نوٹ میں ظاہر کر دی تھی کہ چونکہ مومن بھائیوں نے اپنی سربلندی کے لئے قرآن و حدیث کو غلط طور پر استعمال کیا ہے اس لئے ان کی غلطی اس مضمون سے واضح ہو جائے گی۔

اس مضمون کے ردِّ عمل میں امام الدین صاحب کا مضمون آیا تھا جس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا:۔

"ایک جلاہے کے قلم سے"

مجھے یہ پیشانی پسند نہیں آئی اور اسے گھٹیا قسم کا تمسخر سمجھا۔ لیکن موصوف نے اپنے خط میں سنجیدگی کے ساتھ یقین دلایا کہ یہ تمسخر نہیں ہے بلکہ وہ سچ مچ جلاہے ہیں۔

کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر واقعہ یہی تھا جب بھی عاجز کی اُس مودت و محبت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا جو ان کی ذات سے چلی آرہی تھی، لیکن اس کو کیا کیجئے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں فقہاء نے جو کفو کی قید واضح فرمائی ہے اس پر موصوف کو شدید غصہ ہے اور اس سلسلہ میں ان کے بعض خطوط ایسے ناروا جوش سے ملوث رہے ہیں کہ بندہ دم بخود رہ گیا ہے۔ عاجز میں اتنی طاقت کہاں کہ تمام فقہاء کو نسل پرستی اور کوتاہ نظری کا طعنہ دے سکے۔ میرے نزدیک کفو کے باب میں بھی فقہاء

کی بحثیں اتنی ہی قیمتی ہیں جتنی کسی اور باب میں۔ لیکن موصوف کا خیال ہے کہ اکثر فقہاء اس باب میں جھک مارتے رہے ہیں۔

مجھے اتنا وقت نہیں کہ تجلی کے فائل اور مرحوم خطوں کے مقبرے کھوند کر پوری داستان سپرد قلم کردوں۔ مختصر یہ ہے کہ مجھے چونکہ نسل و نسب کے جھگڑوں سے دلچسپی نہیں تھی اور تجلی کو اس نہج کے طویل مباحث کا بازیچہ بنانا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے موصوف کے وہ تمام رشحات قلم شائع نہیں کرسکا جن کی اشاعت پر انھیں اصرار تھا اس پر موصوف مشتعل ہوگئے اور نہ پوچھیے خطوں میں کیسی کیسی سنائیں۔ حیرت ہوتی تھی کہ ایک عمر رسیدہ اور متین بزرگ اچانک اتنی نچلی سطح پر بھی آسکتے ہیں۔ سخت کلامی اور ایسی فاش کہ تہذیب و مروت پانی بھی نہ مانگیں۔ عاجز جواب میں بہت نرم سا مختصر خط لکھ دیتا تو اس پر انھیں اور بھی زیادہ تاؤ آجاتا۔ شاید وہ یہ محسوس کرکے جھلاتے کہ میری زوردار نگارش کو اس بدبخت نے کچھ اہمیت ہی نہیں دی۔ بس ان کا شہپر قلم اور بھی صبا رفتار ہوجاتا اور ایسی ایسی سناتے کہ دو دو بار پڑھ کر خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ جو کچھ پڑھا ہے واقعی وہی لکھا ہوا بھی ہے۔ میرے پاس نہ تو اتنا وقت تھا کہ خطوں کی لڑائی لڑتا۔ نہ اتنی غیرت و حمیت تھی کہ جوابی صلواتیں سناتا بلکہ عجیب سی بات ہے کہ جو لوگ فرط غضب میں عاجز کو صلواتیں سنانے پر اتر آتے ہیں ان پر بجائے غصے کے ترس سا آنے لگتا ہے اور ذاتی عداوت کا ادنیٰ سا جذبہ بھی تھر دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے ــــ اور اس پر خدا شاہد ہے کہ آج بھی جب کہ اپنی شان میں جگہ جگہ امام الدین صاحب کی تلخ و تند گل افشانیاں دیکھتا رہا ہوں اور دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ میں اور ان میں سخت کشمکش ہے مجھے قطعاً احساس نہیں ہو رہا ہے کہ ان سے میرے قلب و ذہن کے دور افتادہ گوشوں میں بھی کوئی کدورت کوئی پرخاش کوئی میل ہے۔

یہ تھا اختلاف کا آغاز۔ اس کے بعد تجلی میں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک سوال شائع ہوتا ہے جس کے جواب میں بے لاگ طور پر عاجز اپنے خیالات کا اظہار کردیتا ہے۔ یہ خیالات موصوف کے خیالات کی اکدم نقیض ثابت ہوئے۔ ان پر بھی انھوں نے خطوط میں خوب گرما گرمی دکھلائی پھر مجھ دعباسی صاحب کی کتاب کا تقیہ الگ رہا۔ اس پر تائیدی تبصرہ دیکھ کر انھوں نے بالکل ہی حیلہ کرلیا کہ مدیر تجلی پکا خارجی ناصبی اور زندیق وغیرہ ہوگیا ہے۔ جو غصہ میرے لئے ان کے اندر پیدا ہوچکا تھا وہ المضاعف ہوتا چلا گیا اور اسی کے آثار و ثمرات آپ ان کی گرما گرم تحریروں میں دیکھ رہے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ اس کہانی میں کہیں نہ کہیں عاجز کی بھی کسی غلطی، سہو یا جرم و قصور کا کچھ نہ کچھ شمول ضرور ہوگا فرشتہ کوئی نہیں۔ مگر یہ شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ امام الدین صاحب ذکاوت حس کے مریض ہیں ذرا سی آنچ پاکر فیلتے کی طرح سلگ اٹھتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ڈائنامیٹ کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ اسے چھوڑیے کہ کربلائی بختوں میں عاجز کا موقف غلط ہے یا صحیح۔ مان لیجئے کہ متعلقہ شخصیات کے بارے میں میری آراء ناقص ہی ناقص ہیں۔ میں کج فکری و بے دانشی میں گرفتار ہوگیا ہوں، لیکن تو تو میں میں کا جو انداز موصوف اپنی تحریروں میں برت رہے ہیں کیا وہ سنجیدگی اور علم و وقار کے معیار پر پورا اترتا ہے؟ کیا علمی و تاریخی مباحث میں ذاتی طنز و طعن اور تخفیف و تحقیر کا وہی اسلوب ایک شریف آدمی کو اختیار کرنا چاہئے جو موصوف اختیار کئے ہوئے ہیں؟

ان کا غصہ یوں اور بڑھا کہ میں نے ان کی کتاب پر تبصرہ نہیں کیا۔ اسے فروختگی کے لئے مکتبہ تجلی نے نہیں منگوایا۔ بلکہ انھوں نے میری بلا اجازت اس

کتاب کے آغاز میں ملنے کے پتوں میں مکتبہ تجلی کا نام بھی ڈال دیا تھا تو اس پر میرے دفتر سے خط گیا کہ یہ آپ نے غیر ذمہ دارانہ حرکت کی ہے۔ اس سے قبل کہ آئینی زبان میں توجیہ طلب کی جائے آپ تعلقات کی زبان میں وجہ جواز ظاہر فرمائیں۔ جواب ملا کہ یہ میرے اذن و ایماء کے بغیر ہو گیا ہے اور میں مکتبہ تجلی کے پتے پر سادہ چٹیں چپکا دوں گا۔

یہ بحث کئے بغیر کہ پیش کردہ تاویل کس حد تک قرین قیاس ہے اور کیا ضمانت ہے کہ چٹ چپکانے کا التزام ایمانداری کے ساتھ کیا جائے گا اور ان کتابوں کا کیا ہوگا جو اب تک بغیر چٹ کے قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں میں نے بات ختم کر دی۔ اس کے بعد موصوف نے ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند میں ــــ اس دارالعلوم میں جس کے اولیاء و ائمہ جماعت اسلامی کا زن بچہ کولھو میں پلوانے کی تگ و دو کرتے رہے ہیں" اور خود امام الدین صاحب نے متعدد کتابچے اور مضامین ان کی خیانت علمی، کج فکری اور کورانہ تعصب کے اثبات میں تصنیف فرمائے ہیں اپنا ایک مضمون شائع کرایا جس کے عنوان ہی میں مدیر تجلی کو "یزیدی" بنا دیا گیا اگرچہ یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم کے سرپرست حضرت مہتمم صاحب دام ظلہ نے کافی کاٹ چھانٹ کے بعد پانیوں میں بھگو کر شائع کیا تھا" لیکن پھر بھی لب و لہجے، زبان اور اسلوب کے لحاظ سے یہ ایسا مستعلق تھا کہ جس شریف آدمی کا جی چاہے آج بھی اسے پڑھ کر دیکھ لے چشم عبرت وا ہو جائے گی۔

مجھ سے قصور یہ ہوا کہ اسے پڑھنے کے بعد نظر انداز کر دیا۔ یہ قصور دانستہ نہیں بلکہ میری بے حسی کا ثمرہ تھا نہ جانے کیا چکر ہے کہ اگر کوئی مولانا مودودی پر پتھراؤ کرے یا حضرت معاویہؓ کی تخفیف پر اتر آئے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے، لیکن خود میری ذات پر ترکش خالی کرے تو ادنیٰ سی گرمی بھی پیدا نہیں ہوتی۔

قلب و ضمیر کے یہاں سناٹا سا رہتا ہے اور کچھ ایسی آسودگی کا احساس ہوتا ہے جیسے توصیف و تحسین کے ہجوم میں یہ تذلیل و تنقیص بھی توازن قائم رکھنے کیلئے ضروری ہی ہو۔ یہ کمزوری ہے یا بے غیرتی اسے آپ سمجھیں، میری خاموشی امام الدین صاحب کے مقابلہ میں بہرحال اسی عیب کا ثمرہ ہے اس میں احساس برتری یا نخوت کو بالکل دخل نہیں۔

ابھی "ایشیا" میں پھر موصوف نے دل کا غبار نکالا ہے۔ آپ تو شاید اسے پڑھ ہی چکے ناظرین تجلی کی ضیافت کے لئے کچھ اقتباسات حاضر ہیں۔

معاملہ وہی معاویہؓ و یزید کا ہے۔ محمود عباسی کی کتاب کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"سب سے بڑی ہولی اور دیوالی ماہنامہ تجلی دیوبند کے دفتر میں منائی گئی اور اس شاندار طریقے سے کہ روح خارجیت رقص کر کر گئی۔" (ایشیا ۵ جنوری ۶۱ء ص ۱۱)

تو لیے علمی متانت کے میزان میں اس کا کیا وزن ہوگا؟ موصوف کو اس کا بھی بہت غم ہے کہ تجلی ہمہ اقسام کی واہیات حرکتیں کئے جا رہا ہے مگر کسی جماعت اسلامی والے کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ اب تک اس چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی منگایا جا رہا ہے جہاں جماعت کے دو چار ہمدرد بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حضرت امام (؟) حسین شہید تنقید بر تجلی و خلافت معاویہؓ و یزید کے مقدمے میں خوب ہندی کی چندی کر کے سمجھایا کہ آخر رسالہ تجلی جماعت اسلامی کا کیسا حامی ہے اور اس کی حمایت کا آخر نہج کیا ہے" لیکن یہ موٹی سی بات اب تک جماعت اسلامی والوں کی موٹی سی سمجھ میں نہ آئی تجلی کو جماعتی حلقے میں ہی اعتماد اور ہر دلعزیزی حاصل ہے۔"

دیکھا آپ نے موصوف کو تجلی کی دائم و قائم

ہیں لغزشیں پر کتنی جھوٹ سچ ہے۔ وہ عرش پر بیٹھ کر بیلے ہی افراد جماعت کی تنخواہیں موقوف بتلا رہے ہیں اور شاکی ہیں کہ میں نے تو خوب ہنڈی کی چندی کر کے اپنی کتاب میں تجلی کا پول کھولا، مگر ہوئی سمجھ والوں کی جماعت نے کان ہی نہیں دھرے اور سارے جماعت کے برابر تجلی کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

عاجز کو بحیثیت خورد کے موصوف کے اس کرب و اذیت سے بڑی ہمدردی ہے جس میں انھیں تجلی کی سخت جان مخلوقیت نے مبتلا کر رکھا ہے۔ جماعت اسلامی کے جملہ افراد کو چاہئے کہ اپنی ہوئی عقلوں پر شرمندہ ہوں اور جماعت ہی کا ایک مرد دانا دیدہ جو سبق دے رہا ہے اسے توجہ سے سنیں اور تجلی کو پاس نہ پھٹکنے دیں۔ آگے ہے:۔

"بات ابھی ختم نہیں ہوتی۔ مولانا مودودی نے ترجمان القرآن میں امیر معاویہ کی خلافت کے بیچ اور یزید کی ولی عہدی پر جو تبصرہ فرمایا تھا اس پر نوبت بیٹے کے تجلی نے معاند اور شاگرد انہ پیرائے میں خوب خوب جرح و قدح کی ہے اور میں نے خود ایسے لوگوں کی گفتگو سنی ہے جو کہتے ہیں کہ مدیر تجلی نے مولانا کی خوب خوب گرفت کی ہے۔"

ہائے افسوس۔ کتنے بے غیرت ہیں یہ جماعت اسلامی کے افراد کہ مدیر تجلی مولانا مودودی پر جرح و قدح کی جرأت نارواکر گذرے اور وہ بجائے ناک منہ چڑھانے کے اسکی تحسین کریں۔ امام الدین صاحب نے تو صرف ایک گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔ بندے کو تو ماہ نومبر میں متعدد بار اس سلسلہ کی گفتگوؤں سے واسطہ پیش آچکا ہے۔ دہلی کے اجتماع میں تقریباً تین ہزار آدمیوں نے مختلف اوقات میں عاجز سے ملاقات کی۔ چونکہ کتب تجلی کا اسٹال بھی وہاں لگا تھا اس لئے اس کے پاس ہی بیرونی و مقامی حضرات عاجز کو شریف ملاقات سمجھتے رہے اور حیرت ہوگئی کہ ان بیس دس فی صدی بھی ایسے نہیں نکلے جو تجلی نہ پڑھتے ہوں۔ متعدد بار مذکورہ جرح و قدح کا تذکرہ آیا اور سبھی کی زبان سے یہی ظاہر ہوتی کہ یہ عامر عثمانی نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، بلکہ اس طرح کا فعل صحت مند ذہن کی علامت ہے۔ مولانا مودودی پیغمبر نہیں ہیں کہ جو ان کی مدح و توصیف کا خوگر ہو وہ دنیا کے ہر معاملہ میں ان سے اتفاق ہی کرتا رہے اور بھولے سے بھی اعتراض و اختلاف کی جسارت نہ کرے۔ مجھے اس پر کوئی غصہ نہیں ہے کہ میری معروضات کو پڑھنے والوں کی غالب اکثریت نے سراہا ہے۔ یہ سراہنا دراصل اس لئے ہے کہ میں نے اپنی خیر معروضات کو متانت کیساتھ پیش کیا ہے اور مولانا مودودی کے مقابلہ میں اپنی بے حیثیتی کو بھول نہیں گیا ہوں۔ اب اگر مولانا مودودی نے کبھی جواب دیا تو امید ہے کہ انشاء اللہ ان کا جواب ان کی اعلیٰ شان کے مطابق ہوگا اور اگر اس جواب نے میری معروضات کی کمزوریاں دلپذیر طور پر واضح کر دیں تو اس سے مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ بلکہ اگر آپ یقین کریں تو میں کہوں کہ میرا دل برابر یہ تمنا کئے جا رہا ہے کہ اے اللہ مولانا مودودی ایسا جاندار اور دلنشیں جواب دے جائیں کہ میرے جملہ افکار کالات پر پانی پڑتا چلا جائے۔ اُن کی شان جتنی بڑھے گی اس عاجز کو اتنی ہی مسرت ہوگی۔ اپنی شان تو نہ پہلے تھی نہ آج ہے کہ اس کے گھٹنے کا سوال پیدا ہو۔

رنج کی بات یہ ہے کہ ایشیا کے مدیر جناب نصر اللہ خاں عزیز نے امام الدین صاحب کے فرمودات پر مختصر سا نوٹ دے کر بچاروں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ حالانکہ اگر وہ موصوف کی کہن سالی اور بزرگی اور قدیم دوستی کا لحاظ کرتے تو تجلی کے نیز مدیر کو تو اختتامی وہ چار صلواتیں سنا دینا کچھ بُرا نہ تھا۔ یا کم سے کم غیر جانبدار ہی رہتے۔ یہ کیا کہ چند سطری نوٹ کے ذریعہ موصوف کے رشحات کے ساتھ وہی فعل نارواکر بیٹھے جو

ایسٹم بم نے ہیروشیما کے ساتھ کیا تھا۔ مدیر ایشیا اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں:-

"حافظ صاحب (امام الدین رام نگری) کی خفگی بالکل بے جا ہے۔ بلکہ ہمیں شکایت ہے کہ دعوت میں کسی صاحب نے حافظ علی بہادر خانصاحب کی نہایت لغو کتاب پر موافقانہ رائے ظاہر کر دی۔ حالانکہ وہ کتاب کسی اعتبار سے ایک سنجیدہ تصنیف کہلانے کی مستحق نہیں۔"

پاکستان میں بیٹھ کر مدیر ایشیا نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے یہ زہر میں بجھے ہوئے فقرے رام نگری صاحب کے لئے خصوصاً اور اُن جاہل و نیم جاہل لوگوں کے لئے عموماً جو حافظ علی بہادر کی مضحکہ خیز نگارشات کو "نعمتِ غیر مترقبہ" گمان کرتے ہیں کس قدر دلگداز ثابت ہوئے ہوں گے۔ بیچارے "دعوت" کے تبصرہ نگار نے تو کتاب کو یوں ہی سرسری سا پڑھ کر تبصرہ اُڑا دیا اور آج تک اس پر پچھتا رہا ہے۔ لیکن رام نگری صاحب تو اب کی اجتماع دہلی کے موقع پر زیادہ دنوں حافظ علی بہادر ہی کے یہاں فروکش ہوئے تھے جیسا کہ ایشیا والے قلم پارے میں انھوں نے واضح فرمایا ہے ان کی نگاہ میں علی بہادر کی یہی کتاب جسے مدیر ایشیا لغو ٹھیرا رہے ہیں مایۂ ناز تحقیق و تنقید کا شاہکار ہے۔ ہم اگر کہیں کہ رام نگری بزرگ حبِ علی کی آڑ میں بغضِ معاویہ کا علم اٹھائے ہوئے ہیں تو یاوہ گو کہلائینگے لیکن اگر یہ مقولہ درست ہے کہ:-

"مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ"

تو علی بہادر کی کتاب "معاویہ و یزید" پڑھ کر دیکھئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو خیر اس نام نہاد سنی مصنف نے شورہ پشتی، لغو بیانی، بازاریت اور کینہ توزی کی حد ہی کر دی ہے۔ مثلاً فرمایا جاتا ہے

"معاویہ کو کھانے کی بہت دُھن تھی اور اسکی توند بھی بڑی ہو گئی تھی، یہانتک کہ خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا تھا۔" (ص ۲۸۷)

اس کے علاوہ ایسی ایسی ہرزہ سرائیاں اس شخص نے کی ہیں کہ غالی شیعوں تک کے کان کاٹکے رکھ دیتی ہیں لیکن خدا رحم کرے اس نے بعض اور صحابیوں کو بھی فرعون جیسے القاب سے نواز دیا ہے اور حضرت عمرؓ تک کو (خاک بدہن گستاخ) حیلہ جو اور بہانہ ساز قرار دے ڈالا ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں اس شخص کا وہی انداز فکر ہے جو رفض و تشیع کے علمبرداروں کا ہو سکتا ہے۔ شاید یہی ہم فکری و ہم مشربی ہے جس نے رام نگری بزرگ کا جوڑ علی بہادر سے لگایا اور انھیں علی الاعلان یہ کہتے ہوئے ذرا حجاب نہیں آیا کہ انکا یارانہ اُس شخص سے ہے جس نے "معاویہ و یزید" جیسی ناپاک اور تعفن خیز کتاب لکھ کر فکری و تنقیدی شرافت کے مُنھ پر طمانچہ اُڑایا ہے۔

رام نگری بزرگ یا علی بہادر صاحب سے مجھے ذاتی پرخاش نہیں، لیکن علی الاعلان کہتا ہوں کہ جو قلم حضرت علی اور اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کی عظمت کا قصر ابوسفیان و معاویہ رضی اللہ عنہما کی ہڈیوں پر تعمیر کرنا چاہتا ہے اور نفسِ صحابیت کی حرمت کا پاس نہیں کرتا وہ اُس ناپاک خنجر کے مماثل ہے جس نے امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا ایسے قلم کے لئے مدیر تجلی کی ساری نفرتیں وقف ہیں، اور اس کا بس چلے تو اُن انگلیوں کو کٹوا کے پھینکدے جن کی گرفت میں جنبش کرنے والا قلم ختمی مرتبت سرکارِ دو عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مقدسہ کے حصارِ زرّیں ــ صحابیت ــ کی دیوار میں نقب زنی کا بھیانک جرم کرنے میں نہیں شرماتا۔ ہزار ہزار رحمتیں ہوں عساکرِ اسلام کے اُن مجاہدینِ اوّل پر جن کا ایک سجدہ ہم اخلاف کے لاکھ سجدوں پر بھاری اور جنکی ایک نیکی ہماری پوری عمر زہد و تقویٰ سے بیش قیمت رہی ہے، خدا کی قسم وہ ایک اعرابی جسے سرورِ کونین فداہ امی و ابی

کی زیارت کے بعد ایک نماز کی مہلت ملی ہو اور بحالتِ ایمان دنیا سے رخصت ہو گیا ہو ہمارے نزدیک جنید و شبلی اور ابوحنیفہ و ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ مقدس، محترم اور مغفور ہے۔ علی بہادر جیسے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہؓ، عمر بن العاصؓ، سمرہ بن جندبؓ اور بعض اور اصحابِ رسول کی خطائیں شمار کر کے اہلِ بیت کو ساتویں آسمان پر چڑھاتے ہیں، لیکن اپنا تو حال یہ ہے کہ اصحابِ رسول کی خطاؤں کے بجائے اُس آمنہ کے لالؐ کا چہرۂ انور نظروں میں سمایا ہوا ہے جس کے فیضانِ نظر کی رو میں معصیتوں کے پہاڑ بھی تنکوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور جسے بحالتِ ایمان ایک نظر دیکھ لینا ہی اتنی بڑی سعادت ہے کہ قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی اگر کوئی ہم سے یوں کہے کہ اس سعادت کا اخروی نفع تمھیں دیا جاتا ہے بشرطیکہ ایک ہزار فسّاق و فجار کے تمام گناہ بھی تم اپنے ذمے رکھ لو تو ہم ادنیٰ تأمل کے بغیر یہ پیش کش قبول کر لیں گے کوئی ٹھکانا ہے سردارِ دو عالم کے دیدار کی قدر و قیمت کا۔

جسے خاکِ پا تری چھو گئی وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں

تماشے کی بات ہے کہ ابھی ۱۴ر جنوری ۶۱ء کو رام نگری بزرگ کا ایک مفصل مضمون پھر تجلی میں اشاعت کے لئے آیا ہے جس کا عنوان ہے:-

"دو شعروں کی وضاحت اور کچھ دوسری باتیں"

اگر ان کا طرزِ نگارش طعن و تشنیع سے خالی ہوتا تو ضرور اسے تجلی میں جگہ دی جاتی، لیکن زندہ دلی کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ اس سخت جاڑے میں بھی کہن سالی کے باوصف ایسے گرمجوش اور آتش نوا ہیں کہ تجلی غریب اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ بطور ضیافت چند نمونے حاضر ہیں:-

"جماعت کے بعض مخالفین نے جو یہ شکایت کی ہے کہ جماعت اسلامی والے اپنے علم و فہم کے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ان کی شکایت محض بے اصل نہیں ہے۔ بلاشبہ جماعت میں ایسے ترک بھی ہیں جو پیاز کھا کھا کر ٹولوں کو منھ سنگھاتے پھرتے ہیں کہ دیکھ لو ہم مسلمان ہیں۔۔۔۔"

یہ ہے ان بزرگ کی بردباری کا حال۔ جس جماعت اسلامی کے خود رکن ہیں اسی کے اگر بعض افراد نے ان کے بعض شعروں پر اعتراض کر دیا اور ان کے دیئے ہوئے جوابوں کو شافی نہیں سمجھا تو بھڑک اُٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں موصوف کا ایک شعر ہے:-

کتنی داتا سرکار ہے [illegible] کون کہے
یہ بات انھی کے بیچ کی ہے جو دیتے ہیں جو پاتے ہیں

اس شعر پر تجلی نے تو کوئی لے دے نہیں کی، لیکن انھوں نے کہیں سُن لیا ہے کہ تجلی نے ان کے اشعار پر واویلا کی ہے، اسی ذیل میں وہ اس کی توضیح فرماتے ہیں:-

"حضرت رسول اللہؐ کو اس معنی میں داتا نہیں کہا گیا ہے جس معنی میں اللہ تعالیٰ داتا ہے۔ میری مراد حضور اقدس کے روحانی فیوض و برکات سے ہے۔"

رسول اللہ کی بارگاہ کو "داتا سرکار" کہنا ٹھیک ہے یا نہیں اس بحث کو یہاں ہم نہیں چھیڑتے۔ غور طلب یہ ہے کہ رضاخانی حلقوں کے علم کلام میں اور موصوف کی منطق میں آخر کیا فرق ہے۔ حضورؐ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر وغیرہ کہنے کے لئے یہ حلقے ٹھیک یہی استدلال تو استعمال کرتے ہیں۔ اسی استدلال کے تحت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضورؐ کو رازق اور رب بھی کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واقعی کیا مضائقہ ہو سکتا ہے اگر تاویل کا یہی اسلوب اختیار کر لیا جائے۔ جہلاء میں ایک عقیدہ بطور تمسخر رائج ہے کہ انگوٹھا موڑ کر قسم کھا لو تو قسم نہیں ہوتی۔ یہ اسلوب بھی اسی نہج کا ہے۔ قبروں اور پائے مشائخ پر سجدے اُڑانے والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم وہ سجدہ تھوڑی کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کیا جاتا ہے۔ ہم تو اولیاء اللہ کے شایانِ شان

تعظیم و نیازمندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اس اسلوب کے تحت تو گاندھی جینتی سے لیکر بھجن تک اور زنار سے لے کر تلک تک کوئی بھی چیز مشرک و فسق کے زمرے میں نہیں شمار کی جا سکتی۔

لیکن ہمیں امام الدین صاحب کے استدلال سے حیرت بالکل نہیں ہوئی کیونکہ معلوم ہوا ہے وہ میلاد میں قیام بھی فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو انھیں سات خون معاف ہیں!

نظر کی نامسلمانی سے فریاد

موصوف نے آگے چل کر وہی معاویہ و یزید کی بحث چھیڑی اور لفظ و بیان کے متعدد ریوالور داغ کر فرمایا۔

"رہے ابن تیمیہ تو معلوم ہے کہ انھوں نے ایک شیعہ عالم کے رد میں منہاج السنۃ لکھی ہے اور جوش میں جا بجا حد اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں۔ امام غزالی نے حضرت حسین اور یزید پر کوئی تفصیلی محققانہ بحث نہیں کی ہے انھوں نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یزید پر لعنت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ امام غزالی نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ ان کے نزدیک یزید کے اعمال ایسے نہ تھے کہ اس کو اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ اس بحث میں بالکل بے کار چیز ہے۔ رہا قاضی ابوبکر تو یہ معتزلی اور ناصبی تھا۔"

اب اگر ہم یہ مصرعہ پڑھ دیں۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان

تو آپ مدیر تجلی کو چھچھورا کہیں گے۔ چلئے اسے بالائے طاق رکھئے۔ سوال یہ ہے کہ موصوف عربی نہیں جانتے منہاج السنۃ کا ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ پھر کیونکر وہ اس کے حق دار ہو سکتے ہیں کہ اس ابن تیمیہ پر انگلی اٹھائیں جس کے علم و فضل، حفظ و اتقان، فکر و نظر، تبحر و استحضار، زور بیان اور عبقری خصوصیات پر بڑے بڑے جبال علم و خرد سر دھنتے گئے ہیں سنی نما شیعوں اور موحد نما بدعتیوں نے شوشہ چھوڑ دیا کہ ابن تیمیہ بہک گئے اور رام نگری بزرگ نے اس طرح دہرا دیا جیسے تحقیق و تنقید میں پسینہ پسینہ ہونے کے بعد یہ دور کی کوڑی لائے ہوں۔

طنز و تعریض بالکل نہیں۔ ہم دعوت دیتے ہیں کہ موصوف کسی عربی داں سے منہاج السنۃ پڑھوا کر اس میں سے ان مقامات کی نشاندہی فرمائیں جن کے بارے میں وہ کہہ رہے ہیں کہ ابن تیمیہ حد اعتدال سے تجاوز کر گئے۔ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں متانت کیساتھ وہ ابن تیمیہ کی بے اعتدالیوں کا گوشوارہ بنا کر بھیجیں تجلی میں شائع کر دیا جائے گا اور ہم بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھیں گے کہ ابن تیمیہ کی غلطیاں پکڑنے والے کتنے بڑے دماغ کے مالک ہیں۔

امام غزالی کے فتوے کا ذکر جن الفاظ میں کیا گیا ہے وہ بھی دیدنی ہے۔ یہ فتویٰ تو ان دنوں متعدد مضامین کا جز بن چکا ہے کیا موصوف کو اس کے یہ ٹکڑے نظر نہیں آئے کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا یا اس سے خوش ہوا وہ پرلے سرے کا احمق ہے!

ان ٹکڑوں کو موصوف دبا گئے ورنہ یہ کہنے کی گنجائش نہ ہوتی کہ یہ فتویٰ اس بحث میں بالکل بے کار ہے۔ وہ اس موقف کو مان لیں ہماری ان کی بحث ختم ہمیں اصرار نہیں کہ یزید کے ان تمام فضائل کو تسلیم کیجئے جنھیں محمود عباسی نے اپنی کتاب میں اجاگر کیا ہے۔ بس یہ قبول کر لیجئے کہ یزید نہ قتل حسین کا آرڈر دینے والا تھا نہ اس سے خوش ہوا۔ مگر وہ کیوں قبول کریں گے۔ یہ قبول کر لیں تو شیعت کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہے۔ بڑا لطیفہ ہو رہا ہے کہ بعض سنی حضرات کو ان کے غیر معتدل عقائد کی بنا پر شیعت کا طعنہ دیجئے تو پھاڑ

کھانے کو دوڑتے ہیں، لیکن راگ وہی الاپے جاتے ہیں جو شیعت کے تال سُر سے ترتیب پایا ہے۔

قاضی ابوبکر معتزلی اور ناصبی تھا! کتنی بیباکی سے یہ گالی نما الزام لگایا ہے موصوف نے۔ عامر عثمانی کو یزیدی اور خارجی کہتے رہیے، یہ تجلی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی مگر امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن عربی کو مصنف العواصم من القواصم کو معتزلی اور ناصبی کہا ہے تو اس کا جواز بھی لانا ہوگا۔ تجلی کے صفحات حاضر ہیں۔ واضح کیا جائے کہ کن دلائل و شواہد کی بنا پر ایسا کہا گیا ہے؟

تو یہ بھی بے ترتیب داستان کشمکش ہے آپ نے تفصیل طلب کی تھی ہم نے بھی بخل نہیں کیا۔ فرمائیے سیری ہوئی یا نہیں؟

جواب ۲:۔

یہ تمام چیزیں ہماری نظر سے گذری ہیں اور ضرورت ہو تو آپ کے سوال کا جواب ہم طویل سے طویل تر بھی دے سکتے ہیں، لیکن بہتر یہی ہوگا کہ فی الحال ہم سے تفصیل کا اصرار نہ کیا جائے۔ بس اتنا اطمینان لیجئے کہ جناب ماہر القادری نے جنوری ۱۹۶۱ء کے فاران میں جن حقائق کو پیش کیا ہے ان میں سے شاید ہی چند حقیقتوں کو جھٹلانا ممکن ہو ورنہ بڑا حصہ ان کا اٹل صداقتوں پر مبنی ہے اور کوئی شک نہیں ہے کہ مولانا امین احسن کی آتش مزاجی نے اختلاف کو جو گھٹیا رنگ دے دیا ہے اس سے ماہر جیسے دردمند کو اسی طرح کی اذیت اور گھٹن ہونی چاہیئے جیسی ان کے ادارئیے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ مولانا اصلاحی کا مولانا مودودی سے اختلاف بجا ہے یا بیجا یہ الگ مسئلہ ہے۔ فرض کر لیا جائے کہ اصلاحی صاحب ہی راہِ صواب پر ہیں مگر تیز نشتر زنی، طنز کاری اور طعن نوازی کو موصوف نے معمول بنا لیا ہے وہ نہ تو اہل علم کے وقار کے مطابق ہے نہ اہل حق کی اخلاص پیشگی کی آئینہ دار۔ نہ متین و نقد اہل قلم کے شایانِ شان۔ اچھے خاصے مضمون میں وہ اچانک ایسے چھوٹے اور زہریلے فقرے ٹپکا جاتے ہیں کہ دماغ بھک سے ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بھی تماشا ہی ہے کہ شریک جماعت رہتے ہوئے انھوں نے بار بار اسلام کو "تحریک" قرار دیا لیکن اب وہ اور ان کے ہم مسلک اس طرح اس لفظ کی عظمی عقونتیں کرید کرید کر سامنے لا رہے ہیں، جیسے اس لفظ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آفت ملت اسلامیہ کے لئے نہ ہو اور مولانا مودودی نے اسے اپنے خاص جادو کے پٹارے سے نکال کر اسلام کے سر مڑھ دیا۔

ممدوح نے انبیاء علیہم السلام کا طریق دعوت اور نصب العین پیش فرمایا تو وہ بھی پورا کا پورا مولانا مودودی ہی کے گرد گھوم رہا ہے۔ تضاد کی کچھ مثالیں ماہر صاحب نے پیش کیں اور تفحص کیا جائے تو بہت سی اور مثالیں ملجائیں گی۔ مختصر یہ ہے کہ عاجز زیر تذکرہ نزاع میں مولانا مودودی کے طرز عمل کو اتنا ہی احسن و اولیٰ سمجھتا ہے جتنا اتنے بڑے عالم اور مفکر سے متوقع ہو سکتا ہے اور اصلاحی صاحب کے طریق جنگ کو اتنا ہی ناخوشگوار اور افسوسناک خیال کرتا ہے جتنا اتنے سمجھدار اور ذی علم آدمی سے متوقع نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے اس پر اصرار نہیں ہے کہ اس اختلاف میں نفس الامری طور پر مولانا مودودی ہی سرتاسر برحق ہیں۔ ہو سکتا ہے بعض امور میں مولانا اصلاحی برحق ہوں لیکن اس پر اصرار ضرور ہے کہ جدل و مبارزت کا جو اسلوب اصلاحی صاحب نے اختیار فرما رکھا ہے وہ قطعی طور پر ناظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر عالمانہ اور حق پرستانہ تر کتابی زیوں کے باوجود تذکیۂ نفس اور صفائے قلب کی اس نعمت سے افسوسناک حد تک عاری ہیں جس سے عاری ہونا آدمی کو غصے اور نزاع کے دوران خوفِ خدا اور عدل و حلم سے بے پروا کر دیتا ہے۔ زبان و قلم کے تیس مار خاں بہت دیکھے ہیں ــــ مثلاً یہی نالائق خالی قال ہی قال کا پشتارہ اٹھائے کرتب دکھلا رہا ہے قلب سیاہ کو تذکیۂ و تقویٰ کی روشنی چھو کر نہیں گذری ــــ لیکن اہل تیس مار خاں وہ ہے

جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا ہو۔ اگر ایمان و تقویٰ کی روح مولانا اصلاحی کے اندر سرایت کر گئی ہوتی تو یہ عبرتناک مناظر کبھی دیکھنے میں نہ آتے جو اب آرہے ہیں۔ جذبات کی شدت میں عموماً خوبصورت کیچلیاں اُتر جاتی ہیں اور اُس وقت نظر آتا ہے کہ اندر کا بدن کالا ہے یا گورا۔ سُتھرا ہے یا داغی معطر ہے یا متعفن۔

ماہر القادری نے جب بھی مولانا اصلاحی کا تذکرہ کیا ہے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا ہے اور قلم کو اعتدال کی حدود سے نکلنے نہیں دیا، لیکن مولانا اصلاحی جب بھی ماہر یا فاران کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسے کبر آمیز پیرائے میں جیسے برہمن کسی اچھوت کا یا سیّد زادہ کسی باندی بچے کا کرتا ہے۔ میثاق کے فائل اُٹھا کر دیکھ لیجئے، جب ماہر و فاران کا ذکر آیا ہے اس حقارت سے آیا ہے جیسے طاقت کے نشے میں چُور پہلوان کسی مریض یا شیشے کا مضحکہ اُڑا رہا ہو۔

یہ طریق عمل آخر کس اندرونی کیفیت کا پتا دیتا ہے؟ — جاہ و دولت کا غرور بہت بُری چیز ہے۔ لیکن علم و فہم اور زہد و تقویٰ کا گھمنڈ تو اس سے پچاس گنا زیادہ بُری چیز ہے۔ مولانا اصلاحی کی تحریروں کے بین السطور ہی سے نہیں، بلکہ کہیں کہیں تو عین متن سے یہ گھمنڈ صاف طور پر جھلکتا ہے۔ اللّٰھم حفظنا۔

ابھی جنوری ۱۹۶۱ء کے میثاق میں ایک سوال شائع ہوا ہے جس میں مولانا اصلاحی سے پوچھا گیا ہے کہ ماہر صاحب نے دسمبر کے فاران میں جو آپ پر صاحب ارض القرآن کے حوالے سے الزام لگایا ہے — یعنی یہ کہ آپ نے مکہ معظمہ کے کسی اخباری نمائندے کو بیان دیا کہ مولانا مودودی حدیث و فقہ کے منکر ہیں — تو اسکی کیا حقیقت ہے؟

اس کے جواب میں مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:-

"مذکورہ مضمون میری نظر سے گذرا تھا، لیکن میں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ٹکسال میں یہ جھوٹ گھڑا گیا ہے اس میں میری نسبت آئے دن اسی طرح کے جھوٹ گھڑے جاتے ہیں اور ان کو گھڑنے اور پھیلانے کے لئے تنخواہ پانے والے ملازموں کی ایک پوری ٹیم موجود ہے۔"

ان ابتدائی فقروں سے اندازہ لگائیے کہ اپنی صفائی کی خاطر دوسروں کو فاسق و فاجر قرار دینے میں مولانا اصلاحی کس قدر بے تکلف ہیں۔ اگر انھیں احساس ہوتا کہ اس طرح کی جھلاہٹیں چھوٹے پن کی دلیل ہیں تو انگارے اگلنے کی بجائے وہ ٹھنڈے متین انداز میں بھی فرما سکتے تھے کہ یہ الزام غلط ہے۔ لیکن تاؤ میں انھیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کس طرح کے الفاظ میری بھاری بھرکم شخصیت کے شایانِ شان ہیں اور کس نوع کی باتیں میری شان میں بٹہ لگاتی ہیں۔

یہ عجیب لطیفہ بھی اس نقل کردہ عبارت میں موجود ہے کہ جس شخص نے فاران کا مضمون نہ پڑھا ہو وہ اس عبارت سے یہی سمجھے گا کہ وہ مضمون بس اسی ایک الزام تک محدود ہے جس کی تردید مولانا اصلاحی فرما رہے ہیں۔ چونکہ یہ الزام اوچھا اور خانہ ساز تھا اس لئے مولانا نے اسے مُنھ لگانے کے قابل نہیں سمجھا۔

لیکن کیا حقیقت بھی یہی ہے؟ — دسمبر کا فاران دیکھئے۔ مدیر فاران نے زیر تذکرہ نزاع کی تنقید و تنقیح میں اٹھائیس صفحات صرف کئے ہیں اور یہ الزام تو محض ضمناً ایک امر زائد کی حیثیت سے آگیا ہے ورنہ اصل اور اہم تر جز تو اس مضمون کا یہ ہے کہ مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف صاحب فاش قسم کے تضادات کا شکار ہیں۔ مدیر فاران نے خود انھی حضرات کی عبارتوں سے تضاد کو واضح کیا ہے اور کوئی راہ سوائے تاویلات بارد اور نکاتِ بعد الوقوع کے ان سے عہدہ برآ ہونے کی نظر نہیں آتی۔ مولانا اصلاحی بیشک بہت بڑے ہیں، لیکن جب کسی بڑے کو اپنی بڑائی کا غرہ ہو جائے تو اس کی بڑائی سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے۔

مولانا اصلاحی صاحب کے پاس اپنی تضاد بیانیوں اور حدودِ متانت سے متجاوز شعلہ بیانیوں کا کوئی جواب نہیں، لیکن وہ دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ معترضین محض کیچوے ہیں کلبلاتے رہیں میں تو ریہو اور دھیسل کا شکاری ہوں انھیں منھ نہیں لگا سکتا۔ وہ شاید خلوت میں خود کو بھی یہی دلاسا دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوں گے کہ او نھ تم تو پہاڑ ہو موجیں ٹکرا ٹکرا کر آپ اپنا سر پھوڑیں گی۔

حالانکہ ان کی اس بحث سے متعلق تحریروں کا نہج و اسلوب ان کے قدر دانوں تک کو اس شبہ میں مبتلا کئے جا رہا ہے کہ اس پہاڑ کے بطن میں آیا کچھ ٹھوس مواد بھی ہے یا محض خول ہی خول ہے۔

رہے جناب حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب تو ان کے بارے میں عاجز کی بنیادی رائے یہ ہے کہ وہ مخلص ہیں مگر ان کا اخلاص ان کے عقل و ادراک سے بڑھ گیا ہے جس کے نتیجے میں ان کے منطقی شعور میں کچھ ایسی گڑبڑ واقع ہو گئی ہے جیسے قرآن کی آیات کو الٹ پلٹ کے بے ترتیب لکھ دیا جائے اور تلاوت کرنے والا چکراتا پھرے کہ ایں چہ بوالعجبی است!

ہم المنیر برابر دیکھتے ہیں۔ اشرف صاحب میں خلوص اور سوز و گداز ہے مگر فکر میں جماؤ اور صلابت نہیں۔ ان کے ارادوں اور فیصلوں میں حدیثِ مضطرب کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اسلام اور امت کے سچے بہی خواہ ہیں اور دانستہ کسی طرح کی حق دشمنی، ناانصافی اور شرارت کرنا ہرگز نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی طولانی تحریروں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے انکی معصومیت اور نیک نفسی ان کی قوتِ فیصلہ اور سوجھ بوجھ کے لئے حجاب بن کر رہ گئی ہو۔ معمولی سمجھ کا آدمی کو راستہ دکھاتی ہے لیکن جب وہ بہت بڑھ جائے تو آنکھوں کو چکا چوند بھی کر دیتی ہے۔ خلوص، علم، عقل، قوتِ فیصلہ، عزم، نطق، یہ سب وہ بہترین اجزاء ہیں جن سے مل کر اعلیٰ انسانیت کا نسخہ تیار ہوتا ہے، لیکن حکیم اشرف صاحب سے زیادہ کون جانے گا کہ اجزاء کا تناسب نسخہ کی افادیت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اجزا سب ہوں گے مگر اوزان بدل دیجئے تریاق زہر بن جائے گا۔ ہماری ناقص تشخیص یہی ہے کہ حکیم اشرف صاحب کی مختلف صفاتِ حسنہ اور خوشگوار صلاحیتوں میں تناسب و توازن کا معاملہ گڑبڑا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کہا جائے گا کہ یہ پدی نہ پدی کا شوربا مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف جیسے ممتاز لیڈروں کے بارے میں اس طرح اظہارِ رائے کر رہا ہے جیسے اپنے آپ کو زمانے بھر کا افلاطون سمجھتا ہو۔ کہے جائیے، عاجز تو اپنے کو ان حضرات کی خاک پا سے زیادہ نہیں سمجھتا، لیکن یہ ضرور ہے کہ معرکہ جب نقد و نظر کا آئے تو جماعت اسلامی کے اسی شہرہ آفاق اصول کا پیرو ہے کہ اللہ اور رسول کے علاوہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں۔ آخر میں ایک بات عرض کر دوں۔ جس طرح کے نقائص میں بعض اور لوگوں میں گنواتا ہوں ضروری نہیں ہے کہ خود میں بھی ان سے خالی ہوں تلخ گوئی، شعلہ بیانی، بے اعتدالی، جھلاہٹ، دروغ کاری وغیرہ کے الزامات اگر کوئی مجھ پر عائد کرے تو وہ بجا بھی ہو سکتے ہیں، لیکن مجھ جیسے بے بضاعت اور معمولی آدمی کا ملزم ہونا کیا اونچے اور غیر معمولی آدمیوں کے قصوروں کا کفارہ بن سکتا ہے؟

اگر بن سکتا ہو تو الحمدللہ۔ سارے الزامات مجھی پر لوٹا دیجئے۔ مُردے پر جہاں تو من مٹی وہاں سو من سہی! پاک دامن اُن بزرگوں کو رہنا چاہئے جو طریق انبیاء کا علم اٹھا کے چلے ہیں۔ البتہ اُن مضحکہ اُڑانے والوں کو پھانسی پر ضرور لٹکا دینا چاہئے جو تالیاں بجا رہے ہیں کہ لو صاحب مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف جیسے اساطین نے سالہا سال تک پھیپھڑوں اور انگلیوں کے پورے زور کے ساتھ جو ڈنکا پیٹا تھا کہ جماعت اسلامی ہی آج کی دنیا میں صحیح ترین اسلامی دعوت کی علمبردار ہے تو اب وہی ڈنکا

جماعت اسلامی کو پیٹ رہا ہے اور یہ حضرات نئے سرے سے طریق انبیاء کی باریکیاں سمجھانے چلے ہیں۔ اب کیا ضمانت ہے کہ دس بیس سال پاپڑ بیلنے کے بعد جب اس تنقیح شدہ طریق انبیاء پر چلنے والی ایک جماعت تیار ہو جائیگی تو پھر کوئی اصلاحی خم ٹھونک کر نہیں کہے گا کہ یہ سب فراڈ تھا صحیح طریق انبیاء میں بتاتا ہوں۔

کام نہ کرنے کا ایک حکیمانہ طریقہ یہ بھی ہے کہ اونچی اونچی باتیں کیجئے۔ اعلیٰ درجہ کے سبق پڑھائیے۔ طائر گرپائی کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیجئے' جو چھوٹے موٹے کام بُرے بھلے ہو رہے ہوں ان میں کیڑے ڈالئے' ملائکہ اور انبیاء کی سطح سے نیچے نقمہ نہ توڑیئے' جو دو چار تنکے جھونپڑے کا کام دے رہے ہوں انھیں سوختنی قرار دے کر محلوں کی بات کیجئے۔

ہم بھی بہت شوق سے منتظر ہیں کہ دیکھیں کتب کستان کی مرحوم جماعت اسلامی کی ہڈیوں پر نغمہ اور مصفیٰ طریق انبیاء کی دعوت کا الحمراء تعمیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس انتظار کو راس لائے۔

سوال:۔ از رئیس احمد۔ پٹنہ۔

امام ابوحنیفہؒ کی شان میں غلو

احناف کی بعض کتابوں میں ہماری نظر سے گذرا ہے کہ فقہ کی مستند کتاب ردالمحتار میں بہت بڑے محدث جناب ابن المبارک کے عربی اشعار نقل ہوئے ہیں جن میں امام شافعی کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں پس اس شخص پر ریت کے ذروں کی برابر لعنتیں ہوں جو ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کرے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ امام شافعیؒ تو خود مستقل امام ہیں اور اقوال ابوحنیفہ کے رد میں پیش پیش۔ پھر انھوں نے یہ قول کیسے کیا۔ براہ کرم بتلائیے کہ یہ عربی اشعار واقعی ردالمحتار میں ہیں یا نہیں اور ہیں تو انھیں کیا سمجھا جائے؟

جواب:۔ افسوس ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ امام اعظمؒ کے نادان اور کوتاہ فہم دوستوں نے بعض ایسی عامیانہ کتابیں تصنیف کر دی ہیں جنھیں پڑھ کر طبیعت کند ہوتی ہے۔ امام اعظمؒ کے تو مسلمہ اوصاف ہی اتنے تھے کہ میانہ روی کے ساتھ ان کا بیان کر دینا ان کی جلالت شان کے اظہار میں کافی ہوتا لیکن یار لوگوں کو غلو کے بغیر مزا کب آتا ہے

بے شک ردالمحتار میں امیر المومنین فی الحدیث ابن مبارکؒ کے اشعار موجود ہیں اور ان میں امام شافعیؒ کا قول بیان ہوا ہے۔ لیکن یہ لعنت والا ٹکڑا خود ابن مبارک ہی کا ہے بشرطیکہ ان اشعار کی نسبت اُن کی طرف درست ہو۔ امام شافعیؒ کا قول تو صرف اتنا ہے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔ اس کی تصدیق حافظ ابن حجرؒ امام نووی اور خطیب بغدادی وغیرہم بھی کرتے ہیں۔ تو اس میں شک کی گنجائش نہیں نہ حیرت کی ضرورت۔ ابوحنیفہؒ اسلام کے وہ پہلے مقنن ہیں جن پر ملت اسلامیہ رہتی دنیا تک فخر کر سکتی ہے۔ انھوں نے تفقہ کا دروازہ کھولا ہے' اجتہاد کی راہوں میں مشعلیں جلائی ہیں اور فقہ کی امامت کا تاج زرّیں ان کے سر پر خوب زیب دیتا ہے اسی لئے ہر بعد کا مجتہد و فقیہ چاہے ان سے بعض مسائل میں اختلاف ہی کرتا ہو مگر اس لحاظ سے ان کے عیال میں داخل ہے کہ انھی کی ہموار کردہ راہ تفقہ پر چل کر اسے نقد و نظر کا سلیقہ ملا ہے۔

ہاں لعنت والی بات غلط اور بالیقین غلط ہے۔ ابن مبارک بڑے اونچے محدثین میں ہوئے ہیں۔ امام اعظمؒ کے شاگرد بھی ہیں۔ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایسی بات کہہ گذرے ہوں جو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اگر واقعی انھوں ہی نے کہی ہے تو ہم اس کی یہ تاویل کرینگے کہ وہ اُسی آفت کا شکار ہو گئے جو بعض اوقات شاعروں پر آپڑتی ہے۔ یعنی مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے صحیح الفاظ نظم نہیں ہو پا رہے تو کھینچ تان کے قریب المفہوم الفاظ سے شعر پورا کر دیا اور مطمئن ہو گئے کہ سننے والا ہمارا مافی الضمیر سمجھ لے گا۔ حالانکہ اس طرح کی حالت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ

مافی الضمیر تو شاعر کے پیٹ ہی میں رہجاتا ہے اور سننے والے غلط فہمی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ ابن مبارک کا منشا یہ ہوگا کہ جو شخص تحقیر و تذلیل کے طور پر ابو حنیفہؒ کی تردید کرے اور ایسی نفسانیت کے ساتھ ان کا حریف بنے کہ اس سے ان کی جلالتِ شان پر حرف آتا ہو وہ بیشمار لعنتوں کا مستحق ہے۔ بحر چھوٹی تھی، پوری بات مصرعہ میں کھپ نہ سکی۔ کہہ گزرے کہ علی من رد قول ابی حنیفۃ۔ حالانکہ کہنا یہ چاہئے تھا:۔

علی من حاول رد ابی حنیفۃ

یعنی اس پر بے شمار لعنتیں جس نے ابو حنیفہؒ کی قدر گھٹانے کی سعی کی۔

لیکن سچ پوچھئے تو بات یوں بھی نہیں بنتی۔ امام اعظم رح کا رد بطور تحقیر و تخفیف اگرچہ ہے فعل شنیع، لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کا مرتکب پرلے سرے کا ملعون قرار دیا جائے۔ جن علماء نے توسع برتا ہے ان کا دائرہ بھی اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ لعن بالکل ہی کھلونا بن جائے۔

در اصل شاعری اور عقائد کے ڈانڈے ملا دینا کام ہی خطرناک ہے۔ اچھے اچھے ذمہ داروں کو دیکھا ہے کہ شعر میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جس کا کوئی جوڑ ان کے عام طرزِ فکر اور عقائد و آرا سے نہیں ملتا۔ ہمارے بعض قریبی اسلاف ہی کی مثالیں موجود ہیں کہ سنجیدہ علمی سطح پر تو ان کے عقائد کچھ اور تھے اور ان عقائد پر ان کا سختی سے اصرار بھی معلوم و معروف تھا مگر شعر کہنے بیٹھے تو بعض مضامین ان عقائد کی ضد ہی باندھ گئے اور حریفوں کو کہنے کا موقع ملا کہ او صاحب تم ہمیں تو مجرم ٹھیراتے ہو تمہارے ہم عقیدہ بزرگ کیا فرما رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ زیر بحث اشعار درمختار میں موجود تو ہیں، لیکن حواشی درمختار میں ہی ان کو رد بھی کر دیا گیا ہے اور کوئی مستند عالم ایسا نہیں ہے جو ابن مبارک کے اس قول کو بشرطیکہ یہ ان کا ہو بھی ہوئے مستانہ سے زیادہ وقعت دینے کو تیار ہو۔ صحیح ترین بات یہ ہے کہ جن مجتہدین نے فکری دیانت کے ساتھ ابو حنیفہؒ کے قول کا رد کیا وہ نہ صرف لعنت جیسی لرزہ خیز تعزیر سے بالاتر ہیں بلکہ مستحق ثواب بھی ہیں چاہے ان کا رد نفس الامری اعتبار سے درست ہو یا غلط اور جو لوگ عناد و بغض کی رو میں بطور تقلیل و تحقیر امام صاحبؒ کے قول کا رد کرتے ہیں وہ خطا کار قابل تفریں ضرور ہیں لیکن لعنتوں کی مار انھیں بھی نہیں دی جا سکتی۔ جو دے گا وہ خدا کے یہاں محاسبہ کی ذمہ داری اٹھائے۔

اور یہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ درمختار اور اس جیسی اور بعض مشہور ترین کتابیں اگرچہ نہایت وقیع المرتبہ ہیں لیکن ایسے اجزاء سے خالی نہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے یا جنھیں رد کر دینا ضروری ہے۔ وہ واحد کتاب تو قرآن ہی ہے جس کا حرف حرف اٹل اور شوشہ شوشہ روحِ ایمان ہے۔

القاموس الجدید

اُردو سے عربی بنانے کے لئے ایک جدید لغت جو افادیت میں بے نظیر ہے۔ ہزاروں الفاظ، روزمرہ کے محاورے، فنی اصطلاحیں وغیرہ۔ قیمت مجلد سات روپے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

سوال: ۔ شمشاد علی۔ بستی

مشتبہ اُمور

میں ایک سال سے کچہری میں اسٹامپ وینڈر ہوں مقدمے کے کاغذات و ٹکٹ بیچتا ہوں۔ حکومت کے دفتر سے ٹکٹ کمیشن پر ملتا ہے ظاہر ہے کہ اتنے

قلیل کمیشن پر کام نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ارفی درخواست (جو عہر کے ٹکٹ کا پیتا ہے) بٹہ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ کاغذات ہیں جو حکومت سے کبھی کبھی ملتے ہیں عموماً بازار (کچہری) سے بلیک سے خرید کر بیچنا پڑتا ہے اور دام مقرر ہیں لیکن ۱ر اور ۲ر کا بکتا ہے۔ ٹکٹ پر بٹہ کی کوئی شرح مقرر نہیں ہے۔ کچھ لوگ ۰ر دیتے ہیں اور کچھ لوگ ۱ر بظاہر یہ منافع ہوتا ہے، لیکن لفظ بٹہ میرے لئے اُلجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ تم فلاں جماعت کے ہمدرد ہو اور سود لیتے ہو۔ تو کیا بٹہ حقیقتاً سود ہی ہے؟ اگر سود نہیں ہے تو کیا منافع سمجھا جا سکتا ہے؟ میرا ضمیر ان الجھنوں میں گرفتار ہے آپ اس سلسلے میں بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے تاکہ مذہب کی نافرمانی نہ ہو، کیونکہ دنیاوی نفع و نقصان تو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ آخرت کے عذاب اور پرسش سے اللہ بچائے۔

جواب:۔

اگر متعینہ قیمتوں سے کچھ زیادہ وصول کرنا ملکی قانون ممنوع قرار دیتا ہے تو قانون کی پابندی لازمی ہے۔ زائد رقم کا نام بٹہ رکھئے یا کچھ اور بہرصورت وہ غیر جائز نفع میں داخل ہے۔

لیکن اگر قانون صراحت کے ساتھ اسکی ممانعت نہیں کرتا، بلکہ اسٹامپ وینڈرز مختار ہیں کہ جو زائد قیمت مل سکے وصول کرلیں تب موقع بہ موقع زائد وصول کرلینا جائز ہوگا۔

بلیک بہرحال میں گناہ نہیں ہے۔ اگر سرکاری محکمہ بروقت اور کافی مقدار میں وہ کاغذات مہیا نہ کرے جن کی ضرورت اہل احتیاج کو پڑتی رہتی ہے اور اسکے نتیجے میں "بلیک" رائج ہوجائے تو وہ شخص شرعاً گنہگار نہ ہوگا جس نے کوئی کاغذ بلیک سے خریدا اور کچھ نفع لے کر بیچ دیا۔

سود کا دخل ان معاملات میں کچھ نہیں پہلی غیر جائز صورت میں بھی زائد حاصل کردہ نفع سود کی طرح ناپاک نہ ہوگا، بلکہ اُس نفع جیسا ہوگا جو بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو۔ بیع فاسد مکروہ و ممنوع ضرور ہے مگر سود کی بدترین لعنت سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

سوال:۔ (ایضاً)

میاں بیوی کے معاملات

بیوی اگر زبان دراز ہو اور ہر وقت شوہر سے لڑتی جھگڑتی رہے اور شوہر عاجز آکر اس کو طلاق دیدے تو اللہ ایسے شوہر سے ناراض ہوگا؟ (شوہر کو یقین ہو چکا ہو کہ اس بیوی کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا اور اگر زبردستی نباہ کی کوشش کرے تو سیدھی راہ سے بھٹک جانیکا خطرہ ہے

جواب:۔

طلاق شریعت نے رکھی ہی اس لئے ہے کہ جب نباہ عملاً محال ہوجائے تو زن و شوہر علیحدہ ہو جائیں۔ اگر نباہ کی تمام ممکن کوششیں کرچکنے کے بعد بھی آپ دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھ رہے ہیں کہ گاڑی آگے نہیں چلے گی تو طلاق دے سکتے ہیں لیکن مہر ادا کرتے ہوئے۔ اور وہ مال بیوی ہی کے حوالے کیجئے جو وہ اپنے میکے سے لائی تھی۔ نیز جو زیور یا کپڑا یا اور کوئی چیز آپ اسے ہبہ کرچکے ہیں وہ بھی اسی کا حق ہے۔

مفتی اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس کا صحیح فیصلہ اللہ ہی کرے گا کہ نباہ سے مایوس ہوجانے میں آپ کس حد تک حق بجانب ہیں۔

سوال:۔ از احمد محمد ہتھورانی۔ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ)

تین مختلف سوال

یہ سرد ملک ہے۔ لوگ یہاں پر اونی کپڑوں کے سوٹ پہنتے ہیں۔ اونی کپڑے پانی میں دُھلنے سے خراب ہوجاتے ہیں اس لئے اسے "ڈرائی کلیننگ" میں بھیجتے ہیں۔ ڈرائی کلیننگ میں پٹرول یا بین زائن سے دُھلتے ہیں جس میں اُونی

کپڑوں کے نچوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ناپاک کپڑا تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے سے پاک ہوتا ہے۔ ڈرائی کلیننگ میں بہت سے کپڑے ایک ساتھ پٹرول یا بین زائن میں ڈالے جاتے ہیں، اپنا کپڑا پاک ہو مگر دوسروں کے ناپاک کپڑے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بین زائن میل کو جلا دیتا ہے اور کپڑا ایک دم صاف ہو جاتا ہے۔ تو کیا ڈرائی کلیننگ سے ناپاک کپڑا پاک ہو جاتا ہے؟ اور اس کپڑے سے نماز پڑھ سکتے ہیں

سوال ۵: کیا وضو کرتے وقت سلام کرنا اور سوال کا جواب دینا جائز ہے؟

سوال ۶: موجودہ زمانے میں عورتوں کو نماز باجماعت کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر عورتیں جانا چاہیں تو کیا ان کے مردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیں۔

جواب ۶:

ڈرائی کلیننگ کا طریقہ نوایجاد ہے۔ فقہائے سابق میں معین طور پر تو اس کا حکم نہیں مل سکتا لیکن فقہ کے اصول فروع میں عاجز کو جس حد تک غور و فکر کی استعداد اور توفیق نصیب ہوئی ہے اس کے اعتبار سے بات یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کپڑا پاک ہے۔ اصل چیز ازالۂ نجاست ہے۔ پانی محض ذریعہ ہے۔ اگر ذریعہ بدل جائے مگر مقصد حاصل ہو جائے تو کپڑا پاک ہو جانا چاہیئے۔ آگ بھی ازالۂ نجاست کا ایک ذریعہ سمجھی گئی ہے۔ اگر آگ کا کام پٹرول یا بین زائین انجام دیتی ہے تو نجاست بہرحال دور ہوئی سائنٹفک تجزیہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ ڈرائی کلیننگ سے نجاست کے اجزاء ترکیبی کلیتاً ختم نہیں ہو جاتے، بلکہ کسی نہ کسی حیثیت میں موجود رہتے ہیں تب بھی یہ فیصلہ مشکل ہے کہ کپڑا جوں کا توں ناپاک ہے۔ ایک بڑے تالاب میں نجاستیں گرتی رہتی ہیں اور ان کے اجزاء ترکیبی یقیناً پانی ہی میں باقی رہتے ہیں، لیکن پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ اصل چیز نجاست کے جوہری اجزا نہیں بلکہ وہ اثرات و خواص ہیں جو ان اجزا کی قدرتی ترتیب سے ظہور میں آتے ہیں۔ اگر یہ اثرات و خواص کسی بھی طور پر زائل ہو گئے ہیں تو محض ان اجزاء کا موجود رہنا بقائے نجاست کو مستلزم نہیں ہے، یہی اصول ڈرائی کلین میں نافذ کر لیجئے۔

فقہاء کی یہ تصریحات تو کتب فقہ میں موجود ہیں ہی کہ انقلاب حقیقت سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔ صابن میں استعمال ہونے والے تیل ــ خواہ وہ ناپاک ہی ہوں اور چربی فقہاء کے نزدیک انقلاب حقیقت ہی کی وجہ سے پاک ہو جاتے ہیں۔ نجس چیزوں کا استحالہ مسلمات فقہ میں سے ہے۔ پھر ابتلائے عام۔ یا اصطلاحی لفظوں میں عموم بلوی بھی قابل لحاظ ہے۔ ملک سرد ہے تو ادنی کپڑے حقیقی ضروریات میں داخل ہوئے۔ پانی کی دھلائی انھیں برباد کر دیتی ہے تو ڈرائی کلین کو مجبوری ہی کے درجہ میں رکھنا پڑے گا۔ تاہم عاجز کی رائے ایک بے بضاعت کی رائے سے زیادہ نہیں۔ دیگر اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے۔

جواب ۵: جائز ہے۔

جواب ۶: عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا آج تو کیا جائز ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت عائشہؓ نے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اگر آج رسول اللہؐ زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے۔

ہوا و ہوس، جنسی انارکی، فسق و فجور اور گناہ و طغیان کے اس دور نامسعود میں عورتوں کا مسجد میں جانا جس فتنۂ صریحہ اور فساد عظیمہ پر منتج ہو سکتا ہے اسکی تصویر بھی تخیل حاصل ہے۔ اندھا ہی ہوگا جو اس پہاڑ جیسی حقیقت کو نہ دیکھ سکے کہ عورت کا فتنہ آج کس منزل میں ہے اور زندگی کے کسی بھی شعبے میں مرد و زن کا اختلاط و قرب لازمی طور پر کن ہولناک عفونتوں کا پیغامبر ہو سکتا ہے۔ مردوں کو نہ صرف حق حاصل ہے، بلکہ اگر وہ مسجدوں سے

عورتوں کو روکنے کا حق استعمال نہیں کریں گے تو اللہ کے یہاں سخت گرفت ہوگی۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں عورتیں مسجد میں آتی تھیں۔ اس نکتہ پر بہت بحث ہو چکی اور کوئی معتبر عالم ایسا نہیں جو اس دلیل سے آج بھی عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز قرار دیتا ہو۔

سوال ۹: — از محمد اشفاق حسین۔ حیدرآباد دکن

مسلمان مشرک

یہاں کے ایک مشہور و معروف عالم اور مرشد صاحب سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دیکھو التحیات میں السلام علیک ایھا النبیؐ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے نیز اس بات پر بھی غور کرو کہ لفظ کے ساتھ معنی اور معنی کے ساتھ مصداق ذہن میں آجاتا ہے۔ پس صراط الذین انعمت علیھم کہتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کا ذہن میں آجانا جو اس کے فرد اعلیٰ اور بہترین مصداق ہیں، ایک طبعی بات ہے۔ او مدعیانِ توحید! تم یا رسول اللہ پکارنے کو اور حضرت کے اس کا علم رکھنے کو کفر اور شرک اور کیا کیا سمجھتے ہو سنو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ ضرور ہم نے تم کو شاہد، گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ شاہد دیکھتا ہے، لہٰذا حضرتؐ ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں دیکھو سُنی سُنائی کی شہادت درست نہیں، جب اصل شاہد حاضر ہو تو فرع کی شہادت صحیح نہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں، دشوار گذرتی ہیں۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں، ہماری تکلیفات ان پر کیونکر شاق گذریں گی۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ لَا يَشَاكُ اَحَدُكُمْ بِشَوْكَةٍ اِلَّا وَاحِدُ الْمَهَاءِ یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں۔ بعض احادیث میں ہے۔ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنْ نُوْرِيْ۔ یعنی میں اللہ کے نور (وجود سے) ہوں اور ہر شے میرے نور (وجود) سے ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ اللّٰهُ يُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔ اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں — ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

ابن سنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں عبداللہ بن عمرؓ کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں۔ یعنی پیر سُن ہو گئے تھے اُن سے کسی نے کہا آپ اپنے محبوب ترین شخص کو پکارو۔ انھوں نے یا محمداہ پکارا اور کھڑے ہو کر چلنے لگے۔ یہی حال عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کا ہوا انھوں نے یا محمدؐ کا نعرہ مارا اور ایسے ہو گئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو۔

"کنز العمال" مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے۔ اس میں ہے۔ فَقَالَ عُمَيْدٌ السلام علیک یا رسول اللہ — اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَاذَا لَقِيْتُ بَعْدَكُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ — آپ پر سلام یا ابا بکر آپ پر سلام۔ میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں۔ حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے۔ آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو، فرمایا کہ پکارے اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ — اے بندگانِ خدا تم میری مدد کرو۔ ہم کو اللہ کا حبیب اُحبُّ النّاس ہے۔ ہم پکارتے ہیں یا محمداہ۔ ہم راہ گم گشتہ ہیں۔ ہم پکارتے ہیں۔ اعینونی یا عباد اللہ یا غوث یا خواجہ یا نقشبند یا بدوی یا شاذلی ہماری مدد کرو۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا کونسا کام ہے جو نیت صالح سے کیا جائے اور عبادت نہ ہو۔ اور

سورۃ فتح کی تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ایک اور بات یاد رکھو۔ اگر ننانوے پہلو شرک و کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا ہو تو ہرگز ایسا کہنے والے کو کافر یا مشرک نہیں کہہ سکتے۔

براہ مہربانی جواب دیجئے کہ ان سب باتوں کی علم و عقل کی روشنی میں کیا حقیقت ہے؟

جواب:۔

تجلی میں آئے دن اسی نوع کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہتے ہیں اور بدعت و سنت اور شرک و توحید کی بحثوں میں یہ نکتہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جس خاص سوال کا ہم جواب دے رہے ہیں بات اسی تک محدود نہ رہے، بلکہ قارئین کو مستقلاً ایک ایسا زاویہ نظر مہیا ہو جائے جس کے ذریعہ وہ اس جیسے دوسرے مسئلوں پر بھی آپ سے آپ صحت مندانہ غور و فکر کر سکیں۔

پیش کردہ سوالنامہ اسی نوع کا ہے کہ جس شخص نے التزام کے ساتھ کچھ دنوں تجلی کا مطالعہ کیا ہوگا وہ خود بخود محسوس کرے گا کہ جواب کیا ہونا چاہئے۔

پھر بھی حسب گنجائش ہم جواب پیش کئے دیتے ہیں۔

خدا فکر و نظر کی نامسلمانی اور ذہنی دق سے بچائے۔

اُس شخص کی بے دانشی اور غلط فکری کا کیا ٹھکانا ہے جو ایاک نعبد و ایاک نستعین جیسی آیت کی تفسیر میں بھی غیر اللہ کی نیاز مندیوں سے باز نہیں آتا۔ اسی کو کہتے ہیں منہ کو خون لگنا۔ یہ وہ پاکیزہ ترین آیت ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے نہایت خصوصیت اور حصر کے ساتھ اپنی ذات والا کو عبودیت و استعانت کا مرجع و ماویٰ ٹھیرایا ہے اور کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ آیت کو دہرا نیوالے کا ذہن غیر اللہ کی طرف منعطف ہو۔ لیکن جن مفسرین کے دل و دماغ میں شرک و بدعت کے جراثیم جڑ پکڑ چکے ہیں وہ اس کی تفسیر میں بھی توحید خالص پر مطمئن نہیں ہو سکتے بلکہ ضرور ایسے شوشے نکالتے ہیں جن سے ان جراثیم کو غذا ملتی رہے۔

علم دین کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ نماز میں السلام علیک ایھا النبی کے الفاظ شب معراج کی یادگار کے طور پر شامل ہوئے ہیں اور کوئی سلیم الطبع مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان الفاظ کو دہراتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے ہوتے ہیں اور خطاب کو سنتے ہیں۔ ایسا باطل تصور صرف وہی لوگ کریں گے جنھیں توحید کی ہوا بھی نہیں لگی اور نماز کی حقیقت کا انھیں بالکل ادراک نہیں ہو سکا۔ الفاظ کے ساتھ معنی کا تصور بجا، لیکن اس کے کچھ حدود ہیں۔ جب یہ طے ہے کہ نماز بارگاہِ الٰہی میں حاضری، اظہارِ عجز اور حمد و مناجات کا نام ہے تو نمازی کے لئے کوئی بھی ایسا تصور جائز نہیں ہو سکتا جو بندگی اور حضورِ الٰہی میں خشوع و خضوع کی راہ روک لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرد تصور آجانا جرم نہیں۔ لیکن اس تصور کا اس حد تک پھیل جانا کہ عبادتِ الٰہی کا جذبہ خالص گدلا ہو جائے بدترین جرم ہے حضور پُرنور کی ذاتِ مقدسہ چونکہ مومنوں کے لئے ایسی ہی محبوب ہے کہ اس کے تصور میں اُن کی ذہنی رَو کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے اسی لئے بعض اہل اللہ نے خصوصیت سے اس تصور پر تنبیہ کی۔

انا ارسلناک شاھدا کی تفسیر میں جو نکتہ سنجی کی گئی ہے وہ کھلے طور پر دُور از کار ہے۔ ایک بھی معتبر و مستند مفسر کا نام نہیں لیا جا سکتا جس نے شاھدا کی تفسیر یہ کی ہو کہ حضورؐ ہمارے تمام تفصیلی حالات دیکھنے والے تھے۔ یہ تو چودھویں صدی کے بے مثال موحدین ہی کا کارنامہ ہے کہ عیسائیوں کی طرح محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی نہ کسی طرح مسندِ الوہیت پر بٹھا دیں اور اللہ کی طرح حاضر و ناظر قرار دے ڈالیں۔

یہ بات بارہا مدلل واضح کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننا کھلا شرک ہے اور یہ تاویل عذر لنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور حضورؐ کا عطائی "لہذا شرک لازم نہیں آتا"

ائمہ احناف کے نزدیک اللہ کے سوا کسی کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا کافر و مشرک ہے۔ احناف کی کتاب بحرالرائق کی کتاب النکاح میں تصریح ہے کہ جو شخص نکاح کے وقت گواہ اللہ اور رسول کو قرار دے وہ کافر و مشرک ہے۔ اسی طرح شامی ردالمحتار میں یہ عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے کہ رسول اللہ حاضر و ناظر ہیں۔ ایک نہیں ہزار دلیلیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں کہ یہ عقیدہ واہی ہے۔ بخاری کی ایک ہی حدیث آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی کہ حشر کے دن جب رسول اللہ کو بعض لوگوں کے بارے میں خیال ہوگا کہ یہ اس قابل ہیں کہ انھیں حوض کوثر سے سیراب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ انک لا تدری ما احدثوا بعدک (تم نہیں جانتے ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا حرکتیں کیں) امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ اکبر کی شرح میں مشہور حنفی عالم ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الانبیاء لم یعلم المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ احیانا وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی یعلم الغیب لمعارضتہ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔

خوب سمجھ لو انبیاء غیبی امور سے واقف نہ تھے ہاں بس اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ کبھی کبھی انھیں بتا دیا کرتا تھا اور احناف نے کھلے طور پر فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص آپ کی غیب دانی کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے کہ اے محمد! کہدیجئے کائنات میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

+ + + +
+ + + +

بخاری کی حدیث ہے:۔

واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم۔

خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہونیوالا ہے

+ + + +

اس کے ذیل میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

والحاصل انہ یرید نفی علم الغیب عن نفسہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اس روایت کا حاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ کے سوا کسی کا بھی حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہونا ایسا ناممکن، دور از کار، لغو و مہمل اور کفر و شرک سے مملو عقیدہ ہے کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا سمجھ لو اس کا قلب جذام میں اور اس کا دماغ تپ دق میں مبتلا ہے۔ فکری اعصاب کی ساخت ہی میں کوئی گڑبڑ واقع نہ ہو جائے تو قرآن و سنت پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی انسان بحالت ہوش و حواس اس صریح البطلان عقیدے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم۔۔۔۔

اس آیت کے ذیل میں جو سطحی فقرہ مفسر صاحب نے داغ دیا وہ بھی اسی حقیقت کا غماز ہے کہ انکا مقصود قرآن کی تفسیر نہیں، بلکہ قرآن کو کھینچ تان کے اپنے باطل عقائد کے قدموں میں جھکانا ہے نعوذ باللہ من ذلک اسلامی نظام عدالت قائم ہو تو ایسے نکتہ سنجوں کو کوڑوں کی سزا ملنی چاہئے جو آیات الٰہیہ سے صریح مسخر کرتے ہیں اور ایسے معانی نکالتے ہیں جن کے لئے سیاق و سباق میں کوئی گنجائش نہیں۔

ذرا قرآن اٹھا کر دیکھئے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کس محل میں یہ آیت فرما رہے ہیں جس سے مفسر صاحب نے من مانا نکتہ نکالا ہے۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ نَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ ھَلْ یَرٰىکُمْ مِّنْ اَحَدٍ

کیا انہیں دیکھتے کہ وہ (منافق) آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں ایک بار زیادہ بار پھر بھی تو یہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایکدوسرے کی طرف دیکھنے رہتے ہیں کہ کسی مومن نے ہمیں تاڑا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں۔ اللہ نے

ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

+ + + +

ان کے دل پھیر دیئے ہیں بایں وجہ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ آیا ہے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے تم پر گذر نیوالی ہر تکلیف اس پر گراں گذرتی ہے۔ تمہاری خیر خواہی کا آرزو مند ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہے، پھر بھی اگر وہ منافقین منھ پھیرتے ہیں تو کہدو مجھے اللہ کافی ہے۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

کیا ان آیات میں صریح طور پر ایسا مضمون موجود نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا منشاء صاف معلوم ہو جائے۔ کیا ان سے کسی درجہ میں بھی وہ فضول استدلال کیا جاسکتا ہے جو مفسر صاحب نے کیا ہے۔ حضورؐ اپنے اصحاب، اپنے اعزا، اپنے ہم عصر تمام انسانوں کے حق میں کس قدر شفیق تھے یہ محتاج بیان نہیں۔ دنیاوی تکالیف میں بھی لوگوں کی ہر ممکن ہمدردی فرماتے اور اُن تکالیف کا بھی آپ کو بہت خیال رہتا جو خدا کی نافرمانی اور کفر و شرک کی صورت میں انسانوں کو پہنچنے والی ہیں۔ اسی لئے طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے مگر دعوتِ حق سے دستبردار نہ ہوتے۔

اب جو شخص ایسی واضح آیات سے یہ من گھڑت مطلب اخذ کرنے لگے کہ قیامت تک ہر امتی کے جملہ آلام و مصائب کی ایک ایک تفصیل حضورؐ کو معلوم ہوتی رہنی چاہئے ورنہ عزیز علیہ ما عنتم کے الفاظ قرآنی غلط ہو جائیں گے اس کے بارے میں سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ وہ قرآن کی بجائے اپنے عقائد باطلہ کی تفسیر کر رہا ہے۔

غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو فقرے نقل کئے گئے اگر انھیں حدیث ہی مان لیں تو ان کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیتک زندہ رہے اصحاب سے اس درجہ شفقت و محبت کا تعلق رکھتے تھے کہ ذرا سی بھی تکلیف کسی کو ہو اس کا احساس فرماتے تھے۔ یہ نظارہ تو آج بھی قدم قدم پر دیکھا جاسکتا ہے کہ اولاد کو ذرا سی تکلیف ہو والدین اس سے زیادہ اذیت قلبی محسوس کرتے ہیں مسلمان اگر سچ مچ مسلمان ہوں تو ان کی بھی یہی صفت بیان ہوئی ہے کہ مشرق میں کسی مسلمان کے کانٹا چبھے تو مغرب کا مسلمان تڑپ اٹھے۔ لیکن تعلق کی شدت ظاہر کرنے والے اس طرح کے محاوراتی انداز ہائے بیان میں کوئی بھی عاقل علم غیب کا عنصر شامل نہیں کرتا۔ جو شخص مذکورہ فقروں کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی مسلمان کے کانٹا چبھا حضورؐ کو فوراً پتا چلا اسے اپنی عقل کا علاج کرانا چاہئے۔ کاش ایسے خفتہ ذہن لوگ اتنا ہی سوچ سکتے کہ حضورؐ کو تو اپنی ہی زندگی میں یہ تک نہ معلوم ہو سکا تھا کہ قتل عثمانؓ کی خبر غلط ہے۔ اور بیعت رضوان فرمالی تھی۔ ایک نہیں بچاس واقعے احادیث صحیحہ میں ایسے موجود ہیں جن سے بلا ریب و شک ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور کو علم غیب نہیں تھا نہیں تھا۔ اِلّا یہ کہ جن مغیبات کو اللہ نے چاہا آپ کو بتادیا اور یہ عقیدہ تو نہایت بے بنیاد ہے کہ وصال فرمانے کے بعد بھی قیامت تک آپ کو ہر اُمتی کے آلام و مصائب کی پوری روداد معلوم ہوتی رہتی ہے۔ حیرت ہے ایسا عقیدہ رکھنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اگر ایسا ہو تو رسول اللہؐ کے حق میں یہ کس قدر تکلیف دہ ہوگا صدیوں سے مسلمانوں کی اکثریت جس فسق و فجور، نافرمانی، بدعملی اور بے راہ روی میں مبتلا ہے وہ محتاج بیان نہیں اگر ہر مسلمان کے ہر عمل بد کا علم حضورؐ کو برابر ہوتا رہتا ہے اور اس سے انھیں تکلیف پہنچتی رہتی ہے تب تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے سب سے محبوب اور مقدس ترین بندے کے حصے میں سب سے زیادہ تکلیف لکھدی۔ آخر کیا ٹھکانا اور کیا شمار ہوگا حضورؐ کے قلب مبارک کو پہنچنے والے صدمات

اور کرب و اذیت کا اگر مذکورہ من گھڑت عقیدہ درست مان لیا جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری۔

یہ حدیث نہیں گھڑا ہوا فقرہ ہے مفسر صحیح حوالہ دیں تو ہم ثابت کر دیں گے کہ گھڑنت کا ثبوت کیا ہے اللہ تو فرماتے کہ:۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	اللہ نے بنایا انسان کو ٹھیکرے
كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ	جیسی کھنکھناتی مٹی سے اور بنایا
مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ	جنوں کو آگ کی لپٹ سے۔

اور رسول فرمائیں کہ نہیں ہر شے میرے نور سے پیدا ہوئی اور میرا نور اللہ کے نور سے نکلا۔ یہ ممکن نہیں کُلُّ شَیْءٍ میں توجن، جانور، سور، شراب، غلاظت جہنم، تمام اشیاء داخل ہیں۔ آخر اس طرح کی من گھڑت باتوں کو حدیث بادر کرلینے والوں کی عقل کہاں گئی ہے کہ بالشت بھر آگے کی بھی نہیں سوچتے۔

اللہ یعطی وانا قاسم، بے شک حدیث ہے لیکن اہل ہنود کی طرح یہ سوچنا کہ بڑے ایشور نے مختلف محکمے مختلف دیوتاؤں کے سپرد کر دیئے اور خود فارغ ہو بیٹھا بڑا افسوسناک ہے۔ دین و دنیا کی جو بہترین تعلیم حضورؐ نے دی، علم و پاکیزگی کے جو تحفے تقسیم فرمائے، آیات الٰہیہ سے جو نوازا یہ سب اللہ ہی کی دین تھی تقسیم آپ کے حصے میں آئی۔ اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو کچھ ملتا ہے حضورؐ ہی کے ہاتھ سے ملتا ہے پرلے سرے کی غلط فہمی ہے۔

"عمل الیوم واللیلۃ" سے جو دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اوّل تو ان کی صحت مشکوک ہے۔ جبتک معروف و معتمد کتاب حدیث کا حوالہ نہ ہو صحت کی کیا ضمانت ہے۔ دوسرے دیکھنا قرآن و حدیث کے بنیادی اصول و احکام کا ہے نہ کہ انفرادی اعمال و افعال کا۔ یوں تو ایک صحابی سرے سے مال جمع کرنے ہی کو حرام سمجھتے تھے تو کیا ان کا سمجھنا حجت ہو جائے گا۔ صحابہؓ کے کتنے ہی ایسے اقوال و اعمال ہیں جنھیں ائمہ و مجتہدین نے حجت نہیں مانا ہے۔

تیسرے ان دونوں روایتوں سے یہ ہرگز نہیں ظاہر ہوتا کہ ہر دو صحابیؓ نے رسول اللہؐ کو حاضر و ناظر جان کر پکارا تھا۔ نہ رسول اللہؐ کی شان کے یہ شایاں ہے کہ اُمتی کے پیر سُن ہو جائیں تو وہ عالم بالا میں بیٹھے بیٹھے اس کا بھی علاج فرمائیں۔ آثار صحابہ گواہ ہیں کہ بڑی بڑی مصیبتوں میں بھی صحابہؓ نے رسول اللہ کو نہیں پکارا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ محض پیر سُن ہو جائے پر تو زبان صحابی سے پکار سُنی جائے، حالانکہ اس میں حضورؐ کا استخفاف بھی پایا جاتا ہے، لیکن بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں تو سوائے خدا کے صحابہؓ کسی کو نہ پکاریں۔

فقال عمید والی روایت بھی مفسّر کی نافہمی کا ہدف ہوئی۔ شاعر محبوب کو خطاب کرتے ہیں تو کیا اسکا یہ مطلب ہوتا ہے کہ محبوب حاضر و ناظر ہے؟ جذباتی انداز میں اگر کسی نے رسول اللہؐ یا ابوبکرؓ کو غائبانہ صیغۂ خطاب سے یاد کرلیا تو اس کی حیثیت شاعرانہ انداز کلام سے زیادہ نہیں۔

آگے مفسر صاحب بالکل ہی کھل گئے ہیں۔ پکارئیے صاحب آپ یا غوث یا خواجہ نقش بندی یا بدوی جو چاہے پکارئیے۔ ہندو امت کی کوکھ سے جنم لینے والا تصوف آخر اور کیا تحفہ دے گا۔ ناموں کا فرق ہے۔

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے

نیت صالح کی بات خوب رہی۔ کافر و مشرک کی نیت بھی صالح ہی ہوتی ہے وہ کب جان بوجھ کر جہنم میں جانا چاہتا ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی طرح یہی سمجھتا ہے کہ میرے مخاطب دیوی دیوتا مقدس ہیں۔ طاقت والے ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں۔ میری مدد کریں گے۔

"ننانوے پہلو کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا" یہ بیشک بزرگوں کا مقولہ ہے۔ لیکن نافہموں کے ہاتھ

پڑ کر اس کی بھی مٹی پلید ہوئی۔ جو مطلب مفسر صاحب اس کا باور کرانا چاہتے ہیں اس کا تو مفاد یہ ہے کہ قرآن کی ننانوے آیات کا انکار کر دو مگر سو دیں مان لو بس مومن رہے۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ مفسر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی ایک بھی آیت کا منکر کافر ہے اور اللہ کے اوصاف خصوصی میں سے کسی ایک میں بھی غیر اللہ کو شریک کرنے والا مشرک ہے۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ غیر اللہ کو مت پکارو اور ہر نماز میں یہ اعتراف کراتا ہے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین مگر اس کے تعلیم یافتہ بندے غوثوں اور خواجاؤں سے بھی ڈنکے کی چوٹ غائبانہ استعانت کرتے ہوئے اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم شرک نہیں کر رہے۔

گر ہمیں خود سری و خوش فہمی
کار ایماں تمام خواہد شد

سوال ۱۰: از ابو العرفان و عبد الجلیل۔ چامراجنگر۔

مباح دعوتیں

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ کوئی شخص اگر نیا مکان بناتا ہے تو اس کی تکمیل کے بعد کھانے کی دعوت دیتا ہے جس میں امیر غریب سبھی قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ آیا خیر القرون یا ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں بھی اس کا رواج تھا؟ کتب حدیث و فقہ سے اس کا ثبوت دیجئے۔

سوال ۱۱: (ایضاً)

ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ اگر کسی کے بچہ کا ختنہ کیا جاتا ہے تو چند دنوں کے بعد لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اس میں بھی سبھی قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ کیا خیر القرون یا عہد ائمہ مجتہدین میں اس کا رواج تھا؟ اس قسم کی دعوت میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب:

یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ خیر القرون یا دور ائمہ میں کیا تعامل رہا ہے اُن افعال میں ہوتی ہے جنھیں عبادت کا درجہ دیا جائے دوسرے لفظوں میں جن کا جوڑ مذہبی عقائد سے لگایا جائے۔ مثلاً ایک شخص ہر جمعہ کو دوستوں کی دعوت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جمعہ کے دن دعوت کرنا ثواب کا کام ہے، تب دیکھا جائے گا کہ اس کا یہ سمجھنا کہاں تک حق بجانب ہے اور اس کی کوئی بنیاد قرآن و سنت یا علماء کی تصریحات میں ملتی ہے یا نہیں۔

لیکن ثواب کا تصور نہ ہو تو مکان بنانے کی مسرت میں یا اور کسی خوشی کے موقع پر دوست احباب کی دعوت کر دینے کے جواز میں صرف اتنا ہی دیکھنا کافی ہے کہ دعوت کرنا بجائے خود جائز ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ثبوت و شہادت کے چکر میں پڑنا لاحاصل ہوگا۔

جواب ۱۱:

ختنہ کے سلسلے میں دعوتوں کو رواج دے لینا البتہ ذرا قبیح ہے۔ فی نفسہ تو اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن نتائج کے اعتبار سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ختنہ ضروریات دینیہ میں سے ہے۔ اس کے لئے دعوت بھی رواجاً ضروری بنالی جائے تو کم استطاعت مسلمانوں کو وہی آفت پیش آجائے گی جو شادی بیاہ کی رسموں میں آئی ہوئی ہے۔ اہل استطاعت خرچیلی قسم کی رسمیں ایجاد کرتے ہیں پھر وہ اس طرح چل نکلتی ہیں کہ جو انھیں انجام دے وہ کنبے برادری میں نکو بن جاتا ہے۔ مجبوراً غربا بھی قرض اُدھار کر کے ان کا اہتمام کرتے اور مصیبت جھیلتے ہیں۔ لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ ختنہ کی تقریب میں دعوت کا رواج ڈالا جائے۔

لیکن قباحت کا یہ پہلو ایسا نہیں کہ ایسی دعوت میں شرکت ہی ناجائز ہو۔

سوال ۱۲: از شوکت حیات۔ کھریانواں (گیا)

کفر و شرک

سرسوتی پوجا جو ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار ہے اور جو اب اس سیکولر اسٹیٹ کے تمام اسکولوں اور کالجوں میں ہر سال

خوب دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس کی دعوت یعنی "دعوت طعام سرسوتی پوجا" میں مسلمانوں کا شریک ہونا کہاں تک جائز اور اسلامی رواداری کے مطابق ہے براہ کرم تجلی کی ڈاک کے ذریعہ اس کا شافی جواب 'جواز یا عدم جواز کے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ عنایت فرمائیں۔

آنجناب سے اس مسئلہ میں استفتاء کی ضرورت اسلئے پڑی کہ یہاں کچھ لوگوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ کسی پوجا کے کھانے میں شریک ہونا کسی طرح جائز اور اسلام کی رواداری کے مطابق نہیں۔ مگر اس کے برعکس کچھ عام نہیں بلکہ خاص لوگ ہیں جو شریک طعام ہونے میں صرف یہ کہ کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے، بلکہ بخوشی و رغبت شریک ہوتے ہیں اور اس میں کوئی کراہت محسوس نہیں کرتے۔

جواب ۱۲:-

بت پرستی اور غیر اللہ کی عبادت سے جس قدر شدید نفرت اسلام نے دلائی ہے اس کے بعد یہ کہنا کہ بت پرستی کے تہواروں اور میلوں وغیرہ کی شرکت حرام ہے۔ بالکل ہی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بت پرستی کے نام کی دعوتیں کسی عنوان بھی اس لائق نہیں ہیں کہ مسلمان انہیں شرکت کریں۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ، من کثر سواد قوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کے مجمع و محفل کی رونق بڑھائی وہ انھی میں سے ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اہل کفر و شرک کے ان میلوں میں بھی شرکت جائز نہیں ہے جن کا تعلق ان کے خصوصی معتقدات سے ہو۔ چہ جائیکہ ان خصوصی معتقدات کے تحت منعقد کی جانے والی دعوتوں میں شرکت۔

علمائے کرام و مفتیان عظام اس پر متفق ہیں کہ غیر مسلمین کے خصوصی عقائد و رسوم کی تعریف و تحسین کرنا کفر ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بتوں کے چڑھاوے اور پوجا پاٹ کے سلسلہ کے کھانے حرام مطلق ہیں۔ ظاہر ہے کہ سرسوتی پوجا کی دعوت کھانا عملاً اس عقیدہ و فکر کی تصویب و تحسین کرنا ہے جس کے تحت یہ تہوار منعقد کیا جاتا ہے۔

اپنے اس دعوے کی شہادت میں ہم معتبر کتابوں کے دسیوں حوالے پیش کر سکتے ہیں، لیکن اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ جو مسلمان سرسوتی پوجا کی دعوتوں میں برضا و رغبت شرکت فرما رہے ہیں وہ در اصل لاعلمی یا غلط فہمی کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کے عمل کی بنیاد ہے دین سے لاپروائی، مفاد پرستی، بے حسی اور خوف خدا سے بے نیازی۔ ان کے آگے ہزار فتاوی رکھ دیجئے مگر وہ انھیں در خور اعتنا نہیں سمجھیں گے۔ دلائل انھیں مفید ہوتے ہیں جو کبھی کسی برائی میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اطلاع پانے پر پیچھے لوٹ آئیں گے، لیکن جو خود کو زمانے بھر کا فرزانہ سمجھتے ہوں اور اپنے خیال کے جواز کے لئے ہاتھوں ہاتھ منطقی نکتے تراش لینے کی مہارت رکھتے ہوں انھیں فتوی اور علمی دلائل کیا کام دیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ آج جو پڑھے لکھے مسلمان رسوم کفر کی رونق بڑھا رہے ہیں وہ ذہنی طور پر مومن ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر پچھلی روایات اور ماحول کی کچھ نہ کچھ گرفت ہے۔ وہ اپنے اعمال کے لئے کچھ نہ کچھ توجیہات ایسی نکال لیتے ہیں کہ کفر و شرک کی زد سے بال بال بچ جائیں۔ لیکن اس کا نتیجہ مسلمانوں کی نوخیز نسل کے لئے جسقدر ہلاکت انگیز ہے انھیں اس کا کوئی تصور نہیں۔ آج جن بچوں نے بدلے ہوئے غیر اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں جب وہ شروع ہی سے دیکھیں گے کہ ان کے بڑے سرسوتی پوجا اور ہولی دیوالی میں بلا تکلف ہنستے کھیلتے شرکت کر رہے ہیں تو کونسا معجزہ انھیں اس پر آمادہ کر سکے گا کہ وہ بھی آگے چل کر ذہنی تاویلوں کا سہارا ڈھونڈیں۔ انھیں تو جس طرح کی تعلیم اسکولوں میں مل رہی ہے اور جیسا ماحول انھیں تربیت دے رہا ہے اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اسلام اور غیر اسلام کا

احساس تک ان کے پاس پھٹک سکے گا۔ وہ دوربین لگائے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ آج جو ہمارے والد صاحب سرسوتی پوجا کی دعوت اُڑا رہے ہیں تو وہ فی الحقیقت بُت پرستی میں یقین نہیں رکھتے، بلکہ وقتی مصالح کے تحت پینگیں بڑھ رہی ہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ ان چیزوں میں کوئی قباحت ہے۔ وہ تو آگے چل کر پوری معصومیت کے ساتھ کافر و مشرک بنیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ سرسوتی پوجا کی دعوت اُڑانے والے مسلمانوں کے پاس جواز کے دلائل کیا ہیں۔

رواداری اسلام سے زیادہ کون سکھائے گا، لیکن خودکشی کو رواداری نہیں کہتے۔ اپنی کمزوریوں اور شرک نوازیوں کو رواداری کے خوبصورت پردوں میں چھپانا دین کے ساتھ ایسا مذاق ہے جس کی سزا اللہ کی طرف سے جتنی بھی عبرت ناک ہو کم ہے۔

سوال ۱۳: (نام نامعلوم) حیدرآباد دکن۔

جماعت اسلامی کے نقائص

خدا کا شکر ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف عرصہ دراز سے جو افترا و بہتان اور فتوے بازی کی مہم چل رہی تھی وہ ٹھنڈی پڑ چکی۔ اس جماعت کے تعلق سے بہت سے حضرات جو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا تھے ان کے خیالات قدرے بدلے۔ لیکن ان دنوں بعض اہلِ درد اور مخلص حضرات کی طرف سے یہ خیالات ظاہر ہو رہے ہیں کہ اگرچہ جماعت اسلامی کے عقائد و نظریات خالص اسلامی ہیں اور اس کی بنیادی دعوت اور نصب العین سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس جماعت میں چند بڑے فتنے اور بگاڑ موجود ہیں وہ یہ کہ جماعت جس طریقے سے دنیا کو اسلام کی دعوت دی رہی ہے وہ انبیائی طریقۂ کار کے خلاف ہے۔ انبیاء کرام کفار اور فساق کو پہلے خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرتے اور صرف اس کی رضا اور آخرت کی کامیابی سامنے رکھ کر ان کے باطل فکر و عمل کی اصلاح کرتے تھے۔ لیکن جماعت اسلامی مادی ترقی اور خوش حالی کو سامنے رکھ کر دنیا کو اسلام کی طرف چلاتی ہے کہ "اسلام کو اپناؤ اس میں دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے حکومتِ الٰہیہ قائم کرو اس کے بغیر مادی ترقی ناممکن ہے۔ خدا پرستی اختیار کرو ہندوستان دنیا کا رہنما بن سکتا ہے۔" اس کے لٹریچر اور تقاریر میں یہی طرزِ دعوت نمایاں نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں خدا کی رضا اور فلاحِ آخرت کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن یہ بہت کم۔ جس طرح سوشلزم، کمیونزم وغیرہ۔ متعدد مادی ازم اور نظریئے ہیں۔ اس طرح جماعت اسلامی اسلام کو بھی دنیا کے سامنے بطور ایک ازم اور نظریئے کے پیش کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی محض ایک تحریک چلا رہی ہے۔ اس کو فکرِ آخرت بہت کم اور دنیا اور دنیاوی مسائل سے دلچسپی اور لگاؤ زیادہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کا ملک میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا بھی خلافِ عقل ہے جو کچھ بھی ہوگا وہ اسباب و علل کے تحت ہوگا جس ملک کا برسرِ اقتدار طبقہ غیر مسلم ہو، اس ملک میں خدائی قانون کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟ جماعت کو چاہیئے کہ اپنے ذرائع و وسائل کو نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے اس وقت حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا مطالبہ کرنا فضول ہے۔ جب بڑی حد تک معاشرہ اسلامی ہو جائے گا تو حکومتِ الٰہیہ خود بخود قائم ہو سکتی ہے اگر نہ بھی ہو تو اس وقت اس کے لئے جد و جہد کرنا مناسب اور سود مند ہو سکتا ہے۔ ان سب باتوں سے آپ کہاں تک متفق ہیں؟ آپ بھی مذکورہ خرابیاں جماعت اسلامی میں محسوس کرتے ہیں تو براہِ مہربانی ایک عمدہ تحریکِ اسلامی کو خراب ہونے سے بچائیے۔ اس پر تنقید کر کے مشوروں کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کیجئے ـــــ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جن جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے

وہ جماعت میں موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے تو براہ مہربانی اسے بھی دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

جواب ۱۳:-

اونچی اونچی باتیں کرلینا اور دوسروں کے کام میں فی نکالنا بہت آسان ہے لیکن جو لوگ جماعت اسلامی کے طریق کار کو انبیائی طریق کار کے خلاف باور کراتے ہیں وہ خود بھی تو آگے بڑھ کر کوئی تیر ماریں اور زبانی جمع خرچ کے بجائے عمل سے ثابت کریں کہ انبیائی طریق کار یہ ہے۔

ہر زمانے کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ انسانوں کے سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ، رد و قبول کے پیمانے اور اخذ و ترک کے معیار بدلتے رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے جن جن زمانوں میں حق پرستی کی دعوت دی اُن زمانوں کا اپنا ایک مزاج تھا۔ آخری پیغمبرؐ کے دورِ سعادت کو لے لیجئے کہ وہی ہمارے لئے حجت، معیار اور مستدل ہے — حضورؐ کا دور اپنے مزاج اپنے تقاضوں اور داعیوں کے اعتبار سے آج کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ جن لوگوں میں آپؐ مبعوث ہوئے وہ نہ زیادہ پڑھے لکھے تھے نہ فلسفہ و منطق کی انھیں ہوا لگی تھی۔ فکر محدود، علم محدود۔ عرب سے باہر کی دنیا میں مادی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے دائرے میں جو تھوڑی بہت پیش رفت ہو رہی تھی اس سے بھی انھیں دور کا واسطہ نہ تھا۔ اپنی نیم وحشی زندگی میں مگن۔ توہمات اور ضعیف الاعتقادی کے اسیر۔ جس پتھر کو چاہا خدا بنا ڈالا جس در پہ چاہا سر ٹیک دیا۔ ان کا کفر و شرک تعقل کی راہ سے نہیں آیا تھا بے عقلی و بے خبری کی راہ سے آیا تھا۔ انھیں سائنس و فلسفہ نے خدائے وحدہٗ لاشریک سے دور نہیں کیا تھا جہالت و سفاہت کے ہاتھوں وہ برباد ہو رہے تھے۔ روحانیت کے منکر نہ تھے۔ ..... بلکہ روحانیت کی بڑھی ہوئی حس ہی انھیں معبود سنگی اور اصنام پرستی پر مبالغہ آمیز حد تک اکسائے ہوئے تھی۔ دین کے مابعد الطبیعی تصورات اور مافوق الفطرت حقائق کو قبول کرنے کے لئے جو اندرونی صلاحیت ضروری ہوتی ہے وہ ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی اور کسی مادہ پرستانہ فلسفے کی مسلسل اثر اندازی نے ان کی اس صلاحیت کو چھو تک بھی نہیں تھا۔

ایسے حالات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی رضا کے مطابق انھیں آن دیکھے خدا کے عذاب سے ڈرایا، جہنم کی ہولناکی ان پر آشکارا کی، جنت کی عیش سامانیاں واضح فرمائیں اور یوم قیامت کے ذکر و بیان سے ان کے دل و دماغ کو متاثر کیا تو یہ سب کچھ نفسیات اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا۔ جو مذہبی حس اب تک اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی وہ رُخ بدل کر دینِ حق کی طرف مُڑ گئی اور پگھلا ہوا بوم نئے سانچے میں ڈھل گیا۔

گویا پیغمبرؐ کو جس زمین میں دین کا گلشن سرسبز کرنا تھا وہ زمین دین کی روحانی قدروں کے لئے پوری استعداد نمو اپنے اندر رکھتی تھی — اِدھر بیج ڈالا اور اُدھر قوتِ نمو حرکت میں آئی۔

پھر دوسری طرف خود پیغمبر کی زبردست مؤثر شخصیت نظر میں رکھئے۔ عظیم کردار۔ خدا کی خصوصی مدد شاملِ حال۔ صورت دلکش سیرت دلکش بہترین اوصاف سے متصف۔ لاجواب صلاحیتوں سے مالا مال۔

جب فاعل میں اثر اندازی کی اور منفعل میں قبول اثر کی کامل استعداد موجود ہو، جب بیج اعلیٰ، زمین زرخیز اور باغبان کامل طور پر ہنرمند ہو تو باغ کیوں نہ قابلِ رشک ہوگا۔

اب ذرا اپنے دور کو دیکھئے۔ زمین و آسمان کا فرق۔ ہر طرف مادہ پرستانہ فکر و نظر کا دور دورہ، ہر سمت تعقل کیش تہذیب و تمدن کا غلبہ و تسلط، ہر گمراہی کی پشت پر علم و سائنس کی حوصلہ افزائی، ہر الحاد و ارتداد کے ہاتھوں میں کلام و منطق کی ڈھالیں، روحانی

قدروں کو قبول کرنے کی صلاحیت مادہ پرستانہ فکر و نظر کے مقتل میں نزع کی ہچکیاں لے رہی ہے۔ کفر و طغیان جہل و نادانی کی راہ سے نہیں علم و فرزانگی کی راہ سے آرہے ہیں۔

ان احوال میں جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ انبیاء کی طرح خوف خدا اور عذاب آخرت کی تلقین ہی سے کام نکال لے جائے گا وہ خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ اوّل تو یہی سرے سے غلط ہے کہ انبیاء فقط خوف خدا اور عذاب آخرت ہی کے ذکر و بیان تک محدود رہے۔ انھوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق اجتماعی و سیاسی دائرے میں تمام ہی وہ ممکن کوششیں کی ہیں جن سے حق کی سربلندی اور غلبہ و تسلط کی توقع ہو سکتی تھی۔ ہاں ایمان و اخلاق کے اصولوں کو ضرور پیش نظر رکھا ہے۔

لیکن اس سے قطع نظر کر لیں تو بھی احوال و ظروف کا فرق بہرحال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے دور میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے قطعی طور پر ناگزیر ہے کہ مسائل کے اُن دائروں میں آگے بڑھا جائے جن میں دنیا کے غالب و مقبول ازم اسلام کو چیلنج کر رہے ہیں۔ حریف اگر توپ اور بم چڑھا کر لاتا ہے تو ہمیں بھی اسی سطح کے آلات سے مقابلہ کرنا پڑیگا اب کوئی شخص کہنے لگے کہ حضورؐ نے تو صرف تلوار اٹھائی تھی، وہی سنت ہے۔ لہٰذا تم جو اور کوئی ہتھیار اٹھاتے ہو وہ انبیائی طریق کار کے خلاف ہے تو خود سوچ لیجئے ایسا شخص کس حد تک باہوش سمجھا جا سکتا ہے۔

اعتراض کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ یہ جو سیکولر متکلمین اسلام گذرے ہیں انھوں نے یہ کیا ستم ڈھایا کہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ کے طریقے سے تجاوز کر کے فلسفۂ کلام کے میدان میں کود پڑے اور بجائے خوف خدا اور عذاب آخرت کی بشارت دیتے رہنے کے دینی مسائل اور مذہبی عقاید پر فلسفہ و منطق کے رُخ سے طویل بحثیں شروع کر دیں۔

ہم سمجھتے ہیں جماعت اسلامی اگر وقت کی زبان میں بات کر رہی ہے اور اہل زمانہ کے اسلوب فکر کی رعایت رکھتے ہوئے یہ ثابت کرنے کے درپے ہے کہ اسلام محض نجات اُخروی ہی کا ضامن نہیں، بلکہ مسائل دنیاوی کا بھی مکمل حل اپنے اندر رکھتا ہے تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ تحسین کی مستحق ہے۔

خدا کے خوف اور عذاب آخرت کے اندیشے پر کان دھرنے والوں کا زمانہ گیا۔ خود مسلمانوں ہی کو دیکھ لیجئے جو بفضلہ تعالیٰ خدا کے خوف اور عذاب آخرت سے ڈرانیکو جزو ایمان کہتے ہیں کس حد تک ان کے اعمال و افعال پر اس ڈر کی گرفت ہے۔ محض رسمی و روایتی ڈر۔ جسکی جڑیں ذہن و قلب میں ذرا بھی گہری نہیں پہنچیں (الا ماشاء اللہ)

آج وہ بھی زمانہ نہیں ہے کہ چند کرامتیں دکھلا کر گروہ کے گروہ مسلمان کر لو۔ کرامتوں سے وہ لوگ مذہب بدلتے ہیں جن کے دماغ کو تعقل کا کیڑا نہیں لگا۔ مگر زمانے کی ہوا ایسی ہے کہ دیہات کے جہلاء تک اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لئے جو طرز جماعت اسلامی نے اختیار کر رکھا ہے وہ ہماری نگاہ میں تو ایسا نہیں کہ طریق انبیاء سے کوئی جوہری اختلاف رکھتا ہو، لیکن جن مخلص حضرات کو اس پر اصرار ہے انھیں باتیں بنانے کی بجائے عمل کر کے دکھانا چاہئے کہ طریق انبیاء کیا ہے اور اس کو اختیار کر کے کس طرح اسلام کی خدمت انجام دی جا سکتی ہے۔

جہاں تک حکومت الٰہیہ کا تعلق ہے وہ بے شک جماعت کا آئیڈیل ضرور ہے اور ہونا چاہئے۔ لیکن یہ کہنا مبالغہ آمیز ہے کہ وہ حکومت الٰہیہ کا مطالبہ کر رہی ہے۔

اور یہ جو فرمایا گیا:۔

"جماعت کو چاہئے کہ اپنے ذرائع و وسائل کو نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان اور غیر مسلم افراد کو اسلام کی دعوت پہنچانے میں صرف کرے۔"

تو بتایا جائے کہ اس کے علاوہ اور وہ کر کیا رہی ہے۔ کیا وہ اپنی موجودہ سرگرمیاں چھوڑ کر پیری مریدی یا چلہ کشی یا دیہات گردی شروع کر دے تبھی مانا جائے گا کہ نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ یا وہ روس و امریکہ کے صدور اور جواہر لال نہرو وغیرہ کو خدا اور عذاب آخرت سے ڈرانے والے خطوط لکھنے کا مشغلہ اختیار کرے تبھی تسلیم کیا جائے گا کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت پہنچائی جا رہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اپنی دانست میں وہ وہی فریضہ انجام دے رہی ہے جن کی خواہش ظاہر کی گئی۔ اگر معترضین کے نزدیک اس کا طریق کار قابل اصلاح ہے تو خلوص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اصلاح کی جدوجہد کریں خالی باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جماعت کے اکابر نہ بد دماغ ہیں نہ چڑچڑے۔ وہ ہر وقت ہر مشورہ دینے والے کا مشورہ اور ہر اصلاح کار کی اصلاح سننے کے لئے تیار ہیں۔ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ان سے اگر غلطیاں ہو رہی ہیں تو دردمند حضرات نہ صرف نشاندہی فرمائیں بلکہ رہنمائی و امامت کا فریضہ انجام دیں۔ اب اس کا تو کوئی علاج نہیں کہ دور سے بیٹھے بیٹھے مجمل اعتراضات اٹھاتے رہیئے اور ہاتھ پیر جلانے کے نام سے جان چھڑائیے میرا روئے سخن سائل کیطرف نہیں بلکہ ان اہل درد اور مخلص حضرات کی طرف ہے جن کا کہا سائل دہرا رہے ہیں۔

سوال ۱۴:۔ از عبدالرشید۔ ضلع سیالکوٹ۔

علم غیب

قرآن مجید میں صاف لفظوں میں غیر اللہ کے لئے علم غیب کی نفی ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ یہ جو قرآن مجید میں بار بار آتا ہے کہ الم تر یا الم تعلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کو کچھ علم پہلے تھا جس کی یاد دہانی باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ کیا تم کو علم نہیں۔ یا کیا تم نے نہیں دیکھا۔ اس بات کی بہت الجھن ہے۔ مہربانی فرما کر اگر تجلی میں جواب دیں تو بہتوں کا بھلا ہوگا۔ بہت ضروری ہے۔

نوٹ:۔ میں دیوبندی خیالات، خصوصاً آپ کے معتقدات کا سختی سے پابند ہوں، مگر بریلوی ماحول میں رہتا ہوں۔ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو میرے لئے باعث ندامت ہوگا۔

جواب:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قرآن کو مع ترجمہ غور سے نہیں پڑھا۔ یا پڑھا ہے تو بریلوی حضرات کی وسوسہ اندازیاں برابر آپ کے دماغ کو غبار آلود کرتی رہتی ہیں اور بیٹھے بٹھائے آپ کی ذہنی رو بہک جاتی ہے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو جو سوال آپ کیلئے مستقل الجھن بن گیا ہے وہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں۔ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کا کیا مطلب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے کے بارے میں اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی صحیح نوعیت کیا ہے؟ تجلی میں اگرچہ بارہا اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں، لیکن اس بار آپ کے علاوہ بھی متعدد سوالات اسی موضوع کے آئے ہوئے ہیں اس لئے کچھ گفتگو پھر کرتے ہیں۔

غیبی چیزیں وہ کہلاتی ہیں جو انسان کے حواس خمسہ کی زد سے باہر ہوں۔ جیسے جنت دوزخ، فرشتے عرش و کرسی۔ یا جیسے دور افتادہ لوگوں کے وہ حالات جن سے باخبر ہونے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو یا جیسے دوسروں کے قلوب میں پیدا ہونے والے وساوس و عزائم یا جیسے ماضی بعید میں گذرے ہوئے وہ واقعات و حوادث جنھیں کسی مؤرخ یا داستان گو نے بیان نہیں کیا۔

اس طرح کی چیزوں کو مغیبات یعنی اشیائے غیب کہتے ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہے نہ ہو سکتی ہے،

جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کے تحت اپنے کسی بندے کو ان میں سے بعض کا علم نہ عطا فرمائے اللہ کے علم عطا فرمانے کے طریقے متعدد ہیں۔ کبھی وہ فرشتے کے ذریعہ علم سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ کبھی خواب میں اطلاع دیتے ہیں کبھی القا فرماتے ہیں۔ ان تمام طریقوں سے حاصل شدہ علم اگرچہ اپنی ظاہری شکل میں علم غیب ہی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس ظاہری اور جزئی علم غیب سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ علم بفرق مراتب عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو بدرجۂ اولےٰ ثابت ہے۔

قرآن میں متعدد مقامات پر صراحت و تاکید کے ساتھ غیر اللہ کے لئے جو علم غیب کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ کسی کو جزئی طور پر بھی غیب کی کسی شے کا علم نہیں دیا گیا۔ اس کی وضاحت تو قرآن ہی میں کر دی گئی ہے:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران)	اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی مگر اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

سورۂ جن میں ہے:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ	غیب کا جاننے والا پس نہیں خبر دیتا اپنے غیب کی کسی کو لیکن جو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر جو غیر اللہ کے علم غیب کی صریح اور قطعی نفی کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جملہ امور غیب کا عالم اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ البتہ جسے وہ چاہے بعض امور غیب کی خبر کر دیتا ہے از راہ ضرورت و حکمت۔

فلہٰذا یہ تو کوئی مسلمان کہہ ہی نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیبی چیز کا علم نہیں تھا۔ البتہ اہل سنت وہی کہتے ہیں جو قرآن کہتا ہے کہ مطلق طور پر عالم الغیب اللہ کے سوا کوئی نہیں اور غیر اللہ میں جسے بھی کسی غیب کا علم ہوتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتا ہے اور جزئی طور پر ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف اہل بدعت کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ ماکان و مایکون (جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا) کا علم تھا۔ تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ فی الحقیقت تو عالم الغیب خدا ہی ہے لیکن اس نے اپنی مرضی اور اختیار سے تمام ہی علم غیب رسول اللہ کو عطا کر دیا لہٰذا جن آیات قرآنی میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی ہے وہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے عطائی کی نہیں۔ ذاتی علم غیب ہم بھی رسول کے لئے نہیں مانتے مگر عطائی ضرور مانینگے!

نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ سراپا شرک عقیدہ عقل، نقل، واقعات اور حقائق کی میزان میں جس قدر بے وزن بلکہ ہوائی ہے اسے اہل علم ہزاروں بار واضح کر چکے ہیں۔ یہاں تو ہم آپ کو صرف اتنی ہی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر بعض روایات سے رسول اللہ کے لئے دس بیس ہزار لاکھ امور غیب کا بھی علم ثابت ہو جائے تو آپ کے قلب میں یہ وسوسہ نہ گذرنا چاہئے کہ اہل بدعت کے عقیدے کی تائید ہو گئی، اور ان قرآنی آیات کا مطلب غبار آلود ہو گیا جن میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی گئی ہے۔ اہل بدعت کا جو عقیدہ ہے اس کی صحت تو اس پر موقوف ہے کہ ایک بھی امر غیب ایسا نہ ہو جس سے رسول اللہ بے خبر رہے ہوں۔ اگر قرآن و حدیث، تاریخ و سیرت اور مسلم واقعات و کوائف سے بے ریب و شک ثابت ہے کہ دسیوں بیسیوں امور غیب سے رسول اللہ کو واقفیت نہیں ہو سکی تو اہل بدعت کا عقیدہ فنا ہوا اور قرآن کی آیات مبارکہ بے غبار رہیں۔ اہل سنت یہی کہتے ہیں کہ بے شمار امور غیب کا علم اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا لیکن یہ صریح و قطعی طور پر غلط ہے کہ آپ کو جملہ امور غیب کا علم عطا فرمایا گیا۔

اب براہِ راست اپنے سوال کی طرف آئیے۔
الم تر اور الم تعلم کے الفاظ عربی زبان میں کس طرح کے مواقع پر آتے ہیں اور ان کے تحت علم غیب کے وسوسہ میں پڑنا کیسی جہالت و بے خبری ہے، اس کی وضاحت تو ابھی ہم کریں گے۔ لیکن ایک لمحہ کیلئے فرض ہی کرلیں کہ ان الفاظ سے مخاطب کا بعض اُمورِ غیب سے باخبر ہونا مترشح ہوتا ہے تو آپ کے لئے حیرت اور الجھن کا کیا موقع ہے جب کہ ہم سب اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے منتخب بندوں کو بعض اُمورِ غیب کا علم عطا فرما دیتا ہے۔ جو دو آیات قرآنی ہم نے نقل کیں وہ خود ہی اس کی وضاحت کر رہی ہیں اور سیرت کے مسلمہ واقعات بھی اس کے شاہد ہیں۔ پھر حیرت کیوں اور الجھن کیسی؟ ظاہر ہے کہ بریلوی اندازِ فکر ہی آپ کے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں گرہ کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے اور خواہ مخواہ آپ وسواس کا شکار ہو رہے ہیں۔

لیجئے ہم آپ کو الم تر اور الم تعلم کا مطلب بھی بتاتے ہیں۔ یہ الفاظِ خطاب استدلال میں زور پیدا کرنے کے لئے ایسے مواقع پر استعمال ہوتے ہیں جب کلام کرنے والا کسی معروف و معلوم اور صریح و قطعی امر کی طرف توجہ دلا رہا ہو۔ اس توجہ دہانی کا منشا ہوتا ہے سمجھانا، عبرت دلانا اور نصیحت پذیری پر مائل کرنا۔ پھر یہ الفاظ اگرچہ علم الصرف کے اعتبار سے فرد واحد سے خطاب کا کام دیتے ہیں، لیکن عموماً انکا روئے سخن تنہا مخاطب کی طرف نہیں ہوتا بلکہ غیر معین افراد کی طرف ہوتا ہے۔

مثال کے لئے پارۂ عم اُٹھائیے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب
رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ	نے اصحابِ فیل کیساتھ کیا کیا؟

اس کے بعد استفہام ہی کے ذیل میں اللہ تعالیٰ مختصراً اصحابِ فیل کا واقعہ بھی بیان فرما دیتا ہے کہ تیرے رب نے ان کا داؤ بیکار کر دیا اور ان پر پرندوں کے پرے بھیجے جنھوں نے پتھریلی کنکریاں مار مار کر انکا بھوسا بنا دیا۔

اصحابِ فیل کا واقعہ ایک ایسا معلوم و معروف واقعہ تھا جو عرب کے بچے بچے کو معلوم تھا۔ سب جانتے تھے کہ یمن کا حاکم ابرہہ ہاتھیوں کی فوج لیکر بیت اللہ کو ڈھانے چلا تھا۔ اہل عرب میں یہ بل بوتا نہیں تھا کہ اس کے آڑے آتے۔ جس نے مزاحمت کی پیس ڈالا گیا۔ پھر تو سب پریشان و ہراساں دم سادھ کے بیٹھ رہے اور بدنہادوں کا فیل ساماں لشکر مکہ کے قریب پہنچ گیا۔ اب اللہ کی قدرت دیکھئے کہ ننھے ننھے پرندوں کو ان شریروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا اور انھوں نے اپنی چونچوں اور پنجوں سے وہ کنکریاں برسائیں کہ اصحابِ فیل پھلنی ہو کے رہ گئے۔ یہ گویا اللہ کی طرف سے انسانی غرور کو تنبیہ کی گئی تھی کہ نادانو! کوہ پیکر ہاتھیوں پر مت اتراؤ۔ ہم چاہیں تو ننھے ننھے پرندے بھی گوشت کے ان پہاڑوں کو چٹکیوں میں مسل سکتے ہیں۔

تو یہ واقعہ تمام اہلِ عرب کو اتنے ہی یقینی طور پر معلوم تھا جیسے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اسی لئے اللہ نے الم تر کہہ کر اس کی یاددہانی کرائی جس کا مقصود سرکشوں کو عبرت دلانا اور اپنی قوت و قدرت پر متوجہ کرنا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ روئے سخن سبھی کی طرف تھا نہ کہ تنہا پیغمبر کی طرف۔ خود پیغمبر تو راہِ حق پر تھے ہی۔ ان کا تو خود شب و روز یہی کام تھا کہ کفار و مشرکین کو اطاعتِ رب کی دعوت دیں۔ اس کی قوت و قدرت کا احساس دلائیں۔ وہ شخص دیوانہ ہی ہوگا جو یوں سمجھے کہ الم تر کہہ کر بس حضورؐ ہی کو اصحابِ فیل کا واقعہ یاد دلانا مقصود تھا۔

اور دیکھئے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ	کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے
بِعَادٍ۔	عاد کے ساتھ کیا کیا؟

آگے ثمود اور فرعون کا ذکر بھی اسی الم تر کے تحت فرمایا گیا ہے اور مختصراً بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے زمین پر

بڑا فساد پھیلایا تھا جس کی پاداش میں اللہ نے انہیں عذاب کا کوڑا لگھما دیا۔

عاد، ثمود اور فرعون کے بارے میں بھی اہل عرب متواتر روایات کے ذریعہ یہ آگاہی رکھتے تھے کہ یہ لوگ اور ان کی قومیں بڑے زور و قوت اور دبدبہ و حشمت کی مالک ہو گذری ہیں۔ انھوں نے بڑی عیاشیاں کی تھیں، بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ پھر اچانک یہ ملیا میٹ ہو گئیں۔

اسی آگاہی کے پیش نظر اللہ نے ان کا بھی تذکرہ الم تر کے تحت کیا اور کھلی بات ہے کہ روئے سخن تمام سامعین کی طرف تھا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ اور اس جیسے دوسرے واقعات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مزید اور کہانیوں کی حیثیت میں نہیں سنائے، بلکہ تمام سرکشوں کو بطور وعظ و نصیحت سنائے ہیں۔

فرمایئے کس گوشے سے وہ الجھن ابھرتی ہے جس کا آپ نے شکوہ کیا؟ قرآن ہی میں ایک جگہ تو صرفی قواعد ہی سے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ الم تر سے خطاب فی الاصل پیغمبر ہی سے نہیں ہے بلکہ سب سے ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ (حج)	کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا

ملاحظہ فرمایئے۔ روئے سخن سب کی طرف نہ ہوتا تو لکم کیوں کہتے۔ الم تر کی مناسبت سے لکَ فرماتے یا لھُم ارشاد ہوتا۔ لکم کہا تو اس سے صرف یہی ثابت ہو گیا کہ مخاطب سب ہیں فرد واحد نہیں۔

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو اس مجذوبانہ وسوسے کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی کہ الم تر سے مراد رسول اللہ ﷺ کی رویت ہے اور اس رویت کے بطن سے علم غیب کا شوشہ نکلتا ہے۔ الم تر قرآن میں بہت جگہ آیا ہے۔ مترجم قرآن دیکھ ڈالئے۔ کسی بھی مقام پر ابہام و اشتباہ کا سرا ہاتھ نہ آئے گا۔ الا یہ کہ آپ کا ذہنی توازن ہی برباد ہو جائے۔

آیئے الم تر تعلم کو بھی دیکھیں۔ یہ قرآن میں صرف چار مرتبہ آیا ہے۔ لہٰذا چاروں پر نظر ڈالے لیتے ہیں

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بقرہ)	کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی یقیناً ہر شے پر قادر ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کی سلطنت ہے۔

+ + + +

یہ دو مرتبہ ہوا۔ غور کر لیجئے یہاں آپ کی الجھن کے لئے کیا گنجائش ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مائدہ) فرمایئے کیا اس میں غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کے لئے کوئی الجھن پیدا کرنے والا نکتہ یا شبہ ہے؟

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (حج)	کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ آسمان و زمین کی ہر شے سے باخبر ہے۔

بس یہ تھے چار مقامات جہاں الم تعلم کا انداز خطاب اختیار فرمایا گیا۔ ہے کوئی امکان اس بات کا کہ کوئی شخص صحیح الدماغی کی حالت میں ان سے ایسے مطالب اخذ کرنے لگے جن کے نتیجے میں غیر اللہ کے علم غیب کی نفی والی آیات یاد آ کر اسے حیرت اور الجھن میں مبتلا کریں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے عالم میں اس کا کوئی امکان نہیں ہے اور جو شخص اس وہم میں گرفتار ہوتا ہے اس پر قرآن کا یہ فرمودہ صادق آتا ہے:۔

یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔	جو اس کھود دیئے ہیں اس کے شیطان نے لپٹ کر۔

آپ خدا کے لئے بریلویوں کے چکر میں نہ پڑیئے ورنہ سوجھ بوجھ ملیا میٹ ہو کے رہ جائے گی۔

سوال ۱۵: از عثمان تنظیم کراچی سابق مدیر "مسلم لیٹن۔ وطن۔ انقلاب"

حضرت سعد بن عبادہؓ

"اسلام کا شورائی نظام" کے عنوان سے ایک سلسلہ مضمون

مولانا سید جلال الدین صاحب انصری عمری کا رسالہ "میثاق" کے جنوری نمبر میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں صفحہ ۴۰ پر یہ بتایا گیا ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب اکابر ان اُمت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو صرف ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ کے سوا تمام کے تمام نے بیعت کر لی۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں:-

"تاریخ میں صرف سعد بن عبادہؓ کا ایک ایسا نام ملتا ہے جنھوں نے اپنی وفات تک کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی حتیٰ کہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے۔ نظم جماعت کی پابندی پر طاقت کے ذریعہ انھیں مجبور کرنا خلاف مصلحت تھا، اس لئے انھیں ان کے حال پر رہنے دیا گیا۔" (الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ صفحہ ۱۰)

یہ حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کے ساتھ بے حد زیادتی اور سخت ناانصافی ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ ان جاں نثار اور عاشقانِ رسول میں سے ہیں جو انصاروں کے ایک با اقتدار قبیلے کے سردار تھے اور جنھوں نے رسولِ کریمؐ اور مہاجرین کی زبردست اعانت کی تھی اور جن کی اسلامی خدمتیں تواریخ میں نمایاں ہیں۔ ایسے ایک مشہور صحابی کو اس قدر بدنما رنگ میں پیش کرنا نہ صرف بہت بڑی جسارت ہے، بلکہ تاریخ کا چہرہ مسخ کرنا ہے۔ یہی سعد بن عبادہ ہیں جو جنگِ بدر کے موقعہ پر انصار کی طرف سے پُرجوش تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"ہم اللہ اور اس کے رسول اور حفاظتِ اسلام کی خاطر دشمنوں سے آخری قطرۂ خون تک لڑینگے اور آپ حکم کریں گے تو سمندر میں کود پڑیں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ مولانا جلال الدین صاحب نے صحیح تاریخ کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ ایک جلیل القدر صحابی پر ایسا اتہام لگانے کی جسارت نہ کرتے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں پیش پیش تھے۔

اس کے بعد وہ شام چلے گئے اور سفر ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ انتقال کا سال ۱۱ھ ہے۔

بیعت نہ کرنے اور ساری زندگی مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے! اسی سال تو ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ نماز باجماعت جیسا ایک اہم رکن دین ان سے ترک ہو جاوے یہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی فضیلت پر ایک قسم کا حرف ہے۔ اس واقعہ (سقیفہ بنی ساعدہ) کی اصلی حقیقت "الاستیعاب" جلد ثانی صفحہ ۵۹۸ و ۵۹۹ پر ملاحظہ ہو۔

امید ہے کہ آپ اپنے رسالہ کے آئندہ نمبر میں اس غلط واقعہ کی تصحیح فرماویں گے۔

جواب ۱۵:-

بہتر تو یہ تھا کہ یہ مکتوب "میثاق" ہی کو بھیجا جاتا اور اسی میں چھپتا۔ تاہم معاملہ چونکہ ایک ذی مرتبہ صحابی کا ہے اس لئے تجلی اس کی اشاعت اور اس پر اظہار رائے میں بخل نہیں برت سکتا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے بیعت کرنے نہ کرنے کے معاملہ میں محض "الامامۃ والسیاسۃ" ہی کے مصنف کو دھوکا نہیں لگا ہے، بلکہ اس باب میں بہت سے اساطین و اکابر بھی نہ کرنے ہی کی رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً ابن اثیر جزریؒ بھی اپنی اُسد الغابہ میں یہی کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے نہ ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی نہ حضرت عمرؓ کی اور شام کی طرف رخصت ہو گئے۔ حافظ ابن حجرؒ جیسے بحر روایت کے شناور بھی اپنی الاصابہ میں اسی شہرت یافتہ بات کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بیعت سے دامن کش رہے تھے۔ ابن عبد البرؒ بھی[1] اسی کے ہمنوا ہیں اور العقد الفرید میں تو کلبی سے یہاں تک مروی ہے کہ ایک شخص نے سعد بن عبادہؓ کو قتل ہی اس لئے کیا کہ وہ بیعت کا شدت سے انکار کرتے تھے۔

حاصل یہ کہ جو شخص بھی غیر معمولی فکر و تفحص اور بے حد

[1] عجیب بات ہے کہ شبنم صاحب اپنی پیش فرمودہ تفصیل کیلئے "الاستیعاب" کا حوالہ مع صفحہ پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ ابن عبد البرؒ کی کتاب ہے اور اسمیں سعد بن عبادہؓ کے بیعت نہ کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ سن وفات بھی ۱۵ھ اختیار کیا گیا ہے اور ۱۱ھ اور ۱۴ھ کو مرجوح قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد دکن۔

کنج کادی کے بغیر پہلی خلافت راشدہ پر قلم اٹھائیگا وہ آسانی سے یہ باور کر سکتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے بیعت نہیں کی تھی اور سید عمری صاحب اگر اسی کو امر واقعہ سمجھ بیٹھے ہیں تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات ہے نہ اسے اتہام تراشی کہا جا سکتا ہے۔ ابن تیمیہؒ جیسے محقق بھی بیعت نہ کرنے کا قول کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا مزاج صحابہؓ کے معاملہ میں کچھ اور ہی قسم کا ہے۔ ہم نہیں پسند کرتے کہ کسی بھی صحابیؓ پر اگر کوئی سخت الزام آمدہا ہو تو اسے آسانی سے قبول کر لیں۔ تحقیق و تفتیش میں گہرائی، سر کھپانے کے بعد اگر صفائی کی کوئی بنیاد ہاتھ نہ آئے تب تو مجبوری ہے لیکن بنیاد ہاتھ آجائے تو حتی الوسع اسے دانتوں میں پکڑنا چاہیئے۔ یہ بات جسے غیر علمی محسوس ہو وہ اپنے طرز فکر کا مختار ہے۔ ہم بہر حال یہی کہیں گے کہ سعد بن عبادہؓ کوئی معمولی صحابی نہیں تھے۔ بعض مورخین تو انھیں بدریین میں شامل کرتے ہیں۔ بخاری بھی اسی کے موید ہیں۔ بدری نہ ہوں تب بھی ممتاز صحابہ میں ان کا شمار ہے۔ وہ باتیں جنھیں عمری صاحب نے "الامامۃ والسیاسۃ" کے اعتماد پر پورے وثوق سے بیان کر دیا ہے بڑی مکروہ ہیں۔ ان پر مکمل یقین کرنے سے قبل ضرورت تھی کہ موصوف قلم روک کر تاریخ و آثار کی اور کتابیں بھی دیکھتے اور دل کی تڑپ کے ساتھ اس کنج کادی میں پڑتے کہ کہیں ایسا تو نہیں ایک صحابی جلیل کو خلاف واقعہ طور پر مجرم قرار دے دیا گیا ہو۔ طبری کی تاریخ قدیم ترین مآخذ میں سے ہے اسے تو دیکھ ہی لینا چاہیئے تھا۔ دیکھتے تو ضرور مل جاتا کہ اس کی ایک روایت میں سعدؓ کے بیعت کرنے کا ذکر بالکل صریح و واضح ہے۔

تتابع القوم علی البیعۃ — قوم نے بیعت ابوبکر میں ایکدوسرے کی پیروی کی اور سعدؓ کی بھی بیعت کی

وبایع سعد (ج ۳ ص ۲۵۹)

طبری ہی کی ایک اور روایت میں خود سعد بن عبادہؓ کی زبانی ان کی بیعت کا اعتراف موجود ہے (جلد ۲ ص ۴۴۰) اور یہ بھی موجود ہے کہ اگر انھوں نے بیعت نہ کی ہوتی تو لوگ انھیں شام جانے کے لئے زندہ چھوڑتے

والے نہ تھے۔ اس روایت کا انداز ایسا ہے جیسے انھوں نے بادل ناخواستہ بیدلی سے بیعت کی ہو۔ چلئے یہی سہی۔ تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی تو روایتیں یہی تاثر دیتی ہیں کہ ابوبکرؓ سے ان کی بیعتیں اس خوش دلی اور رضا و رغبت کی حامل نہ تھیں جس کا مظاہرہ باقی تمام قوم کی بیعت سے ہوا تھا۔ جذبوں اور ذہنی کیفیتوں کی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ عمل کیا کیا گیا۔ عمل علی و زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا کہ حکم شریعت بجا لائے اور بیعت کر لی۔

لیکن اگر مسند امام احمد کی روایت پر وثوق کیا جائے — اور یقیناً کرنا چاہیئے کیونکہ وزن اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ عام تاریخی روایتوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتنا ہے — تو اندازہ ہوتا ہے کہ سعدؓ کی بیعت بیدلی کے ساتھ بھی نہیں تھی بلکہ خوش دلی اور طمانیت ہی کے ساتھ تھی۔ ابن حجر ہیثمی نے اسی روایت کی بنیاد پر اپنی صواعق محرقہ میں بیعت نہ کرنے کے تخیل کو غلط قرار دیا ہے

داستان سرائی کا مطلب یہ کہ روایات اگر متعارض ہوں تو صحابیت کی جلالت شان اور صحابیوں کے بارے میں قرآن و سنت کی متفق علیہ توضیحات کا علم رکھنے والوں کو انھی روایات پر زیادہ اعتماد کرنا چاہیئے جن سے صحابیت کا وقار زیادہ سے زیادہ برقرار رہ سکے۔ خلیفہ برحق کی بیعت سے گریز معمولی جرم نہیں اس کی دنیاوی سزا قتل ہے اور اخروی سزا اللہ ہی کے علم میں ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حجت شرعی کے بیعت سے فرار اور جماعت سے شذوذ و خروج بدترین جرم ہے۔ سعدؓ جیسے ممتاز صحابی کو اگر بعض روایتیں اس بدترین جرم سے پاکدامن ثابت کرنے کا موقع عطا کر رہی ہوں تو اندھی عقیدت کا نہیں بلکہ بصیرت و تفکر اور منطقی شعور اور دلائل نفسی ہی کا یہ تقاضا ہے کہ ان

روایتوں پر اعتماد کر لیا جائے اور اُن روایات کو مرجوح و مردود قرار دیا جائے جن سے نہ صرف یہ کہ سعد جیسا معظم صحابی مجروح ہوتا ہے، بلکہ باقی تمام اصحابؓ پر بھی حرف آتا ہے کہ انھوں نے سعدؓ کو آزاد چھوڑ دیا اور وہ سزا نہیں دی جس کے وہ مستوجب تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ بعد کی خلافتوں میں بعض لوگ بیعت نہ کرنے کے باوجود آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ان سے تعرض ضروری نہیں سمجھا گیا، لیکن وہاں کئی اور زیادہ اہم مصالح موجود تھیں۔ تعرض کی صورت میں نسبتاً بڑے فتنے کا اندیشہ تھا۔ لیکن خلافتِ اوّل میں ایسی کوئی مصلحت مانع نظر نہیں آتی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خیر مقدم عوام و خواص نے جس خندہ جبینی، خوش دلی، رغبت اور گرمجوشی کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد کوئی اندیشہ ہی نہ تھا کہ پوری قوم کے علی الرغم اگر ایک دو برگزیدہ اشخاص بیعت سے انکار پر جم جائیں تو ان کی گردن اُڑا دینے میں قانون کا ہاتھ کانپنے لگے۔

صحیح تر بات یہی ہے کہ سعدؓ نے بیعت کر لی تھی اور یہ فیصلہ بھی کہ وہ عام مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے قابلِ نظر ہے۔ اس کو تاریخ ثابت نہیں کر سکی ہے بعض ضعیف و منقطع روایات ایسے بڑے الزام کے لئے کافی نہیں سمجھی جا سکتیں۔

لیکن جناب عثمان شبنم صاحب کے یہ الفاظ بھی کہ سعدؓ بیعت کرنے میں پیش پیش تھے صورتِ واقعہ کی محتاط ترجمانی نہیں کرتے۔ نہ یہ دعویٰ فیصلہ کن ہے کہ ان کا انتقال سال ۱۱ھ میں ہو گیا ہے۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ وہ ۱۴ھ تا ۱۵ھ میں راہیِ عدم ہوئے ہیں۔ صاحب اُسد الغابہ نے ۱۱ھ کے مقابلہ میں اسی کو ترجیح دی ہے اور اسی لئے بیعت نہ کرنے کے سلسلے میں ابوبکرؓ کے ساتھ عمرؓ کا بھی نام لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

سوال:- از محمد اسرائیل قاسمی۔ شاہ آباد (بہار)

علم الٰہی اور تقدیر

اونچی دوکان اور پھیکا پکوان کے ماتحت جس علمی وقار اور متانت کے ساتھ آپ نے معترض کا جواب دیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت شہیدؒ کے ارشادات اور معترض کے اعتراضات پر کتنے سلجھے ہوئے فاضلانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ مگر زیرِ نظر مسئلہ جامع اور مانع ہے یا نہیں۔ یہی ایک چیز توضیح طلب ہے۔ حضرت شہیدؒ کے اسلوبِ نگارش کو عوامی اور اصطلاحی طرزِ نگارش ثابت کرتے ہوئے قرآن پاک کی تین آیتوں سے آپ نے جو استدلال کیا ہے یہ استدلال تو بجائے خود اس مسئلے میں درست معلوم ہوتا ہے مگر اس سے ایک دوسری خلش پیدا ہو جاتی ہے، ممکن ہے اپنی بے مائگی اور کم علمی و کوتاہ نظری اس کا باعث ہو۔ مگر بہر حال خلش ہے۔ آلِ عمران کے چودھویں رکوع کی آیت اور اس کا ہم معنی دو اور مستدل آیتیں جن کے ظاہری مفہوم سے عدول و اعتراض کر کے تاویلاً یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ازلی اور ابدی ہے انسانی کردار اور اعمال اور حوادثِ روزگار تک اسکے احاطۂ علم میں ہے اور سب کچھ اسے پہلے ہی سے معلوم ہے۔

عقیدے کی حد تک تو یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے، لیکن یہاں سے ایک دوسری شق بھی پیدا ہو جاتی ہے یہ کہ دنیا کا ہر واقعہ علت ہوا کرتا ہے علم کیلئے۔ اور معلوم وقوع کو علم سے ذاتی تقدم بھی ہے جب کوئی واقعہ معرضِ وجود میں آتا ہے اس کے بعد اس کا علم ہوتا ہے گویا معلوم وقوع بیج کا درجہ رکھتا ہے اور علم درخت کا۔ یہ تو انسانی علوم کا حال ہے، لیکن خدا کا علم اس کے برعکس ہے۔ یعنی اسکا علم علت بنتا ہے اور معلوم وقوع معلول۔ جب اسے کسی بات کا علم ہوا تو اس علم کے نتیجہ میں وہ بات وقوع پذیر ہوئی یا یہ کہا جائے کہ اس نے ازل میں سلسلۂ وقائع زمان و مکان کی حدود کے ساتھ متعین کر دیئے تھے۔ یہ بات دنیا کے دوسرے حوادث کے سلسلے میں تو سمجھ میں آتی ہے انسان کی پیدائش، اس کی موت، وقوعِ قیامت، زمین و آسمان کا وجود، زلزلے، طوفان وغیرہ علت علمِ الٰہی کے

---

[1] اس جواب سے متعلق "تجلی کی ڈاک" کے خاتمے پر کچھ معروضات اور بھی ملاحظہ فرمائیے (ع)

معلول ہوں ان میں کوئی خلش نہیں، لیکن اگر خلش ہے تو انسانی کردار اور اعمال میں کہ جب اس نے نکوکار اور بدکار متعین کر دیئے ہیں تو پھر اس کی ذمہ دار تعیین الٰہی یا علم خداوندی ہے انسانوں کا کیا قصور، اس سے جبر مشیت ثابت ہے کہ جو وہ چاہتا ہے ہم سے کراتا ہے ہم کیوں قصوروار اور مجرم ہوں۔ اعتراض اگرچہ پرانا سہی، مگر اس کا شافی جواب پرانا یا نیا اب تک نظر سے نہیں گذرا، ذہن میں ہمیشہ یہ خلش رہی، اگرچہ بہت سے لوگوں کے اس اعتراض کا جواب اپنے علم کے مطابق دیتا رہا۔ مگر خود اپنے ضمیر کو تشفی آج تک نہیں ہوئی اور پھر مستدل آیات قرآنیہ میں انسانی اعمال و کردار ہی کے علم سے بحث کی گئی ہے۔ جہاد و صبر کا تعلق اعمال و کردار ہی سے تو ہے، نہ کہ حوادث روزگار سے۔

اللہ کا علم قدیم ذاتی، ازلی اور ابدی سب درست مگر انسانی اعمال پر بھی حوادث روزگار کی طرح اسے منطبق کر دیا جائے تو انسان مجبور محض ثابت ہوتا ہے اور خدا کے عدل و انصاف پر اپنی کم فہمی کے مطابق نشتر جراحت چل جاتا ہے۔ لہٰذا اس اہم اعتراض سے بچنے کے لئے کیوں نہ انسانی اعمال و کردار کو مستثنیٰ کر دیا جائے کہ اس کا محل وقوع بھی علیحدہ ہے۔ آیات قرآنیہ سے جو صاف و صریح مفہوم سمجھ میں آرہا ہے اسے اپنی جگہ باقی رکھا جائے عدول و اعراض کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب کہ اس سے بظاہر کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسان کو اپنے اعمال و کردار میں خود مختار مان لیا جائے تو اس میں کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ جب کہ مستدل آیات صاف یہی مفہوم واضح کرتی ہیں، عقلی اعتراض بھی لازم نہیں آتا ذہنی خلش بھی باقی نہیں رہتی اور پھر متعدد بار آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے اصطلاحی اسلوب اور ادب و انشاء کی زبان میں سیدھے سادے طریقے سے انسانوں کی سمجھ کے مطابق اپنے علم کا اظہار کیا ہے اسرار و حقائق کی تشریح نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ اسی حد میں اسے کیوں نہ منحصر سمجھا جائے اس سیدھی سادی بات سے فلسفیانہ غوامض اور ناقابل فہم نکتہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ اللہ کا علم قدیم ازلی، ابدی، ذاتی وغیرہ ہے تو میرے ناقص خیال میں اس سے علم الٰہی کے ازلی اور ابدی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس پر کوئی حرف آتا ہے حوادث روزگار کے سلسلے میں خدا کا علم محیط کل ہے لیکن انسان چونکہ اپنے اعمال و کردار میں خود مختار ہے اس لئے وقوع عمل کے پہلے اس کی لاعلمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں جس آن و جس لمحہ میں انسان سے کوئی عمل سرزد ہوا اسی آن و لمحہ میں اسے اس کا علم ہو گیا یہ بات عقل بھی گوارہ کر لیتی ہے۔ آیات قرآنیہ میں تاویل و اعراض کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علم الٰہی کی بھی نفی نہیں ہوتی اور میرے خیال میں قرآن کی دوسری آیات سے یہ آیتیں متصادم بھی نہیں ہوتیں نہ حضرت شہیدؒ کے اقوال میں تاویل کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔

ہاں حدیث کا وہ فرمان کہ بہت سے لوگ نیک عملی سے جنت کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں، لیکن تقدیر الٰہی میں ان کا جہنمی ہونا ہوتا ہے تو کوئی ایسی بدعملی ان سے سرزد ہو جاتی ہے جس سے ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور اسی کے برعکس بہت سے لوگ بدعملی کی وجہ سے جہنم کے قریب پہنچ کر کوئی نیک عمل کر لیتے ہیں اور جنتی ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات جب ناقابل فہم ہوتی ہیں، یا جن کے ظاہری مفہوم سے کوئی نقص یا ایراد ہوتا ہے تو اصول و قواعد کی رو سے حسب حال اس کی تاویل کر لی جاتی ہے۔ یہی اصول حدیث کے اندر کیوں نہ جاری کئے جائیں جب کہ آیات قرآنی کے واضح اور صاف مفہوم سے متصادم ہو رہی ہے یا اگر کسی تاویل کی بھی گنجائش نہ ہو تو یہ بالکل اصولی بات ہے کہ نص قطعی پر

نصِ جلی کو ترجیح کسی صورت نہیں دی جاسکتی۔ جس طرح صدہا مسائل میں یہی اصول کارفرما ہیں اس ایک مسئلے میں بھی کیوں نہ اسے نافذ کردیا جائے، جب کہ خود قرآن کی زبانی راسخین فی العلم کو اس کی اجازت بھی دی گئی ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم جب کہ بعض ائمہ اصول وتفسیر نے اللہ پر راسخون فی العلم کو عطف مانا ہے۔

بہرحال یہ اپنے خیالات ہیں میں اپنی کم مائگی کی شدت احساس کے ساتھ یہ سطریں لکھ رہا ہوں شاید آپ اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔ مجھے خلش ہو رہی ہے کہ اس اہم مسئلے کو جس کا تعلق اہم عقیدے سے ہے اسرار الٰہیہ پر محمول کرکے تشفی بخش جواب سے گریز نہ کریں۔ مجھے بارہا حضرت مولانا طیب صاحب سے اس مسئلے کو رجوع کرنیکا خیال ہوا مگر یہی خلش مانع ہوتی رہی کہ شاید اطمینان بخش جواب سے وہ بھی محروم رکھیں۔ اب آپ سے رجوع کر رہا ہوں۔ بڑا احسان ہوگا اگر آپ نے یہ خلش دور کردی۔ یہ صرف میرے ضمیر کی نہیں بلکہ مجھ جیسے ہزاروں دلوں کی آواز ہے۔

جواب:-

ایک زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف اہل باطل کے فلسفہ وکلام کے رد میں واجب الوجود، صفات باری، امکان کذب اور اسی نہج کے دیگر دقیق وخالص مسائل میں بحثیں کیا کرتے تھے ..... اسوقت یہ شئی ضروری تھیں، کیونکہ اہل باطل اسی راہ سے اسلام کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ علماء پر فرض ہوا کہ حریف سے جس رُخ پر جن ہتھیاروں سے حملہ کیا ہے اسی رُخ پر اسی معیار کے دفاعی ہتھیار لے کر پہنچیں اور ثابت کردیں کہ دین حق کا کوئی پہلو کمزور نہیں ہے اور اس کے ماننے والے باطل افکار سے ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کرسکتے ہیں۔

لیکن اب جو زمانہ ہے اس میں اس طرح کی بحثیں بے وقت کی شہنائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ آج بحث ونظر کا میدان دوسرا ہے، مسائل دوسرے ہیں۔ آلات حرب دوسرے ہیں۔ طریق جنگ دوسرا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے جس جواب کے حوالہ سے آپ نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے ہمیں دعوت فکر دی ہے وہ جواب علم باری کی نوعیت متعین کرنے یا جبر وقدر کی گتھی سلجھانے کے سلسلے میں نہیں سپرد قلم کیا گیا تھا، بلکہ اس کا مقصود صرف اتنا تھا کہ مولوی احمد رضا خانصاحب نے حضرت شہیدؒ جیسے مرد مومن پر غیظ وغضب کے ساتھ جو خواہ مخواہ کا اعتراض جڑا ہے اس کو صاف کردیا جائے۔

اب آنجناب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان پر اگر ہم تفصیلی گفتگو کرنے بیٹھیں تو بات بہت بڑھ جائے گی اور حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ بے وقت کی بحث وتمحیص میں صفحات سیاہ ہوجائیں۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ علم باری پر جس رُخ سے آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے اس رُخ کی گفتگو کا پہلا ہی قدم مسئلہ تقدیر کے میدان میں جا پڑتا ہے اور مسئلہ تقدیر پر بحث کرنا جس قدر خطرناک ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگا لیجئے:-

عن ابی ھریرۃ قال | ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن

بدعت کیا ہے؟
شرک وبدعت کے رد اور توحید وسنت کے اثبات پر چار دقیق وسیر حاصل مقالات کا گرانقدر مجموعہ
مجلد تین روپے
ملنے کا پتہ
مکتبہ تجلی دیوبند (یو-پی)

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر وجھہ حتی کانما فقئ فی وجنتیہ الرمان فقال ابھذا امرتم ام بھذا ارسلت الیکم انما ھلک من کان من قبلکم حین تنازعوا فی ھذا الامر عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیہ

(ترمذی)

تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ تشریف لے آئے اور ان پر غصہ کا اس قدر اثر ہوا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا جیسے آپ کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ پھر فرمایا کیا تمہیں یہی کام سونپا گیا ہے یا مجھے اللہ نے تمہارے پاس اسی بحث کے لئے بھیجا ہے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے جب وہ اس طرح کے جھگڑے میں پڑ گئے تمہیں خدا کی قسم تمہیں خدا کی قسم تقدیر کے بارے میں بحث مت کیا کرو۔

اس حدیث کے بعد بحث کی ہمت نہ تو مجھے کرنی چاہئے نہ آپ کو۔ لیکن ایمان بالقدر چونکہ اہم ترین اسلامیات دین میں سے ہے اس لئے دوستانہ افہام و تفہیم کی سطح پر بہر حال اس سے اعتناء برتنا ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ انسانوں کے جملہ افعال و اعمال کی پہلے سے تعیین بظاہر جبر مشیت پر منتج ہوتی ہے اور اہل علم نے پہلے بھی اسے محسوس کیا ہے اور اس پر بحثیں ہوئی ہیں لیکن سخت دشواری یہ ہے کہ اگر اعمال انسانی کو اوراق کائنات سے قبل علم باری سے خارج مان لیا جائے تو دوسری طرح کی الجھنیں سامنے آتی ہیں۔ غور میں بھی کر رہا ہوں آپ بھی کیجئے۔

بعض مسائل ایسے ہیں۔ اور انہی میں سے یہ تقدیر کا مسئلہ بھی ہے کہ ان میں عقل کے پر جلتے ہیں۔ شدید ضرورت کے تحت اسلاف نے اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر گفتگو کی ہے اور آج بھی علماء کی ایسی کتابیں نایاب نہیں ہیں جن میں انھوں نے اپنے امکان کی حد تک اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھانے کی کوششیں کی ہیں، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ عقل انسانی کی جولانیاں جہاں کارفرما ہیں کامیابی کسی سے بند نہیں ہو سکتا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ علم باری، تقدیر اور جبر و اختیار سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ انسان کی محدود عقل ان میں سے ایک کڑی کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی پھر اس کی تشفی ہو تو کیونکر ہو اور سوال در سوال کا سلسلہ رکے تو کیسے رکے۔ واحد اور یقیناً واحد راستہ یہی ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر بس اندھی سانچوں میں اعتقاد کو ڈھال لیا جائے جو اللہ اور رسول نے معین فرما دیتے ہیں۔

اب اندازہ فرمائیے کہ جن آیات و احادیث میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ تقدیریں پہلے ہی لکھی جا چکیں کیا ان کا منشاء یہ ہو سکتا ہے کہ جملہ کائنات کے واقعات و حوادث تو قلم بند کر دیئے گئے مگر اسی مخلوق — انسان — کی تقدیر قلمبند نہیں کی گئی جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے؟ جس صورت کو آپ نے پسندیدہ قرار دیا ہے یعنی یہ کہ اللہ کو انسانوں کے اعمال کا علم اسی وقت ہو جب وہ ظہور میں آ رہے ہوں ظہور و ارتکاب سے قبل علم نہ ہو تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ لوح تقدیر میں کہیں انسان کا بھی تذکرہ ہوگا؟ یہ معمہ کہ خیر سے تک عجیب بات کیا علم و فہم قبول کرتے ہیں؟

ویسے بھی آپ سوچئے طبعی تغیرات و حوادث کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ہی ہنگامے اور واقعات و حوادث انسانوں ہی کے اعمال و افعال کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جب انسانوں کے فعل و عمل کا علم باری تعالیٰ کو پہلے سے نہ ہو تو ان کے ثمرات و نتائج کے طور پر ظہور میں آنے والے احوال و کوائف کے علم کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ پھر کیا چیز تقدیر میں لکھی گئی ہوگی؟ یوں کہئے پھر تو سنۃ تقدیر ماہ و انجم اور دیگر نوامیس فطرت ہی تک محدود ہوگا انسان اور عالم انسانی کے لئے اس میں کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی حقیقت ہوتی تو اس تقدیر پر ایمان لانے کو اسلام نے بنیادی عقائد میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے جس میں خود انسان اور اس کی عملی دنیا کا مذکور نہیں ہے۔

یہ خیال بھی آپ کا درست نہیں معلوم ہوتا کہ علم الٰہی کے

متعلق آپ کا پسند فرمودہ عقیدہ کسی آیت قرآنی سے متصادم نہیں۔ آیئے تفحص کر کے دیکھیں۔

سورۂ صٰفّٰت میں ہے:۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝	اللہ ہی نے تمھیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ یہ قول ایسے موقع پر کہا ہے کہ عمل کی بجائے معمول ان کا مقصود بنتا ہے لیکن بہرحال قرآن کے الفاظ تو تعملون ہی ہیں اور ان کا ترجمہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کا بھی خالق اللہ ہی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ کے لئے کئی جگہ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ کے الفاظ قرآن میں موجود ہیں۔ کیا انسانی اعمال و افعال کو "شے" کے دائرے سے خارج سمجھنا چاہیئے۔ اگر نہیں تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ اعمالِ انسانی سے وہ اسی وقت آگاہ ہوا جب وہ قوت سے فعل میں آ گئے۔ "خلق" کے لئے پہلے ارادہ ضروری ہے پھر کوئی چیز خلق کی جا سکے گی۔ جب یہ یقین کر لیا جائے کہ اعمال کا علم ارتکاب ہی کے وقت ہوا تو واحد مطلب یہ ہوگا کہ ان کا خالق اللہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر یہ مرتکبین ہی خالق ہیں۔ انھی کے ارادے سے اعمال ظہور میں آئے ہیں اور اللہ کا کوئی تعلق ان کی پیدائش سے نہیں ہے۔ ہوتا تو وہ پہلے ارادہ کرتا پھر یہ ظہور میں آتے۔ ظہور چاہے معاً ہی ہو مگر ارادہ و ظہور کی منطقی ترتیب میں بہرحال ارادے ہی کو اولیت اور تقدم حاصل ہے۔

سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ اور اصحابؓ کو فتوحات ہوتی تھیں تو منافقین کہا کرتے تھے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہیں اور جب نقصان و ہزیمت سے واسطہ پڑتا تو رسول اللہ کو الزام دیتے کہ یہ آپ کی بے تدبیری کا ثمرہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ رسول اللہ سے فرماتے ہیں:۔

قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ	کہدیجئے کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے

آگے فرماتے ہیں:۔

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ	تجھے اگر کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچے تو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

+ + + +

اس آیت سے یہ تو صاف ہی معلوم ہو گیا کہ جن اعمال پر حَسَنَۃ کا اطلاق ہوتا ہو یا جن کے نتائج پر حسنۃ کا اطلاق ہو سکے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ تو اگر بات وہی ٹھیک ہو کہ انسان اپنے اعمال میں اس حد تک مختار ہے کہ ارتکاب سے قبل ان کا علم تک اللہ کو نہیں ہوتا تو کوئی بھی عمل یا اس کا منطقی و طبعی نتیجہ اللہ کی طرف سے کیسے مانا جائے گا۔ رہے وہ اعمال جن پر یا جن کے ثمرات پر سیئۃ کا اطلاق ہو تو ان سے یہاں بحث نہیں حقیقت میں تو خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ان کا بھی خالق ہے۔ جیسا کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ سے ظاہر ہے۔ لیکن بندوں کے معیارِ ادب و تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے سیئات کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے:۔

الخیر بیدیک والشر لیس الیک۔	(حضورؐ نے اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا) خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

+ + + +
+ + + +

یہ نہیں فرمایا کہ والشر لیس بیدیک (شر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے) ثابت ہوا کہ خالق حقیقی تو ہر عمل کا اللہ ہی ہے، لیکن شر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی، کیونکہ شر وہ ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی تکوینی مصالح کے تحت خود کر رہا ہے وہ اس کی نسبت سے شر کیسے کہلا سکتا ہے۔ وہ تو محض ایک مخلوق ہے۔ اسی لئے کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ فرمایا گیا سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ | اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

اسی ایک فقرے سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون کیا حرکتیں کرے گا۔ اگر کہا جائے کہ فقرے کا حاصل تو یہ ہے کہ جو لوگ ارتکاب ظلم کر چکے ان کے ظالمانہ افعال پر اللہ مطلع ہے اور یہ اطلاع بعد ارتکاب ظلم ہوئی ہے نہ کہ قبل۔ تو اگلی آیات اسکا ساتھ نہیں دیتیں۔ اسی فقرہ پر عطف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "اور اسی (اللہ ہی) کے پاس ہیں اس غیب کی کنجیاں جسے کوئی نہیں جانتا ہے جو کچھ بحر و بر میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر اسے اس کی خبر ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی ہری یا سوکھی چیز مگر وہ سب لوح محفوظ میں درج ہے۔"

تو معلوم ہوا کہ ظالمین کا حال بھی لوح محفوظ میں درج ہے۔ جن افعال کی وجہ سے کچھ لوگ ظالم کہلائے ہیں وہ افعال ہی پہلے سے اللہ کے علم میں نہ ہوں تو ان کا ظالم ہونا کیونکر لوح محفوظ میں درج ہو جائے گا۔

سورۂ تکویر میں ہے:۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ | تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جبتک کہ اللہ پروردگار عالم ہی نہ چاہئے۔

اس آیت سے بھی انسان کے لئے اس آزادی کامل اور اختیار مکمل کی نفی ہوتی ہے جسے آپ نے پسند فرمایا ہے۔

سورۂ حدید میں ہے:۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی زمین میں نہ تمہارے نفوس میں جسے اس کی آفرینش سے پہلے ہی ایک کتاب میں محفوظ نہ کر دیا گیا ہو یقیناً یہ اللہ کیلئے سہل ہے۔ تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اس پر جو ہاتھ نہ آسکا اور اکڑا نہ کرو اس پر جو تمہیں اللہ نے دیا۔

+ + + +

فی الارض سے بیشک آفات کونی و طبعی مثلاً طوفان، زلزلہ، قحط وغیرہ مراد لے لیجئے لیکن فی انفسکم سے سوائے اس کے کیا مراد لی جا سکتی ہے کہ تمام افراد کی انفرادی مصیبتیں بھی لوح محفوظ میں درج ہیں اور ان کا خالق اللہ ہی ہے۔ زید کے چھرا بھونک دیا گیا۔ یہ شخصی انفرادی مصیبت ہے۔ اگر اللہ کو پہلے سے علم نہ تھا کہ ملحد سے چھرا بھونکنے کا عمل صادر ہوگا تو کیسے یہ مصیبت لوح محفوظ میں درج ہوتی۔ انسان اپنے فعل و عمل میں اس حد تک مختار کل ہو کہ ارتکاب سے قبل اللہ کو اس کے افعال کا علم ہی نہ ہو تو فعل و عمل کے نتیجے میں حاصل ہونے والا سود و زیاں بھی کامل طور پر انسان ہی کی طرف منسوب ہوگا اور اس کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے کہ راحتیں اور مصیبتیں پہلے سے کتب میں درج ہیں۔ نہ قَبْلَ اَنْ نَّبْرَاَھَا کا کوئی مطلب بنے گا۔ رشید نے زہریلی غذا کھالی، سخت بیمار پڑ گیا۔ یہ بیماری ظاہر ہے فی انفسکم کے تحت آتی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کہہ رہا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ یہ ایک کتاب میں پہلے سے مندرج ہے۔ سوچئے کیا بات بنے گی اگر کہدیں کہ زہریلی غذا کھانے سے قبل اللہ کو علم ہی نہیں تھا کہ رشید سے یہ فعل صادر ہوگا۔

سورہ بقرہ میں ہے:۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ | مہینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن۔

حدیث میں آیا ہے کہ قرآن اور دیگر آسمانی کتب سب کی سب رمضان ہی میں نازل کی گئی ہیں۔ قرآن رمضان کی غالباً چوبیسویں کو پورا کا پورا لوح محفوظ سے آسمان اوّل پر اتارا گیا ہے پھر تھوڑا تھوڑا حضورؐ تک جبرئیلؑ کے ذریعہ پہنچایا گیا۔ اب غور کیجئے کہ قرآن کی بے شمار آیات تو حضورؐ اور صحابہؓ کے اعمال و افعال ہی سے متعلق ہیں اگر یہ اعمال و افعال وقوع پذیر ہونے سے قبل علم الٰہی میں نہ تھے تو پورے قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا، حالانکہ حدیث وہ ہے

جو پیش کی گئی اور خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔

ہمارے دنیا پر نزول قرآن کا ذکر دوسری آیات میں

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ	اس کتاب مبین کی قسم اسے ہم نے اُتارا ہے ایک برکت والی شب میں۔
(اور) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ	اسے ہم نے اُتارا شب قدر میں۔

اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر پر نزول قرآن کی ابتدا رمضان کی شب قدر میں ہوئی تب بھی یہ دعویٰ بہت کمزور ہوگا کہ ان تینوں آیات میں نزول قرآن سے مراد آغاز نزول قرآن ہے نہ کہ پورے قرآن کا نزول۔ آغاز میں تو اقرأ سے مالم یعلم تک صرف پانچ آیات اُتری ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے انھی پانچ آیات کو "قرآن" کہا، انھی کو کتاب مبین کا لقب دیا اور انھی کی قسم کھائی؟ ایسا کہنا نہ صرف علمی و عقلی سطح پر ناقابل التفات ہوگا، بلکہ تمام معتبر مفسرین و محدثین کی تصریحات کے بھی خلاف ہوگا۔ قابل قبول بات وہی ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے سماء دنیا پر اُتارا گیا اور پھر تھوڑا تھوڑا رسولؐ پر نازل ہوا۔ اس صورت میں نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ اللہ کو جملہ اعمال انسانی کا پہلے سے علم ہے۔ علم نہ ہوتا تو پہلے ہمارے اعمال انسانی کا ذکر و بیان کرنے والا قرآن پہلے سے لوح محفوظ میں کیسے موجود ہوتا۔

قرآن میں متعدد جگہ اللہ کے لئے عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے الفاظ آتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو کائنات کی کوئی بھی موجود شے اللہ کے لئے "غیب" کے درجے میں نہیں، بلکہ شہادۃ کے زمرے میں ہے۔ جس خدا کا حال یہ ہو

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔	جدھر بھی تم رُخ پھیرو گے اسی طرف اللہ موجود ہے۔
(اور) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔	اور اے محمدؐ جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہدیں میں قریب ہوں۔
(اور) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ	اور جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے آدمی اور اسکے قلب کے درمیان
(اور) نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ	ہم جانتے ہیں جو خیالات انسان کے جی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہم انسان سے اسکی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔
(اور) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ	اور ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہیں اُس سے (جس قریب المرگ عزیز کے بالیں پر تم غمزدہ بیٹھے ہو) مگر تم نہیں دیکھتے۔
وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔	اور وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔
(اور) وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ	وہ اللہ ان کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہوں۔

ان آیات کے بعد کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شے حتیٰ کہ انسانی قلوب میں گذرنے والے خیالات و وسوسے بھی اللہ کے لئے "شہادۃ" کے درجے میں نہیں غیب کے درجہ میں ہیں۔ لاریب کہ سمندروں کی تہہ میں پڑے ہوئے ریگ کے ذرات اور زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے خزانے سب اللہ کے لئے حاضر و مشہود ہیں۔ جنت دوزخ عرش و کرسی انسان کے لئے مغیبات ہوں تو ہوں اللہ کے لئے سوائے مشہودات کے کچھ نہیں۔ پھر غیب کا اطلاق اللہ جل شانہٗ کی نسبت سے آخر کن چیزوں پر ہوگا۔ بہت غور کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات و حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں انھی پر ان کے ظہور و وقوع سے قبل غیب کا صحیح ترین اطلاق ہو سکتا ہے۔ پھر زیادہ گہرائی میں جائیے تو وہ حادثات و واقعات بھی اس اطلاق سے خارج معلوم ہوتے ہیں جن کا تعلق طبعیات سے ہے۔ مثلاً زلزلہ آتا ہے تو بعض طبعی عوامل کے تحت آتا ہے، جس طرح یہ ایک طبعی فارمولا ہے کہ پانی کو گرمی پہنچاؤ گے تو

وہ بھاپ بن جائے گا اور بھاپ ہمیشہ اوپر کو اٹھے گی، اسی طرح زلزلے، طوفان، گہن، طلوع و غروب وغیرہ کے لئے بھی اللہ کے بنائے ہوئے طبعی قوانین کار فرما ہیں۔ اس پانی سے بھاپ کا نکلنا، جسے آنے والی کل میں گرم کیا جائیگا یا آنے والے قمری مہینے کی چودہ کو چاند کا روشن ترین ہو جانا یا آئندہ کل میں سورج کا شام کو غروب ہونا "غیب" کا مصداق نہیں ہے تو وہ حوادث و تغیرات "غیب" کا صحیح تر مصداق کیسے ہوں گے جو اللہ کے طے فرمودہ طبعی عوامل اور تکوینی ترتیب کے تحت ظہور میں آنیوالے ہیں۔

لہٰذا لے دے کے صرف اعمالِ انسانی اور انکے ثمرات و محاصل ہی "غیب" کا صحیح ترین مصداق بنتے ہیں اور وہ بھی اسی وقت تک جب تک وقوع و تعلیت میں نہ آئیں۔ انسان کو آگ، پانی، چاند سورج، جمادات و نباتات کیطرح بے شعور و مجبور نہیں بنایا گیا کہ اس کے اعمال و کردار طلوع و غروب اور زلزال و طغیان کی طرح طبعی عوامل کے ہاتھوں مجبور و محض ہوں۔ وہ باشعور و مختار بنایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ کب کیا کر گذرے گا۔ اسی کے اعمال و اطوار ہیں جن پر غیب کا پردہ پورا الطباق ہوتا ہے اور اللہ کے عالم الغیب ہونے کی کامل تر ترجمانی اسی عقیدے میں نظر آتی ہے کہ وہ انسان کے تمام اگلے اعمال و اطوار کو پہلے ہی سے جانتا ہے۔

سورۂ یٰسین میں ہے:-

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔	اور ہر چیز گن لی ہے ہمنے ایک کھلی اصل میں لوح محفوظ میں

کیا یہ ممکن ہے کہ انسانوں کے اعمال و کردار اور ان کے ثمرات و محاصل کل شیئ سے خارج ہوں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز وقوع سے پہلے ہی لوح محفوظ میں مندرج ہے

مجاہدینِ بدر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے سورۂ انفال میں کہا گیا ہے:-

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ	سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور (اے
إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔	نہیں پھینکی (مٹھی بھر کنکریاں جبکہ پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔

کیا اس سے نہیں ظاہر ہوتا کہ افعال کا خالق بھی اللہ ہی ہے اور ان کے محاصل کا بھی۔

سورۂ لقمان ملاحظہ فرمائیے:-

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔	یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی خبر اور وہی اُتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اور کوئی بھی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا اور کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ ہی سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔

+ + + +

اس آیت میں پانچ چیزیں اللہ نے بیان فرمائی ہیں جن کا علم خصوصیت سے اللہ ہی کو ہے کوئی فردِ بشر اس علم میں شریک نہیں ہے۔ ان پانچ میں ایک چیز وہ بھی ہے جس کے بارے میں ہماری گفتگو ہو رہی ہے، یعنی انسان کے وہ اعمال جو ابھی ارتکاب میں نہیں آئے آگے کو آئیں گے۔ اب آپ دیکھ لیجئے ان کے بارے میں بھی اللہ خبر دے رہا ہے کہ ہم ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کے علیم ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ جس وقت وہ اعمال کئے جائیں گے اسی وقت اللہ ان سے مطلع ہوگا تو یہ صریح البطلان ہے کیونکہ ارتکاب کے وقت تو تمام وہ لوگ بھی باخبر ہو جائیں گے جو اس وقت آنکھیں کھولے دیکھ رہے ہیں۔ یا کم سے کم یہ مرتکب تو جان ہی جائے گا۔ یہ کہنے کا کیا مفہوم ہوا کہ کوئی متنفس نہیں جانتا کل وہ کیا کرے گا۔ "کل" کا لفظ ہی اس بات پر گواہ ہے کہ قبل از ارتکاب علم کی بات ہو رہی ہے اور اسی علم کے بارے میں اللہ اپنے علیم ہونے کی خبر دے رہا ہے

اسی آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت بخاری میں آئی ہے:-

من اخبرك ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ فقد اعظم الفریۃ۔

جو شخص تجھے یہ بتلائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ باتوں کا علم رکھتے تھے جنھیں اللہ نے ان اللہ عندہ علم الساعہ والی آیت میں بیان فرمایا ہے تو سمجھ لے کہ اس نے بڑا بہتان باندھا۔

+ + + +

(حضورؐ کے علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنے والے اس حدیث کو چشم عبرت سے ملاحظہ فرمائیں)

اگر صحیح بات یہی ہوتی کہ ہم انسانوں کی طرح خود اللہ تعالیٰ کو بھی ہمارے افعال و اعمال کا علم قبل از ارتکاب نہ ہوتا تو ضرور حضرت عائشہؓ اس کی توجیہ فرماتیں کہ آیت میں وما تدری نفس ماذا تکسب غدا کیوں لایا گیا۔

قرآن کی متعدد آیات سے واضح ہے کہ ہر انسان کی موت کا وقت مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کا علم آپ کو بھی اور تمام ہی مسلمانوں کو ہے اس لئے آیات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ہی کا خیال درست ہو تو ان تمام آیات کی توجیہ بہت مشکل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت اس دار الاسباب میں اسباب و علل کی ڈور سے بندھی ہے اور یہ اسباب و علل خود انسانی افعال ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص نمونیہ میں مر گیا ظاہری وجہ یہی تو ہوئی کہ وہ گرم فضا سے اکدم سرد فضا میں یا سرد فضا سے یکلخت گرم فضا میں داخل ہو گیا۔ یا ایک شخص ہیضے کا شکار ہوا۔ ظاہری وجہ یہی تو ہوئی کہ اس نے کھانے پینے میں بے احتیاطی برتی۔

اسی طرح جو بھی مرض الموت انسان کو لاحق ہوتا ہے وہ بظاہر اس کے فعل و عمل ہی کے نتیجے میں لاحق ہوتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ اکثر اوقات تو عمل اور نتائج کا طبعی سلسلہ اطباء مشخص کر لیتے ہیں، لیکن بعض اوقات ان کا علم کوتاہ رہتا ہے۔ مثلاً کسی کا ہارٹ فیل ہو گیا تو ضروری نہیں ہے کہ اطباء پورے طور پر ان اسباب کو مشخص کر سکیں جن کی تند بجی کارفرمائی کے نتیجے میں قلب اچانک جواب دے گیا ہے، لیکن حقیقت بہر حال یہی ہوتی ہے کہ اس ناگہانی آفت کی بنیاد خود انسان ہی کا کوئی قریب یا بعید فعل و عمل رکھتا ہے۔

چلئے زیادہ باریکی میں نہ جائیے۔ یہ تو بہر حال ظاہر ہے کہ بے شمار انسان حادثات کا شکار ہو کر مرتے ہیں۔ بے شمار قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ بے شمار خودکشی کر لیتے ہیں بے شمار نادانستگی میں ایسی غذا یا مشروب استعمال کر ڈالتے ہیں کہ جان چلی جاتی ہے۔ تو ان سب کی موت کا وقت اللہ کی تقدیر میں کیونکر معین و مقدر ہو سکتا ہے جب کہ اللہ کو انسانی افعال کا قبل از ارتکاب علم ہی نہ ہو۔ دس صحت مند آدمی ہوائی جہاز میں بیٹھے جہاز کو حادثہ پیش آگیا اور سب جاں بحق ہو گئے۔ فرمائیے اگر اللہ کو پہلے سے علم ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ جہاز میں بیٹھیں گے اور پائلٹ کی غلطی یا لاپروائی یا لاعلمی سے جہاز کو تباہ کن حادثہ پیش آجائے گا۔ تو کیونکر وہ تقدیر میں ان دسوں کا وقت معین لکھ دیتا۔ اسی طرح اللہ کو اگر پہلے سے خبر نہیں تھی کہ زید شکار کو گولی مار دے گا تو محض نبیاد پر شکار کی اجل مقدر کی جا سکتی۔ ہر ہر انسان کی موت کا وقت اگر معین ہو تو ضروری ہے کہ معین کرنے والے کو ہر ہر انسان کے افعال و اعمال کا بھی قبل از ارتکاب ہی پتا ہو۔ آپ کا خیال صحیح تسلیم کر لینے پر تمام ان آیتوں کا مطلب خبط ہو جاتا ہے جن میں وقت اجل کی تعیین کی گئی ہے۔

یہ بات آپ نے بجا کہی ــــ اور تمام مستند علماء بھی یہی کہتے آئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے مفہوم صریح سے متصادم ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے یہ تصادم دور ہو جائے اور اگر عملاً یہ ممکن نہ ہو تو اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا۔

لیکن جس مفہوم کو آپ صریح کہہ رہے ہیں وہ تو خود

آیات قرآنیہ ہی سے متصادم معلوم ہوتا ہے اور علم باری کو محدود ترین کر دینے کا ناخوشگوار فعل انجام دے رہا ہے۔

دوسرے وہی ایک حدیث تو اس باب میں نہیں ہے جسے آپ نے بیان فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی اگر آپ کا خیال درست مان لیا جائے۔ چند بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

مسلم نے روایت کیا ہے:۔

عن عمران بن حصین ان رجلین من مزینة قالا یا رسول اللہ ارأیت ما یعمل الناس الیوم ویکدحون فیه اشیئ قضی علیهم ومضی فیهم من قدر سبق او فیما یستقبلون به مما اتاهم به نبیهم وثبتت الحجة علیهم فقال لا بل شیئ قضی علیهم ومضی فیهم وتصدیق ذلك فی کتاب اللہ عز وجل ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها۔	عمران بن حصین سے روایت ہے کہ قبیلۂ مزینہ کے دو شخصوں نے کہا یا رسول اللہ بتلائیے کہ لوگ جو کچھ آج عمل کر رہے ہیں اور جن کاموں میں کوشاں ہیں کیا وہ سب پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں کہ وہ ایسا ہی کریں گے یا ایسا نہیں ہے بلکہ جو کچھ انھیں مناسب معلوم ہوتا ہے ویسا ہی اپنے اختیار سے کئے جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ تقدیر میں درج ہوا ہو۔ اور کیا امر و نہی کا معاملہ تقدیر سے متعلق نہیں ہے، بلکہ نبی کی بعثت اور قیام حجت کے بعد کا ہے۔ پس فرمایا رسول اللہ نے نہیں بلکہ یہ ایسی ہی چیز ہے جو ان کی تقدیر میں درج کی جا چکی ہے اور وہ نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہی عمل کر رہے ہیں اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ ونفس وما سواها الآیۃ۔

ہم اس تفصیل میں نہیں جائیں گے کہ حدیث میں آئی ہوئی آیت کس طرح اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جملہ اعمال انسانی پہلے ہی سے تقدیر میں مندرج ہیں۔ یہی بہت کافی ہے کہ حضورؐ نے اس کو اسی مضمون کا مصدق قرار دیا۔

بخاری کی روایت ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا میں جوان آدمی ہوں، لیکن مجھ میں اتنی مالی سکت نہیں ہے کہ نکاح کر سکوں اس لئے اپنے نفس پر زنا کا خدشہ ہے۔ اجازت ہو تو اپنے آپ کو خصی کر لوں۔ حضورؐ یہ سنکر کچھ نہ بولے۔ ابوہریرہؓ نے پھر کہا حضورؐ پھر بھی خاموش رہے۔ انھوں نے پھر کہا جواب پھر کچھ نہ ملا۔ چوتھی بار کہنے پر جواب ملا:۔

یا ابا ھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علی ذلك۔	اے ابوہریرۃ قلم تو (لکھ کر) خشک ہو چکا اب تو چاہے خصی بن یا اس ارادے سے باز آ!

کیا صاف مطلب یہی نہیں ہے کہ جو کچھ مقدر ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔

ایسی حدیثیں بہت ہیں جن سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال انسانی کا علم باری تعالیٰ کو پہلے سے تھا۔ بخوف طوالت ہم مزید نقل نہیں کرتے پھر بھی ایک حدیث اور ذکر کریں گے جس میں ٹھیک وہی نکتہ موجود ہے جس نے آپ کو الجھن میں ڈالا ہے۔

مسلم میں ایک روایت ہے جس میں رسول اللہؐ نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے ایک مناظرہ کا ذکر کیا ہے جو اللہ کے حضور ہوا تھا۔ اس میں حضرت موسیٰؑ حضرت آدمؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ وہی آدم ہیں جسے اللہ نے خلعت وجود سے سرفراز کیا پھر ملائکہ کا مسجود بنایا اور جنت میں جگہ دی۔ مگر آپ خطا کر بیٹھے جس کی وجہ سے آپ کی ذریت زمین پر اتار دی گئی۔ حضرت آدمؑ جواب میں پوچھتے ہیں کہ اے موسیٰ بتاؤ تو اللہ نے تورات کب لکھی؟ موسیٰؑ نے جواب دیا آپ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے۔ آدمؑ بولے کیا آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا نہیں پایا کہ فعصیٰ آدم ربہ فغوی

(پس نافرمانی کی آدمؑ نے اپنے رب کی بس بہک گیا) موسیٰؑ نے کہا ہاں پائی تو تھی! آدمؑ نے فرمایا تو کیا آپ مجھے ایسے فعل پر ملامت کر رہے ہیں جسے میری پیدائش سے پہلے ہی اللہ نے سپرد قلم فرما دیا ہے!

حضرت آدمؑ کے اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمؑ موسیٰؑ پر بازی لے گئے۔ تو اس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ جملہ افعال اعمال کا پہلے سے مقدر ہونا حق ہے اور اس تقدیر کے تحت انسان کو وہی کچھ کرنا ہے جو لکھا جا چکا۔ اب اس امر واقعہ کے تحت اعمال کی ذمہ داری علم باری کے سر جائے یا اور کوئی الجھن پیدا ہو اس کی وجہ سے احادیث اور آیات رد نہیں کی جائیں گی۔ تاویل کس کس حدیث کی کیجئے گا اور کیسے کیجئے گا جب کہ الفاظ صریح اور مدلول قطعی ہے۔

یہ بالکل بجا ہے کہ اس عقیدے پر بھی عقل کئی اعتراض کرتی ہے۔ نہ صرف آپ خلش میں مبتلا ہیں، بلکہ ہم بھی عقلی حیثیت سے غیر مطمئن ہی ہیں۔ ہم اور آپ کس شمار میں ہیں بڑے بڑے عقلاء و متکلمین نے علم باری اور جبر و قدر کی باہمی نسبتوں اور نزاکتوں پر جی کھول کر گفتگو کی مگر دو اور دو چار کی طرح دو ٹوک فیصلہ نہیں لا سکے۔ لاتے کہاں سے۔ اس بحث کا کوئی پایاں کوئی تھا نہیں عقل و منطق جہاں تک بھی جائینگی کیوں اور کیسے کے متعدد مراحل آگے ہی آگے دھند میں لپٹے نظر آئیں گے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ علم الٰہی کی وسعتوں کو ناپ سکے یا ٹھیک ٹھیک وزن کر کے بتا سکے کہ انسان کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور ہر توجیہ اور ہر جانب پر عقل کی چون و چرا ابر بار نعرۂ جنگ بلند کرتی رہتی ہے اور ہر مرحلے پر نظر آتا ہے کہ ابھی منزل کافی دور ہے۔

جب یہ حال ہو تو کیوں نہ آدمی وہی عقیدے رکھے جو آیات و احادیث سے ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ عقل مطمئن نہیں ہوتی نہ ہو۔ وہ اس کے برعکس پر بھی تو مطمئن نہیں ہوتی۔ آیت کے حوالے سے آپ نے راسخین فی العلم کے حق تاویل کا جو حوالہ دیا ہے اس کے بارے میں بھی اطمینان رکھئے کہ امت کے اکثر مستند راسخین فی العلم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کو ہر انسان کے جملہ افعال و اعمال کا پہلے ہی سے علم ہے اور لوح محفوظ میں تمام دوزخیوں اور جنتیوں کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ اس عقیدہ پر جو اعتراض و اشتباہ آپ کو ہے وہ انھیں بھی پیش آیا تھا (جیسا کہ اس موضوع کی پرانی بحثوں میں دیکھا جا سکتا ہے) لیکن علم و خرد کی وادیوں میں خوب خوب سرگردانی کے بعد انھیں یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ اسی پر صبر و قناعت میں خیریت ہے اور کسی رُخ سے سوچنے میں اعتراضات و اشتباہات کا اس سے بھی بڑا جنگل سامنے آتا ہے۔

ہمیں رنج ہے کہ اتنے اوراق سیاہ کرنے کے بعد بھی ہم آپ کی خلش دور نہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے دنیا میں کوئی نہیں ہے نہ پہلے ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا جو ان دقیق مسائل کو آئینہ کی طرح صاف کر کے دکھا دے جو غیبی اسرار و رموز کے رُخ سے پردہ اُلٹ دے۔ عقیدۂ مجمل ہی واحد راہِ نجات ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال: — از مولانا ضیاء النبی عباسی فاضل دیوبند۔ مدراس

جماعت اسلامی اور عامر عثمانی

کرم فرمائے بندہ مولانا عامر عثمانی زاد لطفہٗ

پس از سلام مسنون۔ کل ہند اجتماع دہلی کے موقع پر خیال تھا کہ آپ سے کچھ بالمشافہ گفتگو کر سکونگا لیکن بجز چند منٹوں کی سرسری ملاقات کے اور کوئی بات نہ ہو سکی۔ جہاں تک کاغذی گفتگو کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں کہ پورے شرح صدر کے ساتھ ممکن نہیں اور نہ مجھ کو وہ سلیقہ ہی ہے کہ اپنے پورے مافی الضمیر کو سمیٹ کر آپ کے سامنے رکھ سکوں، تاہم جیسے بھی بن پڑے گا کچھ نہ کچھ ضرور آپ کے سامنے پیش کر سکونگا

یہ بات تو بالکل بداہت کے درجہ کو پہنچی ہوئی

ہے کہ جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کا مقصد آپ ہی کے گوشۂ دل کی آواز ہے جس کا اظہار آپ خود بھی بارہا اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ میں خود ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے دل و دماغ کی ساری صلاحیتیں اسی نیک مقصد کی راہ میں صرف ہو رہی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات آپ اس دینی دعوت حق کی حمایت میں اپنے محترم اساتذۂ کرام کی ناراضگی اور ان کی دل شکنی تک کا خیال نہیں کرتے اور ان پر کڑی سے کڑی تنقید کر جاتے ہیں جس سے ان بزرگوں کے جذبات تک مجروح ہو جاتے ہیں اور ضمناً دار العلوم کی پوزیشن بھی زد میں آجاتی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ دار العلوم سے آپ کا تعلق ایک عام فاضل دیوبند جیسا ہے بلکہ جہاں تک میرا علم ہے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کے بزرگوں نے ہی اس شجرِ طیبہ کو اپنے خونِ جگر سے سینچ سینچ کر سرسبز و شاداب کیا تھا اور اس سدا بہار چمن کو ہرا بھرا رکھنے کے لئے اپنے آخری سانس تک ساعی و کوشاں رہے۔

آپ کے تائے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور آپ کے چچا حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب سے کون ناواقف ہے؟ انھی بزرگوں کے اخلاص و تقویٰ نے دار العلوم کو دار العلوم بنایا اور اس دور میں جو بھی اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر نکلا وہ آسمانِ علم و ہدایت کا ایک روشن اور چمکتا ہوا ستارہ نکلا زہد و تقویٰ، اخلاص و للّٰہیت کا مجسمہ ہو کر نکلا۔ ایمان و احسان کی کسوٹی پر یہ کسا ہوا اصلی سونا ہر طرف ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور دنیا نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

آپ کا تعلق دار العلوم سے اس نقطۂ نظر سے جتنا گہرا ہو سکتا ہے ہم جیسوں کو کہاں نصیب! لیکن اس کے باوجود دار العلوم کی طرف سے جہاں کہیں کوئی کتابچہ یا جماعت اسلامی کی دعوت کے خلاف کوئی فتویٰ وغیرہ نکلا تو آپ نے پورے طور پر اس کا رد تجلی کے ذریعہ شائع کر دیا جس کے لئے تجلی کے گذشتہ فائل خود گواہ ہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا ہوں اور بھی میرے جیسے نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جو یہ سمجھنا چاہتے ہوں گے کہ آخر آپ نظمِ جماعت سے علیحدہ کیوں ہیں اور انفرادی حیثیت سے وہی جماعتی کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات آپ کا تنہا کام پوری جماعت کی کوششوں سے مضاعف نظر آتا ہے مثلاً گذشتہ دنوں حضرات علماء کی یلغار اپنی پوری قوت و شدت سے جاری تھی جوابات دیئے جا رہے تھے، لیکن پھر بھی فتاوے پر فتاوے نکلتے ہی آرہے تھے، اسی دوران میں آپ کا خاص نمبر شائع ہوا بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تجلی کے خاص نمبر نے وہی کام کیا جو عصائے موسیٰ نے ساحرانِ مصر کے ساتھ کیا۔ بات تو ذرا سخت ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد سے تو پھر حضرات علماء نے کھل کر کوئی بات نہ کی اور نہ آئندہ ان شاء اللہ بے بنیاد الزامات کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ جیسے صاحبِ بصیرت عالمِ دین سے یہ بات کسی طرح پوشیدہ

مخزنِ حکمت (باتصویر)

تقریباً سترہ سو صفحات کی یہ ضخیم کتاب مدت سے مشہور و مقبول رہی ہے۔ بیماریوں کی تشخیص کے لئے علامات و آثار۔ ہر بیماری کا علاج۔ غذا۔ پرہیز۔ طبی اور ڈاکٹری دونوں ہی اصول و طریق ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ زبان بہت سہل اور عام فہم۔

قیمت مجلد چھتیس ۳۶ روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

نہیں ہے کہ انفرادی زندگی کی اسلام میں کیا پوزیشن ہے؟ اور مسلمان ہونے کے بعد ایک مسلمان کے لئے اجتماعی زندگی گذارنا کس قدر ضروری ہو جاتا ہے۔ خدانخواستہ اس تحریر سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بس جماعت اسلامی کا دائرہ ہی اہل حق کا دائرہ ہے اس کے باہر حق نہیں ہے۔ اس بات کو اکابر جماعت بارہا اپنی تقریروں اور تحریروں میں واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے اس میں تو لازماً حق کا انحصار اس کے ہی دائرہ میں ہوتا ہے اور اس کے باہر کفر ہی کفر ہے، لیکن غیر نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے ہو سکتا ہے کہ بیک وقت اہل حق کی کئی جماعتیں ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر موجودہ جماعت اسلامی ہند آپ کے نزدیک خواہ کسی وجہ سے بھی اس لائق نہیں ہے کہ آپ اس کے ساتھ مل کر کام کریں، یا اس کے موجودہ دستور کی نوعیت صحیح نہیں ہے تو پھر آپ کسی اور جماعت سے تعاون و اشتراک کے ساتھ کام کر سکتے ہیں یا پھر اگر آپ کے معیار کے مطابق کوئی جماعت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو پھر ایک نئی جماعت کی تشکیل کیوں نہیں کرتے اور اس کے قیام سے کیا چیز مانع ہے۔ آپ جیسے علماء کا اس طرح انفرادی طور پر دینی خدمت کرنا سخت تعجب انگیز بات ہے۔ براہ کرم آپ اس الجھن کو دور فرمائیے۔

جواب:-

مجھ ناچیز کا ذکر آپ نے جس توصیفی انداز میں کیا اور میری حقیر خدمات کو جس فراخ دلی سے سراہا ہے وہ آپ کی فیاضی و ذرہ نوازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ من آنم کہ من دانم۔ اللہ جل شانہ جب چاہتا ہے تو بھنگے بھی بہت کچھ کر گذرتے ہیں ـــــ مگر پھر بھی وہ شیر نہیں بن جاتے بھنگے ہی رہتے ہیں۔ میں اپنے اساتذۂ اکابر کے مقابلہ میں جتنا کمتر اور بے حیثیت پہلے تھا اتنا ہی آج بھی ہوں۔ تجلی کے مقابلہ میں ہاردو اصل علمائے کرام اور شیوخ دیوبند کو نہیں ہوئی، بلکہ اس شیطان کو ہوئی ہے جو ان کے اندر گھس کر رنگ برنگی بولیاں بول رہا تھا اس شیطان کا مقابلہ اللہ کی دی ہوئی خصوصی توفیق اور طاقت ہی سے ممکن تھا۔ اس نے دی۔ تنکا طوفان کے آگے ڈٹ گیا۔

بہر حال میں جناب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ شرکت جماعت میں متعدد موانع اور مصالح میرے سامنے تھے اور ہیں۔

نمبر ایک یہ کہ جو دفاع میں نے جماعت کی طرف سے کیا ہے اس کا یہ وزن اور یہ اثر کبھی محسوس نہ کیا جاتا۔ اگر پڑھنے والوں کو معلوم ہوتا کہ میں جماعت کا رکن ہوں۔ قدرتی بات ہے کہ کسی نزاع میں اس شخص کا محاکمہ زیادہ توجہ اور حسن ظن کا مستحق ہوتا ہے جو غیر جانبدار ہو۔ فریقین میں سے کسی کا ساتھی نہ ہو۔ اگر میں شامل جماعت ہوتا تو بحث و نزاع میں میری حیثیت فریق ہی کی ہوتی۔ خود ایک فریق اپنی صفائی میں کیسے بھی دلکش دلائل پیش کرے، لیکن قاری و سامع کا ذہن انھیں اس انداز میں قبول نہیں کرتا جس انداز میں کسی تیسرے شخص کے دلائل قبول کرتا ہے۔ گویا جماعت سے الگ رہتے ہوئے میرے دفاع کو ایک اندر نفسیاتی وزن حاصل تھا اور اس وزن نے جتنا نمایاں کام کر دکھایا وہ آپ کے سامنے ہے۔

نمبر دو یہ کہ جماعت اسلامی پر کئے جانے والے لغو و لاطائل اعتراضات کا استیصال میں نے چاہے کتنی ہی گرم جوشی و استقامت سے کیا ہو، لیکن یہ حقیقت مجھ پر پوشیدہ نہ تھی کہ جماعت ابھی تک جن مراحل میں ہے ان مراحل میں میرا اس میں شریک ہونا خود جماعت کے لئے بھی اور میرے لئے بھی اتنا مفید نہیں ہو سکتا جتنا باہر رہتے ہوئے ہو سکتا ہے۔ دین و ملت کی جو چھوٹی موٹی خدمت میں آزادی کامل کے ساتھ تجلی میں کر رہا ہوں وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میری گردن میں کسی خاص

جماعت کا قلادہ نہ پڑے۔ قلادہ پڑ گیا تو نہ یہ خدمت کسی قابلِ لحاظ درجہ میں ادا ہو سکے گی نہ جماعت ہی کو کوئی خاص فائدہ پہنچ سکے گا۔

نمبر تین: یہ کہ جماعت میں شریک ہونے کے بعد اطاعت ایک فریضۂ شرعی بن جاتی ہے۔ اسے میرے حالات کی خامی کہئے یا میرے مزاج کا نقص مجھے کچھ ایسا اندازہ تھا اور ہے کہ فریضۂ اطاعت سے عہدہ برآ ہونا میرے بس کا نہیں۔ اگر معاملہ خندق کھودنے اور لوٹھے اٹھانے کا ہو تو اطاعت بہت آسان ہے، لیکن ذہنی و فکری انقیاد کا مسئلہ کافی ٹیڑھا ہوتا ہے۔ میں اپنے خیالات کو صاف صاف پیش کرنے میں بہت منھ پھٹ ہوں اور جماعت کا سنجیدہ مزاج ایسی بے قید بے باکی سے بمشکل ہی نباہ کر سکتا ہے۔

یہ تین باتیں مصالح کے انداز کی ہوئیں۔ اب مانع بھی سن لیجئے۔ لوگ تحریروں اور سرسری ملاقاتوں سے میرے بارے میں اونچے تصورات قائم کر لیتے ہیں یہ دراصل ایک طرح کا مغالطہ ہے۔ اگر مغالطہ نہ ہوتا بلکہ یہ تصورات جوں کے توں درست ہوتے تب تو بے شک کہا جا سکتا کہ جماعت اسلامی جیسی مثالی جماعت کا رکن بننے کی اہلیت مجھ میں ہے لیکن میں اقراری مجرم کی حیثیت میں بالتصنع اعتراف کرتا ہوں کہ کردار و عمل کے پہلو سے واقعۃً یہ اہلیت مجھ میں نہیں ہے۔ میں ایک دنیادار آدمی ہوں جسے زہد و تقویٰ کی ہوا بھی نہیں لگی۔ مجھ میں وہ حسنِ عمل، وہ ذوقِ عبودیت، وہ رکھ رکھاؤ، وہ رنگ و بو مفقود ہے جو جماعت اسلامی جیسی معیاری جماعت کے رکن میں ضرور ہونا چاہئے۔ میں جماعت سے الگ ہوں تو میرے عیوب میرے عیوب ہیں۔ جماعت کے دامن پر ان کے چھینٹے نہیں جاتے، لیکن شامل ہو جاؤں تو میری ہر خامی ہر عیب ہر بے توفیقی کا ادبار جماعت کے سر جائے گا اور میرے دامن کے دھبے امین جماعت کے دھبے کہلائیں گے۔

یہ بے کم و کاست حقیقت تھی۔ ویسے جماعت کے اس نظریاتی موقف سے مجھے تھوڑا سا اختلاف بھی ہے جو اس نے غیر دینی حکومتوں سے اشتراکِ عمل اور ان کی ملازمت وغیرہ کے بارے میں اپنا رکھا ہے میری رائے میں — بشرطیکہ میری رائے رائے کہلانے کی مستحق ہو — یہ تخیل قدرت پر مبنی ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کے سوا تمام قسم کی حکومتیں طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں اور ان کی ملازمت طاغوت کی چاکری کہلانے کی مستحق ہے۔ میرے چھوٹے سے دماغ میں یہ بات آج تک نہیں سما سکی ہے کہ بھارت جیسے ملک میں خدا پرستی کی کاغذی دعوت اور غلبۂ اسلام کی کتابی تحریک کس طرح اس قلعۂ کفر و طغیان کے چند ستون بھی گرا سکتی ہے جس کی سنگین دیواریں لفظ و بیان اور دلیل و برہان کی زبان سننا نہیں جانتیں۔ کفر و فسق سے نفرت بجا۔ اسلام کی حقانیت مسلّم۔ غلبۂ اسلام کی امنگ مبارک۔ خلافتِ راشدہ قائم کرنے کا ارادہ مرحبا لیکن اسبابِ وسائل کے بغیر ساتویں آسمان پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ سیاست میں حصہ لینے اور لادینی نظام سے مقاطعہ کرنے کے بنیادی فکر کو جب تک کسی مثبت اور قابلِ عمل نظریہ میں تبدیل نہیں کیا جائے گا اقتدار کا چھوٹا سا تخت بھی اسلام کے زیر پا آنا محال ہے چہ جائیکہ خلافت و حکومت۔ یہ بجا ہے کہ جتنا اونچا آئیڈیل ہو اتنا ہی زیادہ صبر و انتظار ناگزیر ہے اور جلد بازی نادانی کی علامت ہے۔ لیکن صبر و انتظار کے لئے بھی ٹھوس بنیادیں چاہئیں۔ کوئی شخص گز گز بھر کی سیڑھیاں رسیوں سے جوڑ رہا ہو تو توقع کی جا سکتی ہے کہ کبھی نہ کبھی ہزارویں منزل تک پہنچ ہی جائے گا، لیکن جو شخص سیڑھی پر قدم رکھنے ہی کو گناہ قرار دے اس کے بارے میں کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ صرف وعظ و استدلال کے پروں سے اڑنے لگے گا۔ جماعت اسلامی کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ سدھے ہوئے ذہنوں، تربیت پائے

ہوئے مزاجوں اور جاگتے ہوئے دلوں کی ایک مضبوط تنظیم کے بغیر آج کی ناپاک سیاست کے میدان میں کود پڑنا منفعت سے زیادہ خسارے کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے لیکن یہ بات بہرحال اسے صاف کر دینی چاہئے کہ لادینی سیاست سے بالکلیہ محترز رہنے کو وہ ایک اصول کی حیثیت سے اختیار نہیں کئے ہوئے ہے، بلکہ موجودہ دورِ انقطاع ایک عبوری دور ہے جس میں وہ اپنے نوک پلک درست کر رہی ہے۔ جب خاطر خواہ تیاری ہو جائے تو ضرور وہ سیاسی لائنوں پر بھی قدم زن ہوگی۔ اگر ابھی سے وہ اس نقطۂ نظر کو واضح نہیں کر دے گی تو غالب گمان ہے کہ جب سیاست کے ایوان میں قدم رکھنے کا وقت آئے گا تو یہاں بھی کئی مولانا اصلاحی اور حکیم اشرف ظہور میں آجائیں گے جو نئے سرے سے طریق انبیاء کی باریکیاں سمجھانے اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اُس وقت تک کے کئے دھرے کو لہو و لعب باور کرانے کی کوشش کریں گے۔

ابھی نومبر میں جماعت نے اپنے دستور میں کچھ ترمیمیں بھی کی ہیں لیکن ان سے عاجز کا وہ گوشۂ ذہن روشن نہ ہو سکا جو تاریک پڑا ہے۔ عقائد اور نصب العین پر کوئی کلام نہیں۔ دونوں ہی مارِ کوثر میں ڈھلے ہوئے ہیں لیکن "طریق کار" کے ذیل میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اصولی و نظری اعتبار سے صحیح تر اور محمود ترین ہونے کے باوجود اس حد تک مجمل ہے کہ عمل کی کوئی تکنیک سامنے نہیں لاتا۔ اصول و عقائد غیر مرئی چیزیں ہیں۔ ان کی نمود کے لئے اعمال و اعمال کے قالب چاہئیں۔ اقامتِ دین اُن وسیع معنوں میں جن کی تصریح "نصب العین" کے ذیل میں کی گئی ہے عمل و حرکت کا ایک واضح منصوبہ چاہتی ہے۔ یہ کہنا کہ جماعت تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی ایک مژدہ جانفزا ضرور ہے مگر حصولِ مقصد کے لئے کوئی عقلی تصور اور منطقی شعور دینے سے معذور ہے اور ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لئے برائے عامہ کی تربیت کو صرف تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار تک محدود رکھنے کا مطلب یہ محسوس ہوتا ہے کہ جماعت کے نزدیک زبان و قلم کے وعظ ہی رائے عامہ کو مطلوب حد تک متاثر کرنے کا کافی ذریعہ ہیں اور سیاسی اثر و تمکین شیطان کی پوری عملداری کے باوجود وہ خالی اشاعتِ افکار سے عوام کی ذہنیت کو اس حد تک صالحیت کے رنگ میں رنگ لے گی کہ منزلِ مقصود — الٰہی نظام — کی طرف مارچ کرنا ممکن ہو جائے گا۔

نیز یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ بعض اور اہلِ علم و دانش کی طرح اس امر کی قائل ہے کہ پہلے معاشرے کی تطہیر کر لو الٰہی نظام آپ سے آپ قائم ہو جائے گا — یا کم سے کم الٰہی نظام کا قیام سہل تر ہو جائے گا۔ گویا وہ سیاسی اثر و اقتدار کو ایک عظیم تر وسیلۂ تطہیر و تربیت ماننے کے عوض ایک ایسا آئیٹم خیال کرتی ہے جسے رائے عامہ کی تربیت اور عوامی ذہن کی تطہیر کے ہفت خواں طے کرنے کے بعد منہ لگانا چاہئے۔

لیکن مجھ بے بضاعت کی کوتاہ عقلی اس ترتیب کو کماحقہٗ مفید مطلب نہیں سمجھتی۔ سیاسی اثر و اقتدار سے بڑھ کر اُن زہریلی ہواؤں کا زور گھٹانے کا کوئی ذریعہ نہیں جن کے روز افزوں تھپیڑوں میں خدا پرستی کی کاغذی تبلیغ و تلقین مطلوبہ اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ دنیا کردار و عمل کا اثر لیتی ہے اُس دفتر میں جہاں رشوت، کام چوری، فرائض سے غفلت اور دروغ و دغا عام ہو آپ چند ایسے افراد کو پہنچا دیجئے جو اُن معائب سے پاک رہتے ہوئے کردارِ صحیحہ کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اس کا فائدہ و اثر اتنا ہوگا جتنا ہزار مواعظ اور ہزار اپدیشوں کا بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایک سرسری اور چھوٹی سی مثال ہے جسے پھیلا کر آپ اقتدار و سیاست کے تمام کلیدی اداروں تک لے جا سکتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہ اشارے تشریح کے طالب ہیں لیکن فی الوقت زیادہ کہنا میرے لئے مشکل ہے۔ کبھی

ضرورت ہوئی تو ایک مستقل مضمون ہی کی صورت میں یہ موضوع زیر بحث آسکے گا۔

تاہم یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ عاجز کے عدم شمولیت میں اس طرح کے ٹھنڈے اختلافات کو بھی دخل ہے۔ نہیں یہ تو محض ایک دوستانہ اظہار خیال ہے ورنہ نہ شامل ہونے کے وجوہ تو حقیقت میں وہی ہیں جنکا اُوپر ذکر ہوا۔

اب شاید کسی اور جماعت میں شریک ہونے یا نئی جماعت بنانے کے سوال کا جواب ضروری نہیں رہا۔ ہاں دار العلوم کے سلسلہ میں عاجز کے بزرگ اقربا کا تذکرہ آپ نے جس انداز میں کیا ہے اس پر چند الفاظ کہنے کو بے اختیار طبیعت چاہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دار العلوم کی تاریخ اب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ وہ ہے جسے "سوانح قاسمی" میں باور کرایا گیا ہے۔ تاریخ نویسی کا فن پرانا ہوا اب تاریخ سازی کا دور ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ کی رحمتیں ہوں کچھ تو کرشمے ان کی بیدار خیال نے دکھلائے کچھ حکمت اُن بزرگوں نے دکھلائی جن کے نزدیک دار العلوم کے قیام و ترقی کا کریڈٹ ایک خاص خاندان کو دینا دین و ملت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ ابھی جولائی ۱۹۶۰ء میں خاکسار کراچی تھا۔ یہاں سید محی الدین صاحب سے جو کبھی دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے جنکی نیک نفسی اور زہد و تقویٰ پر ان کے واقف کاروں میں کوئی اختلاف نہیں اور جن کے گہرے تعلقات مولانا مناظر احسن گیلانی سے بھی تھے ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک موقع پر انھوں نے واقعہ سنایا کہ جب "سوانح قاسمی" چھپنے کی تیاریاں تھیں تو ہمیں اس کو پڑھنے کا بے حد اشتیاق لگا ہوا تھا۔ چھپ کر آگئی تو ذوق شوق سے پڑھا لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جن تاریخی اُمور کا ہمیں علم تھا ان کا تو اس میں دُور دُور پتا نہیں، مگر ایک نئی تاریخ ضرور موجود ہے۔ اضطراب ضبط نہ ہوا تو سفر کر کے گیلانی صاحبؒ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا لکھدیا۔ گیلانی صاحبؒ کے چہرے پر کرب کی علامات ظاہر ہوئیں اور تأسف کے ساتھ فرمانے لگے۔ کیا بتاؤں بھائی کمال ہوگیا۔ جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا۔ ہم نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہوا؟ انھوں نے فرمایا میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیئے گئے ہیں!

اس حقیقت کو اور بھی متعدد حضرات جانتے ہیں۔ — اور وہ ابھی زندہ ہیں کہ دار العلوم کی طرف سے چھاپی ہوئی دار العلوم کی مستند تاریخ "سوانح قاسمی" کس تکلفی کے ساتھ اصل مسودے میں تغیرات کر کے چھاپی گئی ہے، اور یہ تغیرات معمولی نہیں بلکہ وسیع تر اور بنیادی ہیں۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دار العلوم کی تاسیس و ترقی کے سلسلہ میں عثمانی خاندان کا نام کبھی نہ لیجئے گا۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی تعزیر میں آپ کی سند بھی ضبط ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سعد بن عبادہؓ (جواب ۱۵ سے متعلق کچھ اور تصریح)

سوال ۱۵ کے مکتوب نگار جناب شبنم صاحب نے جنوری کا میثاق دیکھ کر اپنا مکتوب ارسال فرمایا تھا اور جبھی ہم نے جواب سپرد قلم کر دیا تھا۔ سوال و جواب کی کتابت کے بعد فروری ۱۹۶۱ء کا میثاق اشاعت پذیر ہوا، اس میں حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارے میں عمری صاحب کے رشحات کا تھوڑا سا جُز اور آیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں،

"بعض روایات سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو چکے تھے۔ انھوں نے مہاجرین کے استحقاقِ خلافت کو تسلیم بھی کر لیا تھا"

اس کے لئے انھوں نے طبری کا حوالہ دیا ہے اس کا یہ ہوا کہ طبری کی اُس روایت پر ان کی نظر نہیں پڑی جس کو ہم نے نقل کیا ہے اور جس میں حضرت سعد کے صرف اطمینان

ہی کا نہیں، بیعت کرنے کا بھی ذکر موجود ہے۔

اگر ایسا تھا جب بھی یہ بات بہرحال قابل لحاظ تھی کہ مطمئن ہو جانے کا لازمی نتیجہ بیعت ہی ہونا چاہئے تھا اطمینان کے کیا معنی اگر بیعت سے گریز رہا۔

مسند احمد کی روایت کو موصوف نے حاشیے میں مرسل قرار دیا ہے لیکن کوئی واضح ریمارک نہیں کیا۔ عاجز کہتا ہے کہ مرسل کا ناقابل قبول ہونا تسلیم شدہ نہیں ہے۔ علماء کے مابین مراسیل کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ حافظ سیوطیؒ کی توضیح کے مطابق اس میں دس قول ملتے ہیں جس میں ایک یہ بھی ہے کہ یحتج بہ مطلقاً (اس سے حجت پکڑی جائے گی) جمہور محدثین، بہت سارے فقہا اور اکثر اصحاب اصول و نظر اگرچہ مراسیل سے احتجاج کو درست نہیں سمجھتے لیکن بعض صورتوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور بعض ائمہؒ حدیث احتجاج کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ امام نوویؒ، امام ابوداؤدؒ، ابن عبدالبرؒ، امام غزالیؒ اور ابن جریرؒ وغیرہ کی تصریحات تو احتجاج ہی کو راجح و اولیٰ باور کراتی ہیں۔

فیصلہ کوئی کچھ کرے۔ عقائد، فقہی احکام اور عبادات کے ابواب میں تو مراسیل سے صرف نظر کر لینا قرین حکمت ہو سکتا ہے لیکن ایسے تاریخی واقعات میں جن کا تعلق کسی جلیل القدر صحابی کے مجرم ہونے نہ ہونے سے ہو ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرسل روایت کو مردود و متروک قرار دیدیا جائے جب کہ اس سے صحابیت کی آبرو کا بقاؤ اثبات ممکن ہو۔ عمری صاحب نے اگرچہ یہ نہیں لکھا کہ مسند احمد کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لیکن اس کے ارسال کا اظہار و اثبات واحد معنی یہی رکھتا ہے کہ وہ اسے ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ ہم اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ صحابی کی فرد عمل سے ایک گناہ کم ہوتا ہو تو ہم مرسل کو سر آنکھوں پر جگہ دینگے

ابن تیمیہؒ کی بھی ایک عبارت منہاج السنۃ سے انھوں نے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ بھی بیعت نہ کرنے ہی کے قائل ہیں، کوئی حرج نہیں۔ ابن تیمیہؒ بہت بڑے محقق تھے ان کی تحقیق یہی ہوگی۔ لیکن ان دلائل کی موجودگی میں جنھیں ہم نے جواب ۱۵ میں ذکر کیا ضروری تو نہیں کہ ہم بھی ان کی تحقیق کے پابند ہو جائیں صحابی کا درجہ بہت اونچا ہے اس کے لحاظ میں اگر ابن تیمیہؒ سے بھی معافی چاہنی پڑے تو ہمیں شرمندگی نہیں ہوگی۔

عمری صاحب نے مزید گفتگو کئے بغیر سعد بن عبادہ کی بات ختم کر دی ہے۔ تعجب ہے حضرت سعد کے بیعت نہ کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد انھوں نے ایسی کوئی تصریح پیش نہیں کی جس سے اسلام کے شورائی نظام میں اس گریز و فرار کا مقام متعین ہو جاتا۔

وہ خلافت علیؓ سے بھی سرسری ہی گذرے ہیں اور چند مفید مطلب اجزاء پر اکتفا کر کے آگے بڑھ گئے ہیں۔ یہ طریقہ محققانہ کم اور معتقدانہ زیادہ ہے۔ خیر ہم ان سے گذارش کریں گے کہ اپنے مضمون کی کسی اگلی قسط میں یہ نکتہ بھی حل فرمادیں کہ اسلام کے اس شورائی نظام میں جسکی وہ تصدیق و تثبیت فرما رہے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس انقلاب انگیز اور اہم ترین اقدام کا کیا مقام تھا جو انھوں نے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اختیار فرمایا تھا، یعنی تمام عثمانی گورنروں خصوصاً حضرت معاویہؓ کو یک بینی و دو گوش معزول کر دینا۔

ہم اگلی قسط کا پُر شوق انتظار کریں گے۔

آیات بینات تالیف:- نواب محسن الملک محمد مہدی علی خاں صاحب۔

اہل تشیع کے بطلان عقائد میں وہ معرکۃ الآراء اور مشہور کتاب جس کا صحیح جواب آج تک شیعہ حضرات نہ دے سکے جس میں خود شیعہ مذہب کی کتب اور ان کے علماء کے حوالوں سے صحابہؓ کے فضائل اور خلافت راشدہ کو ثابت کیا گیا ہے اور شیعہ مذہب کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔ مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

از ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مدھوپور (بہار)

اہل بیت کون ہیں؟

قرآن کریم کے بعض دیگر الفاظ کی طرح لفظ "اہل بیت" کے مفہوم کو بھی ایسے غیر قرآنی سانچے میں ڈھال لیا گیا ہے کہ اسکی اصل حقیقت یکسر مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ بلا استثناء صراحتہً عورت اور صرف عورت کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ پورے قرآن سے کسی ایک مقام کی بھی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جہاں یہ لفظ سوائے عورت کے مرد کے لئے بھی بولا گیا ہو۔ مرد تو خیر دور کی بات ہے ایسی بھی کوئی ایک آیت بطور مثال کے پیش نہیں کی جا سکتی کہ گھر کے مالک کی اہلیہ کے سوا اس گھر کی کسی دوسری عورت مثلاً بیٹی، بہو، پوتی اور نواسی وغیرہم پر لفظ "اہل بیت" کا اطلاق ہوا ہو۔ آپ سورۂ ہود اٹھا کر دیکھئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو فرشتے "اہل بیت" کہہ کر خطاب کرتے ہیں اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ پھر سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ کی بہن فرعونیوں کے نزدیک اپنی ماں کی نشاندہی کرتی ہے تو "اہل بیت" کہہ کر ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَہٗ لَکُمْ وَھُمْ لَہٗ نٰصِحُوْنَ۔ اور حضرت یوسفؑ کے قصے میں بھی لفظ "بیت" کو عزیز مصر کی بیوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے نہ کہ غیر کی طرف وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا حتیٰ کہ مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل گئی مگر عورت پوری ہونے سے پہلے قرآن میں "بیوت" کی نسبت اسی کی طرف کی گئی ہے۔ وَلَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ (الطلاق) غرضیکہ قرآن میں جہاں بھی لفظ "اہل بیت" آیا ہے اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ اس سے بیویوں کے سوا خاندان کا کوئی دوسرا فرد ہرگز مراد نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو اہل بیت کہا گیا تو اس میں آپ کی بہن کلثوم یا بھائی ہارونؑ یا گھر کا کوئی دوسرا فرد شامل نہیں۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحٰقؑ کو آل ابراہیمؑ تو برملا کہا جاتا ہے لیکن انہیں اہل بیت ابراہیم کہکر نہیں پکارا جاتا۔ لیکن حیرت ہے کہ سورۂ احزاب میں جہاں لفظ "اہل بیت" آیا ہے۔ باوجودیکہ تمام تر خطابات صراحتہً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے ہوئے ہیں نیز ان آیتوں میں دو دو مرتبہ "بیت" کی نسبت انھیں بیویوں کی طرف کی گئی ہے تاہم وہاں اس ٹھوس لفظ کے مفہوم کو تو بلا کسی ظاہر اور معقول سبب کے کھینچ تان کر اس قدر پھیلا دیا گیا ہے کہ اس میں آپؐ کی بیٹی اور داماد بلکہ نواسے تک سمو لئے گئے ہیں! یہی نہیں بلکہ لفظ "اہل بیت" کو حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ کے لئے حصر کے ساتھ اس کثرت سے استعمال کرنے کی مہم چلائی گئی کہ یہ لفظ انھیں چاروں حضرات کے لئے گویا پیٹنٹ (Patent) ہو کر رہ گیا۔ رہیں آپؐ کی ازواج تو ان کے لئے یہ لقب تفسیری حاشیوں پر تو خیر جوں توں برائے نام باقی رہ گیا ہے لیکن عام مسلمانوں کی زبان پر سے مٹ چکا ہے

بلکہ رفتہ رفتہ حاشیۂ خیال سے بھی (شعوری یا غیر شعوری طور پر) محو ہونے لگا ہے! انا للہ..... کیونکر نہ ہو جبکہ پنجوقتہ نمازوں کے بعد ہماری دعاؤں تک میں لفظ "ازواج" کو "اہل بیت" سے بلا جھجک علیحدہ کر کے پڑھنے کا رواج عام ہو گیا ہے! ؎

اگر آپ ذرا ٹھنڈے دل سے اس دور کا تجزیہ کریں کہ آخر اس مستعمل لفظ میں دیدہ و دانستہ اس قدر معنوی تصرف کرنے کی زحمت کیوں گوارہ کی گئی تو آپ بادنیٰ تامل اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ چونکہ قرآن میں یہ لفظ آیۃ تطہیر کے ضمن میں آیا ہے اور آیۃ تطہیر کو محض خوش فہمی کی بنا پر اللہ کی طرف سے کوئی خصوصی انعام یا اعزازی تمغہ سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اپنے ازواج النبیؐ کے ساتھ مختص کرنے کی بجائے آپ کے خاندان کے چند ایسے مخصوص افراد پر بھی پیچھے سے چسپاں کر دیا گیا جنھیں اس اعزاز و اکرام کے لئے سب سے زیادہ اہل۔ اصلح اور حقدار سمجھا گیا! ؎

آیۃ تطہیر کی کنہ و حقیقت، اس کے نزول کی غرض و غایت اور اس کی مصلحت و حکمت تو ذرا آگے چل کر وضاحت کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ دیکھئے کہ اس آیت کو غیر ازواج پر منطبق کرنے کے لئے کیسی کیسی عجیب و غریب روایتیں پیش کی گئی ہیں۔ جو بجائے خود ایک صاحب فضل کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپؐ نے حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ کو ایک کالی کملی میں لپٹایا کہ جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے اور فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی پھر دعا کی کہ یا اللہ ان کی ناپاکی دور کر دے اور انھیں پاک کر دے۔ اور پھر مذکورہ بالا روایت کو تقویت پہنچانے کے لئے ایک دوسری عجیب تر روایت پیش کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ "حضورؐ فجر کی نماز کو مسجد میں جاتے ہوئے فاطمہؓ کے گھر پر کھڑے ہو کر پکارتے "یا اھل البیت الصلوٰۃ والصلوٰۃ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا" وغیرذلک۔ پہلی روایت کے متعلق سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ عام مومن مردوں اور عورتوں کو تو طیبین و طیبات کہتا ہے لیکن اس کا رسول خود اپنی اولاد کی ناپاکی دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کرے۔ یا للعجب! اگر عام مومنین و مومنات اللہ کے نزدیک پاک و طیب ہیں تو آل نبی یقیناً پاک ہوں گے لہٰذا ان کی ناپاکی دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نجاست خباثت کفار و مشرکین کا خاصہ ہے اور پاکی و طہارت مومنین کا طرۂ امتیاز! یہ دو متضاد صفات ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں بعینہٖ اسی طرح مؤخر الذکر روایت کے متعلق بھی اولاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول آیۃ تطہیر کے وقت آپ کی حرم میں نو بیویاں موجود تھیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ایک رات میں کسی ایک ہی بیوی کے گھر میں آرام فرماتے تھے۔ کیا یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے فجر کی نماز کے لئے بقیہ آٹھوں بیویوں کے دروازوں پر بھی کبھی کھڑے ہو کر "الصلوٰۃ یا اہل البیت الصلوٰۃ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطھرکم تطھیرا" پکارا ہو؟ اگر نہیں تو پھر حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس انوکھے انداز میں پکارنے کے کیا معنی؟ دوئم یہ واقعہ ہے کہ آپ فجر کی نماز کے لئے حجرۂ شریف سے اس وقت نکلتے جبکہ مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم پکار چکا ہوتا۔ بلکہ نمازی اقامت کی تیاریوں میں مصروف ہوتے۔ ایسے وقت میں آپ کا حضرت علیؓ اور فاطمہؓ وغیرہم کو نماز کے لئے جگانا کیا عجیب سا نہیں معلوم ہوتا؟ اور سوئم یہ کہ آپ کی ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے متصل تھے حتیٰ کہ حالت اعتکاف میں آپ سر مبارک مسجد سے باہر نکال دیتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرے کے اندر سے آپؐ کا سر دھوتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں لہٰذا یہ کہنا کہ حضورؐ مسجد کو جاتے ہوئے فاطمہؓ کے گھر کے قریب سے گذرتے تو "الصلوٰۃ یا اہل البیت پکارتے"، بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے! ؎

الغرض مذکور الصدر روایات کے بین السطور میں غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی داخلی تحریک کا اثر ہے کہ لفظ "اہل بیت" کی نحوی لچک کا سہارا لیکر اس لفظ کے قرآنی مفہوم کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا اور اس میں حرم خاندان نبوی کی بعض من مانی گئی چنی تخصیصوں کو داخل کر لینے کی گنجائش نکال لی گئی۔ یہی نہیں بلکہ یہ دعویٰ بھی

کیا گیا کہ بیویوں سے زیادہ بیٹی اور داماد اہل بیت میں شامل ہونے کے مستحق ہیں! لیکن افسوس کہ اس کے دوسرے پہلو پر غور نہیں کیا گیا کہ اس سے مسئلہ کی شکل کیسی بھیانک بنکر سامنے آتی ہے۔ مثلاً اگر اہل بیت میں بیویوں کے علاوہ بیٹی، داماد اور نواسے بھی شامل ہیں بلکہ وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں تو حضرت عائشہؓ و حفصہؓ بھی اپنے باپ کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بلاشک اہل بیت ٹھہریں گی حالانکہ قرآن انھیں حضورؐ کی اہل بیت کہتا ہے نہ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ بیک وقت حضورؐ اور حضرت علیؓ دونوں کی اہل بیت ہو جائیں گی۔ اور خود حضورؐ بھی کہاں بچے۔ وہ بھی تو آخر ابوبکرؓ و عمرؓ کے داماد ہونے کی وجہ سے انھیں کی اہل بیت میں شامل ہو جائیں گے معاذ اللہ! دیکھا آپ نے، یہی ہے قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اسکے ایک لفظ کے معنی و مفہوم کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے سے اسکی زد کتنے ہی حقائق پر جاکر پڑتی ہے اور اس طرح بتنا آگے بڑھتے جائیے مسئلہ بجائے سلجھنے کے الجھتا ہی چلا جائے گا۔ اور بالآخر حقیقت چیستاں بن کر رہ جائے گی۔ سچ فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ رہے آل نبی تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر ان کی فضیلت و منقبت مسلم، ان کی پاکیزگی و طہارت غیر مشتبہ ان سے اللہ راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ سب کچھ سہی لیکن انھیں خواہ مخواہ تکلف کرکے آپؐ کے اہل بیت میں داخل کر دینے سے کیا فائدہ! اور ایسا کرکے ان کی عظمت و بزرگی میں ہم نے کون سے چار چاند لگا دیئے۔ سچ پوچھئے تو ہم نے ایسی حرکت کرکے ان بزرگوں کی عزت تو کیا کی الٹہ ان کی صریح اہانت کے مرتکب ہوئے

اب آئیے ہم آیۂ تطہیر پر اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں غور کریں اور دیکھیں کہ اس کے نزول کا پس منظر کیا ہے؟ اس کا تخاطب کن سے ہے؟ اور صحیح معنوں میں نبی کے اہل بیت کون ہیں؟ —

بات درحقیقت یہ ہے کہ حضورؐ کی بیویاں پرائے گھر کی بیٹیاں تھیں۔ لیکن آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہونے کے بعد ان کی وہ پہلی سی حیثیت باقی نہیں رہی بلکہ وہ ایسے اعلیٰ منصب اور ارفع مقام پر پہونچ گئیں جہاں دنیا کی کوئی عورت نہ ان سے پہلے کبھی پہونچی تھی اور نہ قیامت تک پہونچ سکتی ہے۔ انھیں حضورؐ کے واسطہ سے اگر امہات المومنین کا درجہ حاصل ہو گیا تو ساتھ ہی ان پر بہت ساری اہم اور نازک ذمہ داریاں بھی عائد ہو گئیں۔ یعنی ایک طرف انھیں اہل بیت کی حیثیت سے اپنے گھروں کے وہ تمام فرائض انجام دینے تھے جن کی ذمہ دار عموماً ہر عورت مکلف ہوتی ہے۔ تو دوسری طرف تکمیل دین، تعمیر ملت اور تشکیل معاشرت میں وہ اہم کردار بھی ادا کرنا تھا جس کے بغیر دین و ملت ناقص و نامکمل اور اسوۂ حسنہ ناتمام رہ جاتا۔ غرض چند در چند مصالح و حکم کی بنا پر ضروری تھا کہ امہات المومنین کو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں انکی اعلیٰ حیثیت اور خصوصی پوزیشن خوب ذہن نشین کرا دی جاتی بعدہٗ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دینی تعلقات کے پیش نظر انھیں منافقین کے شر سے محفوظ رہنے کی بطور حفظ ماتقدم تدبیر بتلا دی جاتی جو مسلم معاشرے میں اس طرح گھلے ملے تھے کہ انھیں پہچاننا ان سیدھی سادی پردہ نشین عورتوں کا کام نہ تھا اور بالآخر انھیں اسلامی آداب و اخلاقی تعلیمات اور امور دینیہ کی ترغیبات سے خوب آراستہ کر دیا جاتا جس کے لئے ان کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے انھیں براہ راست خطاب کرکے متنبہ کیا گیا کہ تم نبیؐ کی بیویاں ہو۔ تمہاری حیثیت دنیا کی تمام عورتوں سے وراء الوراء ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔	اے نبی کی بیویو یاد رکھو تم دنیا کی کسی اور عورت جیسی نہیں ہو۔

پھر انھیں مدینے کے منافقین کی کھلی شرارتوں کے پیش نظر بوقت ضرورت لوگوں سے کلام کرنے کا مناسب اور نہایت حکیمانہ انداز بتایا گیا۔

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا	اگر تم خدا سے ڈرتی رہو تو دب کر بات نہ کرو کہ جس کے قلب میں روگ ہے طمع کرنے لگے اور

مَعْرُوْفًا ۔ معقول بات کہو۔

ازاں بعد پردے میں رہنے اور مروجہ بناؤ سنگار کے یکلخت پرہیز کرنے کا حکم دیکر جاہلیت کی دیرینہ رسم کو مٹانے میں انھیں سب سے پہلے اسلامی معاشرت کا نمونہ بننے کی تلقین کی گئی جو تکمیل دین کا اہم تقاضا تھا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى ۔ اور تم اپنے گھروں کے اندر ٹھیری رہو اور جاہلیت سابقہ کے طریقہ پر بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔

پھر دین کے بنیادی ارکان کی تعمیل میں ہمہ وقت سرگرم رہنے کا خصوصی طور پر حکم کیا گیا مبادا ایسا سمجھ بیٹھیں کہ نبیؐ کی ازواج ہونے کی حیثیت سے وہ ان فرائض دینیہ سے مستثنیٰ ہیں۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اور تم صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم رہو۔

ازاں بعد بطور حاصل کلام کے بتایا گیا کہ اے اہل بیت ان احکام خداوندی پر عمل درآمد کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دامن کسی طرح کی گندگی سے آلودہ نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے تم خوب پاک و مطہر رہو گی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ اے اہل بیت اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ گندی باتیں تم سے دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

اور اس سلسلۂ خطاب کا خاتمہ ازواج مطہراتؓ کو اس ترغیب کے ساتھ ہوتا ہے کہ چونکہ تمہارے ہی گھروں میں شب و روز کلام الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے، اور یہی منبع چشمۂ ہدایت ہے اس لئے تم پر بدرجۂ اولیٰ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تم خود بھی اللہ کی آیات و حکمت کو یاد کرو اور یہ سمجھ لو کہ ان احکامات میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کی خبر اللہ ہی کو بہتر ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۔ اور (اے اہل بیت!) تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہیں ان کو تم یاد کرو بیشک اللہ باریک بیں اور خبردار ہے۔

+ + + + + + + + + + + +

الحاصل مذکورہ بالا سطور سے یہ بات خوب متحقق ہوگئی کہ پورے قرآن میں ہر جگہ "بیت" کو "عورت" کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور لفظ "اہل بیت" تخصیص کے ساتھ "عورت" ہی کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ نیز یہ صاف ہوگیا کہ آیۂ تطہیر کی مدلول اور اس میں جو لفظ "اہل بیت" ہے اس کی مخاطب صراحۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں نہ کہ غیر۔ حتیٰ کہ یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس لفظ کو آپ کی بیویوں کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد پر منطبق کرنا منشائے قرآنی کے صریح منافی بلکہ اس پر زیادتی کرنا اور دین کے حقیقی خدوخال کو بگاڑ دینے کے مرادف ہے!

بایں ہمہ یہ امر تشریح طلب ہے کہ اس لفظ کے لغوی معنی کی عمومیت کی کلی نفی کرے، اس کے مفہوم کو ایک محدود دائرے میں مقید و محصور کرنے میں اس لطیف و خبیر کی باریک بین نگاہوں میں آخر کونسا راز مضمر اور کیا حکمت پوشیدہ تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ دراصل قانون قدرت کے ایک اہم گوشے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور از بسکہ قرآن پوری نوع انسانی کے لئے ایک مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے اس لئے ہو نہیں سکتا کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرۂ رشد و ہدایت اور اثر و نفوذ سے باہر رہ جائے۔ چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر اس نے اس موقع پر ایسا بلیغ اسلوب و حکیمانہ انداز بیان اختیار کیا ہے کہ اس ایک چھوٹے سے لفظ کے اندر انسانی تمدن کی ایک دنیا سمٹ کر آگئی ہے! اس لفظ کو عورت کی طرف منسوب کرکے بتا دیا ہے کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ قدرت نے جہاں نظام تمدن میں مردوں کو چند در چند فرائض کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے وہاں اس جنس لطیف کو بھی اس نظام میں کافی حصہ لینے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اہم کردار ادا کرنے کا حق بخشا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ مردوں کی تمام تگ و دو کے لئے باہر کی وسیع و عریض دنیا منتخب کی ہے اور عورت کی

ساری مساعی کے لئے گھر کی چار دیواری کو اصلی میدان ٹھیرایا ہے مردوں کو خارجی دنیا میں امور سیاسیات کی انجام دہی اور تلاش معاش جیسے مشقت طلب مشاغل کا مکلف بنایا۔ اور عورتوں کو گھر کی دنیا آباد کرنے، خانگی امور کے انتظام کی باگ ڈور سنبھالنے اور جہاد زندگی میں مردوں کی سہیم و شریک بن کر ایک محدود دائرے کے اندر اپنا فطری جوہر دکھلانے کے لئے پیدا کیا۔ غرض "عورت" گھر کے لئے ہے اور "گھر" عورت کے واسطے "عورت" گھر کی زینت اور "گھر" سے عورت کی زیبائش ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا محال بلکہ ناممکن ہے۔ بنابریں حق یہ ہے کہ عورت اور صرف عورت ہی کی قامت پر "بیت" کا جامہ راست آتا ہے اور وہی بجا طور پر "اہل بیت" کہلانے کی مستحق ہے۔

تجلّی

جن روایتوں پر صاحب مضمون نے درایت و منطق کے رخ سے نقد کیا ہے اگرچہ دوسری جیس (الصلوٰۃ الصلوٰۃ ہے) ہمارے نزدیک قطعی قابل اعتماد نہیں ہیں لیکن رد و تردید کا جو طریقہ انھوں نے اختیار فرمایا ہے اسے حدیث کے معاملہ میں ہم اصولاً غلط سمجھتے ہیں۔ حدیث اگر صریح طور پر کسی امر محال یا مسلّمات کے خلاف مضمون پر مشتمل ہو تب تو صرف عقل و درایت کے ذریعہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے لیکن اسکے علاوہ ہر صورت میں ضروری ہے کہ فن روایت کی کسوٹی پر اسے پرکھا جائے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ دینے کی جرأت کی جائے خالی عقلی نکتہ چینی احادیث کے معاملہ میں انہدام دین پر منتج ہوتی ہے۔ کیونکہ عقل ایک بے تلے کا بدھنا ہے جس میں کوئی چیز نہیں۔ ہر شخص اپنی منطق عقل کو جس وادی میں چاہے دوڑا سکتی ہے۔ اور جن احادیث میں فی الحقیقت کوئی استحالہ نہیں یا معمولی طور پر کوئی استبعاد ہے۔ مگر علم فن کی روشنی میں انکی توجیہ و تطبیق ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پورا علم روایت ہی خاک میں مل جائے اور دین کی وادی میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔

اب یہ دونوں روایتیں جن کا فاضل مضمون نگار نے تحقیر کے ساتھ ذکر کیا۔ آخر ان میں کیا استحالہ ہے۔ کونسی خیر ممکن بات ان میں کہی گئی ہے۔ دوسری روایت کو ہم نے جو ناقابل اعتبار کہا تو وہ اصول فن کی بنیاد پر کہا نہ کہ خالی اس روایت کی بنا پر جس کا مظاہر موصوف نے کیا ہے۔ ہاں اصول روایت کے اعتبار سے جب روایت میں ضعف یا کمزوری واضح ہو جائے تب عقل و دانش بھی معاون کا کام دیتے ہیں اور انہیں قابل لحاظ قرار دیا جا سکتا ہے۔

پھر دوسری روایت میں تو ان کا منطقی نقد کچھ استحکام بھی رکھتا ہے۔ لیکن پہلی روایت میں یہ بے حد ضعیف ہے۔ وہ تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر عام مومنین و مومنات اللہ کے نزدیک پاک و طیب ہیں تو نبی یقیناً پاک ہوں گے۔ لہٰذا ان کی ناپاکی دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر کیا معنی کہ رسول اللہؐ خود اپنی اولاد کی ناپاکی دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا مانگیں!

ہم کہتے ہیں اس تعجب کا کیا موقع تھا جبکہ اہل بیت کی طرف رجس (ناپاکی) کی علامت خود کلام الٰہی میں موجود ہے پیش فرمودہ منطق کی رو سے تو ازواج مطہرات میں بھی رجس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے رجس دور کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اہل بیت کا مصداق حقیقی و مجازی اعتبار سے جو افراد بھی ہوں اور ان کی تطہیر عن الرجس کا کچھ بھی مطلب نکلے اللہ بہرحال ارادۂ تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے تو پیغمبرؐ کا دعا مانگنا بھی نہ صرف بجا بلکہ عقل و نفسیات کے عین مطابق ہوگا۔ اس پر اس عقلی معارضہ کی کیا گنجائش ہے جو فاضل مضمون نگار نے پیش فرمایا ہے۔

پہلی روایت اصول فن کے معیار پر کھوٹی نہیں ہے۔ اسے اکثر اہل علم نے قبول فرمایا ہے۔ اور اگرچہ ہم روایت کے پہلو سے اتنا قوی نہیں سمجھتے کہ قبول کر لینا واجب ہی ہو۔ لیکن پھر بھی اسے چٹکیوں میں نہیں اڑایا جا سکتا۔

البتہ یہ پہلو اہل علم کے لئے قابل غور ہے کہ راویوں کے رد و قبول کے جو پیمانے اسلاف نے بنائے ہیں کیا وہ وحی الٰہی کی طرح موبہ موبر حق ہیں یا اس اعتبار سے کہ وہ انسانوں ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں کسی نقص، کسی خامی اور کسی تسامح کا

اندیشہ کیا جا سکتا ہے۔ انسان کتنا ہی اونچا اڑے فرشتہ نہیں بن سکتا۔ محدثین پر اللہ کی رحمت ہو انھوں نے اگرچہ کاہش و تحقیق کا پورا حق ادا کر دیا اور ان کی نیتوں پر شک کرنا قلب سے پوری طرح سیاہ ہو جانے سے قبل ممکن نہیں ہے۔ لیکن چوک، قصور گذاشت، سہو سے وہ بھی بہرحال بالاتر نہ تھے۔ جہاں قرائن و دلائل یہ گمان دیتے ہوں کہ ان سے چوک ہوئی ہے کیا وہاں بھی کامل انقیاد و تسلیم ہی ضروری ہے یا بحث و نظر کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔ اسلاف ہی میں بے شک ایسے اہل علم ہوئے ہیں جنھوں نے بخاری و مسلم تک کے کورانہ انقیاد کو گوارا نہیں اور جہاں جہاں انھیں اشکال پیدا ہوا اسے برملا واضح کر گئے۔ لیکن اب عملاً اس جسارت کو گناہ قرار دیدیا گیا ہے۔ اس کی وجہ معقول ہے۔ لوگ اٹھتے ہیں اور اصول فن کا لحاظ کئے بغیر اپنی عقل و دانش کے تیروں سے محدثین کا سینہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ یہ جرح و نقد کا عمل دین کی دردمندی کے تحت نہیں بلکہ اہواء و خواہشات کی تحریک پر ہونے لگا ہے مقصود یہ ہے کہ خالی قرآن قرآن کی رٹ لگا کر اسلامی احکام و اخلاق سے جان چھڑالیں اور مغربی تصورات کے مطابق ایک ماڈرن اسلام ظہور میں آئے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ علم حدیث اور فن روایت پر ان کی گفتگو لحاظ و رعایت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ مگر جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں وہ اس سے مختلف ہے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق چوٹی کے محدثین کی کتابوں میں بجا طور پر بعد از قرآن معتبر سمجھی جاتی ہیں کیا ان میں بعض راوی ایسے نہیں ہیں جن کے معتبر ہونے پر آج بھی گفتگو ممکن ہو۔ یہ سلیمان الاعمش۔ یہ سفیان بن عیینہ یہ ہشام بن سعد۔ یہ عطیہ بن جنادہ۔ یہ منصور بن المعتمر یہ آخر کون ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابیں گواہی دیتی ہیں کہ علم و عمل کے لحاظ سے یہ لوگ بہتر تھے اور انھیں ان کے زمانے میں نکو کار اور صادق القول سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی گواہی دیتی ہیں کہ ان کی تعدیل غالب اور جرح مغلوب ہے۔ اور بخاری و مسلم جیسے اکابر نے ان پر اعتماد کر کے بے اصولی نہیں برتی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ ان میں تشیع کے اثرات پائے جاتے تھے۔ کسی کا حال ان میں سے یہ تھا کہ اہل بیت کی عقیدت مفرطہ میں صحابہ تک کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو جاتا تھا۔ کسی کے تیور یہ تھے کہ امہات المومنین بھی اس کی زبان کا کوں سے نہ بچ سکیں۔ اس کے باوجود نیک دل محدثین نے انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ انھیں صحاح کے راویوں میں شامل کیا اور ان کے زہد و ورع پر تکیہ کر لیا۔ حالانکہ جن روایات سے شیعی انداز فکر کو غذا ملتی ہو انھیں کسی شیعی ذہن کے راوی سے قبول کر لینا تو بیحد خطرناک ہے ہی۔ چاہے اس راوی کا علم و فضل اور کردار و اخلاق آسمان سے باتیں کر رہا ہو ــــ لیکن جو روایات اس نہج کی ذہنوں انھیں تشیع زدہ راویوں سے قبول کر لینا نتائج بعیدہ کے اعتبار سے مضرت سے خالی نہیں۔ کسی راوی کو "ثقاہت" کا تمغہ دینا بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہ اعزاز بخشدیا جائے تو پھر ان خاص روایات میں بھی جو بعض اخلاقی مسائل میں کسی ایک رُخ کی پشت پناہی کرتی ہوں۔ ان کی "ثقاہت" سے جان چھڑانی مشکل ہے۔

اہل دانش پر یہ نکتہ مخفی نہیں کہ خاص خاص رجحانات و میلانات کیا کچھ فساد پھیلاتے ہیں اور کس طرح ایک نکو کار انحطاط راست گو اور خوش اطوار انسان کسی داخلی میلانات و رجحانات یا خارجی محرک کے زیر اثر زود اعتباریوں اور مغالطوں اور نادانستہ دروغگوئیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثالیں بہت ہیں۔ یہاں صرف ایک پر اکتفا کریں گے۔

حافظ سیوطیؒ کچھ معمولی آدمی نہ تھے۔ حدیث و تاریخ میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔ اور بجا ہے۔ بہت بڑے عالم و فاضل اور صالح و نکوکار تھے۔ یقیناً تھے۔ لیکن خاص مذاق و رجحانات کے زیر اثر رسول اللہؐ کا سایہ نہ ہونے کی روایت پر تکیہ کر بیٹھے۔ حالانکہ روایت و درایت دونوں پہلوؤں سے یہ صریح البطلان تھی۔ یہی نہیں۔ ان کے یہاں اور بھی دراڑ کی روایتیں ملتی ہیں۔ تاریخ الخلفاء لکھی تو اس میں متعدد مقامات پر علم و تحقیق کے بجائے داخلی محرکات اور یک رخے میلانات کی کارفرمائی موجود ہے۔ حکومت عباسیوں کی تھی۔ بنی عباس کی خلافت کے سلسلہ میں ایک مستقل باب سپرد قلم فرمایا جس میں

ابو مسلم خراسانی جیسے کذاب کی تصنیف کردہ روایات حدیث کے نام سے جمع فرما دیں اور ابو نعیم دیلمی جیسے محدثین پر بھروسہ کر لیا۔ جملہ علمائے معتبران روایات کے جعلی و وضعی ہونے پر متفق ہیں۔ کیا کہے گا کوئی جب دیکھے گا کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا معتمد عالم و امام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس پیشین گوئی کو منسوب کر رہا ہے کہ خلافت عباسیہ نروان عیسیٰ کے زمانے تک رہ گئی اور بڑے شد و مد کے ساتھ یقین دلا رہا ہے کہ بنو عباس کے لئے نزول عیسیٰ یا ظہور مہدی کے زمانے تک حکومت و اقتدار کا فیصلہ بارگاہ نبوت سے ہو چکا ہے۔

حالانکہ حافظ سیوطیؒ کی ان معتمد علیہ روایتوں کی سیاہی بھی ابھی خشک نہ ہو پائی تھی کہ خلافت عباسیہ کی دھجیاں اڑ گئیں اور موصوف کی رحلت کے پچیس تیس سال ہی بعد عباسیوں کا نام لیوا اور پانی دیوا بھی کوئی نہ رہا۔ اب دو ہی فیصلے ممکن ہیں یا تو نعوذ باللہ کہئے کہ رسول اللہ کی پیشین گوئی غلط تھی یا پھر فرمائیے کہ حافظ سیوطی نے روایات پر بھروسہ کر کے ہیں دھوکا کھایا۔ دھوکا بڑے سے بڑا انسان کھا سکتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ دانستہ جھوٹ بولے اور علم و تقویٰ سے بے نیاز ہو علم و فہم، زہد و ورع اور تمسک کردار رکھتے ہوئے بھی آدمی معصومیت کے ساتھ غلط بات نقل کر سکتا ہے۔ خارجی محرکات خاص قسم کے میلانات و عواطف اور ماحول کے گوناگوں مؤثرات و عوامل بعض مرتبہ لنگر و نظر کی گاڑی کا کانٹا اس آہستگی سے بدلتے ہیں کہ ڈرائیور تو یہی سمجھتا رہتا ہے گاڑی صراط مستقیم پر جا رہی ہے مگر وہ اور ہی کسی رخ پر چل دیتی ہے۔ ہم نے ایک بات سنی۔ اسکے دو مطلب ہو سکتے تھے۔ ایک مطلب ہمارے مذاق و رجحان کے موافق تھا ایک مخالف۔ ہم نے قدرتاً وہی مطلب لیا جو موافق تھا پھر اصل بات کو ایسے الفاظ و انداز میں دوسروں سے بیان کر دیا جن سے صرف یہی مطلب متعین ہوتا تھا۔ اس سارے عمل میں ہم نے نہ دروغ گوئی کی نیت کی، نہ دغا کا ارادہ کیا۔ لیکن فی الحقیقت راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ کیا معلوم قائل کا مطلب وہی رہا ہو جسے ہم نے طبعی رجحان و میلانات کے زیر اثر نظر انداز کر دیا ہے۔

رفض و تشیع ایک مہلک مرض ہے جو فکر و نظر کا انداز ہی بدل دیتا ہے۔ اس کے جراثیم دماغ میں داخل ہو جائیں تو معتقدات کی دنیا میں ہرا ہی ہرا نظر آئے گا۔ شیطان کو اللہ نے عمر طویل عطا فرمائی۔ لیکن عبداللہ ابن سبا کے تصرفات ربانی کو رفض و تشیع نے زندہ جاوید کیا۔ کاش ہماری معتبر کتب حدیث میں کسی ایسے شخص کو راویوں کی صف میں بار نہ ملتا جسے تشیع کی ہوا لگ گئی ہو۔ مگر ملا اور رنگ لایا۔ رنگ یہ لایا کہ شیعیت کے نام سے چڑنے والے سنیوں میں بھی ایسے معتقدات کی وبا پھیل گئی جو حقیقتاً تشیع کے خاندان سے ہیں۔ مگر بے شمار سنی عوام و خواص انھیں عقائد اہل سنت والجماعت کی تسبیح میں پروئے ہوئے ہیں۔

مان لیا کہ وہ معظم حضرات بھی مجازاً اہل بیت ہی ہیں جنھیں بہ مصداق روایت اللہ کے رسولؐ نے کملی میں لیکر "اہل بیت" فرمایا تھا۔ لیکن یہ کیا جادو ہے کہ ننانوے فیصدی سنی بھی "اہل بیت" بول اور سنکر "چہار تن" ہی مراد لیتے ہیں۔ اور اچھے اچھے اہل علم سنیوں کی کتابوں میں انھی چہار تن کے لئے اہل بیت کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

یہ جادو نہیں ہماری۔ ہماری زود اعتباری، ڈھیل سادگی اور بے محل فیاضی کا ثمر تلخ ہے۔ تشیع کے مریضوں کو سر پر نہ چڑھایا جاتا تو نسل و نسب کی دھنوں پر رقص کرنے کی وبا سنیوں میں کبھی نہ پھیلتی۔ اب پھیل گئی ہے تو آپ بھی رقص کیجئے اور ہم بھی واہ واہ کے نعرے بلند کرتے رہیں۔

جی چاہتا تھا کہ حدیث "اہل بیت" کی روایتی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے چلیں۔ لیکن بات بڑھ جائے گی اس لئے پھر کبھی لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ یہ حدیث مکمل طور پر قابل قبول ہو تب بھی اس سے وہ مطلب برآمد نہیں ہوتے جو برآمد کئے جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول نے حضرت سلمان فارسی کو بھی اپنا "اہل بیت" کہا ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ مرکب لفظ شدت تعلق کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اللہ کے رسول نے اسے اسی لئے استعمال فرمایا تھا اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ لفظ کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر

روغن اکسیر دماغ

روغن اکسیر دماغ کوئی معمولی اشتہاری تیل نہیں۔ قیمتی جڑی بوٹیوں اور مفید اجزاء کا مرکب ہے جو دماغی قوت اور بالوں کے لئے ایک ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے۔ دائمی نزلہ کو دور کرتا ہے۔ بے خوابی رفع کرکے میٹھی نیند لاتا ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کے لئے خاص تحفہ ہے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۸۷ پیسے (ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ)

ہلال فارمیسی دیوبند (یو۔پی)

مایوسوں کیلئے بشارت

مفید، مجرب قابل اعتماد علاج

تجربہ ہماری صداقت کی گواہی دیگا

اگر آپ مدتوں علاج و معالجہ کے بعد ہمت ہار کر مایوسی و انتشار کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وقت کے تقاضے یا غیر محتاط زندگی کے باعث جسم کی طاقتیں سست اور نڈھال ہوگئی ہیں تو پھر ایک بار خدا کے بھروسہ پر ہمت کرکے اس طرف رجوع کیجئے۔ یہاں ہر قسم کے امراض کا علاج خاص طور سے ہوتا ہے۔ (خطوط راز میں رکھے جاتے ہیں)

حکیم ابوسعید عبیداللہ۔ اسلام نگر۔ ڈاکخانہ دربھنگہ ضلع دربھنگہ (بہار)

ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی

زیر سرپرستی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب

- ہر ماہ علم و عرفان کے جواہر پاروں سے مرصع اور مزین ہو کر پابندی وقت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔
- ماہنامہ تعلیم القرآن پیغام حق کا بیباک اور صحیح ترجمان ہے۔
- ماہنامہ تعلیم القرآن توحید و سنت کا مخلص اور سچا خادم ہے۔
- ماہنامہ تعلیم القرآن شرک و بدعت اور الحاد و زندقہ کیلئے پیغام موت ہے۔
- ماہنامہ تعلیم القرآن کے مستقل عنوانات معارف القرآن، جواہر الحدیث، کاروان اسلاف، بزم خواتین، نغمات، مذاکرات اور قدر و قیمت وغیرہ ہیں۔
- دو آنے کے ٹکٹ ارسال فرما کر نمونے کا پرچہ مفت حاصل کریں۔

آپ کا خادم ایڈیٹر

ماہنامہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

سلیس، عام فہم اور دل نشین ہندی زبان میں
اپنی نوعیت کا واحد اسلامی ماہنامہ

ماہنامہ "کانتی" رامپور

اکتوبر ۵۸ء سے مستقلاً پابندی وقت سے شائع ہو رہا ہے۔ اس بار تیسرے سال کے آغاز میں کانتی اپنا "توحید نمبر" پیش کر چکا ہے۔

نمبر مستقل خریداروں کو ان کے سالانہ چندہ میں دیا جائے گا

عام کاپی: ۳۷۰ نئے پیسے

سالانہ چندہ: چار روپیہ

ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ تعداد سے مطلع فرمائیں۔ منیجر ماہنامہ "کانتی" رامپور

مستقل عنوان

مسجد سے میخانہ تک

از ملا ابن العرب مکی

تاریخ نوشت :- ۱۵ فروری ۶۱ء

مورل اور سوشل ہائی جن کانفرنس کے بیچوں بیچ ڈاکٹر سوشیلا نائر نے انکشاف کیا ہے۔

"آجکل دہلی کے اندر ناچ گھر کے پردے میں
حرام کاری کا کاروبار بڑے زور پر ہو رہا ہے"

تو کیا آپ کو امید تھی کہ ناچ گھروں کے پردے میں رام کے بھجن گائے جائیں گے؟۔

"آجکل" کا تکلف چھوڑیئے۔ انسانی جبلتیں جو آج ہیں وہی ہزار برس پہلے تھیں۔ عاجز اپنے مقدس پراچین بھارتیہ کلچر کی سوگند کھا کے یقین دلاتا ہے کہ اب سے دو چار ہزار برس پہلے بھی اگر کہیں ناچ رنگ کو فروغ ہوا ہوگا تو اسی کاروبار کی ریل پیل رہی ہوگی جسے خواہ مخواہ حرام کاری قرار دیا جا رہا ہے۔ حرام و حلال دقیانوسی باتیں ہیں صنعتی اور مشینی بنیادوں پر جس سوشلسٹ سماج کا نگار خانہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اسمیں یہ پرانے خیالات نہیں چلیں گے تعجب کی بات ہے ناچ گھروں کی تعمیر تو ثقافت و کلچر کے عنوان سے پرلے سرے کا کار ثواب ٹھیرے۔ مگر اس کے لازمی ثمرات کو حرام کاری کا رجعت پسندانہ نام دیا جائے۔ ناچ اس کے سوا آخر ہے کیا کہ جوان عورتیں چست سے چست اور دلکش سے دلکش لباس پہن کر اپنے تن سیمیں کے ایک ایک عضو کو تھرکائیں، ابھاریں، نمایاں کریں، جنسی میلانات کو کرید کرید کر باہر لانے میں ناچ رنگ کی برابری شاید ہی کوئی دوسری عبادت کر سکے۔ اور آجکل کے ترقی یافتہ ناچوں کا تو یہ عالم ہے کہ کسی فلمی متوالے کی لاش پر آپ ایک پری جمال رقاصہ کا ناچ کرا دیجئے۔ لاش فوراً اٹھ کھڑی ہوگی۔ اٹھ بھی کھڑی ہو تو کروٹیں ضرور بدلے گی۔

خلاصہ یہ کہ حرام و حلال کا رانڈ رونا ختم۔ بدکاری و نکوکاری کی اصطلاحیں بھسم۔ اب تو یوتھ فیسٹولوں۔ کلچرل پروگراموں اور ناچ رنگ کا دور ہے۔ ان کی کوکھ سے وہ عظیم روحانیت اور خوش اخلاقی جنم لے گی کہ آسمان مارے عبرت کے ٹپ ٹپ آنسو گرائے گا۔ یقین نہیں آتا تو آواز دو جناب آل احمد سرور کو انھوں نے علیگڈھ یونیورسٹی کی ثقافتی بحث میں یہ سائنسی نکتہ بلیغہ منکشف فرمایا ہے کہ کلچرل پروگراموں کے ذریعے ہم عورتوں مردوں کو خلا ملا کا موقع دیکر جنسی محرکات کو کم کرنے کا کارنامہ انجام دیتے ہیں! یہ نکتہ اس قدر بلیغ تھا کہ عاجز کا کلیجہ گز بھر کا ہو گیا۔ بے اختیار زبان سے نکلا

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اسی دن مولوی شہباز علی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو میں نے انھیں للکارا کہ ہوشیار!

وہ بھویں چڑھا کے بولے ——— "کیا بکتے ہو!"

میں نے کہا ——— "بکتا نہیں ہوں مزا آگیا ہے"

فرمایا ——— "دماغ مت چاٹو"

میں نے کہا ——— "ضرور چاٹوں گا۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مشرق میں مفکرین فلاسفہ کی پیدائش بند ہو گئی ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ اپنے دیش میں آج بھی ایسا ایسا مفکر پڑا ہوا ہے جس کی فکر رسا کے آگے بقراط اور ارسطو تک

چھٹی کا دودھ یاد آسکتا ہے"۔

پھر ان کے اصرار پر میں نے سرور صاحب کا نام نامی لیا اور نکتہ بلیغہ کی بشارت دی۔ فرمانے لگے

"نکتہ واقعی نادر ہے مگر افسوس ہے کہ کرایہ کا ہے"

میرے چھکے چھوٹ گئے "کیا مطلب"؟

جواب ملا "سب سے پہلے فرانس کے مفکرین اسے ڈھونڈ کے لائے تھے۔ اس کی بنیاد پر انھوں نے ننگوں کے کلب قائم کئے"۔

میرا دل ڈوب گیا۔ کتنی تلاش سے تو ایک مفکر اعظم ہاتھ لگا تھا۔ وہی مولوی شہباز کے المناک انکشاف کی تہہ میں بیٹھ گیا۔

خیر نکتہ کرائے کا سہی مگر ہے گنجینۂ معانی۔ اسکی بنیاد پر اگر لڑکوں لڑکیوں کے لئے آزادی کامل اور خلوت کدوں کا بھی انتظام کر دیا جائے تو جنسی محرکات بالکل ہی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ وھوالمراد۔

۱۶ر فروری ۶۱ء:۔

یو۔پی اسمبلی میں انکشاف ہوا ہے کہ ایک وزیر اعلیٰ نے اپنے لڑکوں کو نوّے لاکھ روپے کی جائدادوں کا مالک بنا دیا۔

ایک اور وزیر صاحب کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک زمانہ تھا جب یہ اپنے خلاف ۱۸ روپے کی ڈگری ادا نہ کر سکے تھے۔ لیکن آج تقریباً نوے لاکھ روپے کے مالک ہیں۔

یہ سال بھر پہلے کی باتیں ہیں۔ جب مولوی رفیق الزماں نے انھیں اخبار میں پڑھا تھا تو مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے تھے۔

"دیکھ رہے ہو ملا۔ جمہوریت اس کا نام ہے اگر بعض خود غرضوں نے بدعنوانیاں کیں تو بعض حق پرست عین اسمبلی میں انھیں ٹوک بھی رہے ہیں"۔

"جی ہاں .... جی"۔ میں نے بے سوچے سمجھے جواب دیا تھا۔ میں دراصل اپنی مصیبت میں گرفتار تھا۔ ایک مہینہ ہوا جب دو مرغیاں خریدیں تھیں کہ ان کے انڈے بیچکر بکری خرید لوں گا اور بکری کے بچے بیچ بیچ کر بھینس لوں گا مگر کل انھیں کوئی چرا لے گیا۔ پھر میرے کانگریسی دوست مسٹر فقیہ الحسن نے کہلا بھیجا تھا کہ آج تمہاری دعوت ہے، دعوت میں مرغ پلاؤ ملا تھا۔ اور جب گلے گلے تک کھا پی کر ہاتھ دھونے گئے تھے۔ تو موصوف نے اپنے منجھلے صاحبزادے کی ذہانت و فطانت کا ماجرا سناتے ہوئے کہا تھا۔

"بھئی قسم پروردگار کی ملا! یہ شبیہ الحسن تو بلا کا ہونہار ہے۔ ابھی سے یہ حال ہے کہ بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہے"

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ" میں نے مجبوراً کہا تھا" اس کی آنکھیں کہتی ہیں کہ وزیر بنے گا"۔

"تمہارے منھ میں گھی شکر۔ جانتے ہو آج اس نے کیا کمال کیا؟"۔

"ضرور کیا ہوگا ـــــ جی ہاں کیا کیا؟"

"ارے نہ پوچھو" وہ فکر سے سینہ تان کے بولے تھے" رات اس کی ماں کڑھ رہی تھی کہ کل جمعہ ہے اور ہماری ننھیا سا مسس نجانے بن کے آرہی ہیں گوشت کا کیا ہوگا۔ اس نے کہا آپ فکر نہ کریں امی جان۔ گوشت میں لاؤں گا۔ انھوں نے کہا تو باسی اٹھا لائے گا۔ باسی سے چاول برباد ہو جاتے ہیں، اسنے کہا نہیں امی جان تازہ ہوگا۔ اکدم فریش۔ میں نے ڈانٹا کہ گدھے خواہ مخواہ کی باتیں کیوں کرتا ہے۔ جمعہ کو جبا فور کٹتے ہی کہاں ہیں جو تو تازہ گوشت لے آئیگا۔ کہنے لگا کہ ابا جان! آپ کا بیٹا آپ کا بیٹا ہے۔ آپ کے پانچ ووٹ چٹکی بجاتے پچاس بن سکتے ہیں تو جمعہ کے دن گوشت کیوں نہیں مل سکتا"

"یہ دونوں کا کیا قصہ تھا؟" میں نے قطع کلام کیا،

"ارے تھا وہ بھی۔ پرانی بات ہوگئی"۔

"پھر بھی"؟

"چھوڑو ..... تو ہاں اس شریر کو دیکھو۔ دو مرغیاں اس صفائی سے لایا ہے کہ سارے مالک کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگی۔ اچھی خاصی زندہ مرغیاں تھیں۔ مگر کیا مجال ہے ذرا کڑکڑائی ہوں۔ گلے میں اس انداز سے کانٹا پھنسایا تھا

کہ نہ مریں نہ جیل سکیں۔"

میری عاقبت روشن ہوگئی۔ وہ داد طلب نظروں سے مجھے تک رہے تھے۔ اب میں کیا کہتا کہ وہ "سالا مالک" میں ہی ہوں جس کے فرشتے ہوا کو ترس رہے ہیں۔

"ہونہار بچے شریر ہی ہوتے ہیں" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا تھا "گوشت بہرحال نہایت مزیدار تھا صاحبزادے اس وقت کہاں گئے"؟

"اجی ان کی کیا پوچھتے ہو۔ محلے بھر کے لڑکوں کی کمیٹی بنا رکھی ہے۔ صدر جناب خود ہیں۔ وہ شاندار تقریریں کرتے ہیں کہ دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر سنئے تو معلوم ہوگا پردھان منتری بول رہے ہیں"۔

"بے شک بے شک۔ مجھے یقین ہے وہ وزیر بنیں گے"

"بھن تو ایسے ہی ہیں آگے اللہ کی مرضی"۔

اس داستان سے اندازہ کیجئے کہ میں ذہنی طور پر کس منزل میں ہوں گا۔ سوچ رہا تھا کہ کس طرح اس مادرزاد وزیر کو مزا چکھاؤں جس نے میری ہی مرغیوں پر سارا فن وزارت آزما لیا تھا۔ ایسے عالم میں رفیق الزماں جمہوریت پر بور کرنے لگے تو "جی ہاں جی ہاں" کے سوا کیا کرتا مگر وہ بھی پکی گھٹی کے نہیں تھے۔ ہاتھ نچا کے بولے۔

"اب کیوں سانپ سونگھ گیا۔ تم تو بہت جمہوریت کو برا بھلا کہتے تھے۔ اب بتاؤ یہ جمہوریت کا فیض نہیں تو کیا ہے کہ اگر اتفاق سے بعض وزیر لغزش کے مرتکب ہوگئے تو عین اسمبلی میں انھیں ٹوک دیا گیا۔ کون مائی کا لال ہے جو ٹوکنے والوں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے"۔

"خدا کے لئے مولانا! میرے حال پر رحم کیجئے۔ آپ وزیروں کی بات کرتے ہیں۔ یہاں سالم دو مرغیاں چوری ہوگئی ہیں"

لاحول ولا قوت۔ تمہیں موضوع گفتگو کی بھی تمیز نہیں لے کے چلے مرغی ....."

"تو وزیر میرے کس کام کے۔ آپ لا دیجئے ویسی ہی دو مرغیاں۔ بینارکا تھیں اصلی"۔

"اماں پھر لاحول ولا قوت۔ سنجیدگی تو تمہیں چھو کے نہیں گئی"۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ وزیر لوگ عیش نہیں اڑائیں گے تو کیا پتنگ اڑائیں گے"۔

"استغفر اللہ۔ وزیروں کے عیش کا سوال نہیں۔ جسے اللہ دے وہ کیوں نہ عیش اڑائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اسمبلی میں بفضلہ تعالیٰ کلمۂ حق کہنے والے موجود ہیں۔ یہ جمہوریت ہی کا فیض ہے"۔

اور یہ بھی جمہوریت ہی کا فیض ہے کہ دونوں مرغیاں صاف گئیں ..... مولانا میں بہت غمزدہ ہوں۔ سیاسی گفتگو برداشت نہیں کر سکتا"۔

"ارے واہ کیوں نہیں کر سکتے ....."

"یوں نہیں کر سکتا کہ آپ کی کھوپڑی میں بھس بھرا ہوا ہے ....."

"ہائیں .... ق قیا کہا بھس بھرا ہوا ..... مردود کہیں کے یہی تمہاری تمیز ہے؟"

"تمیز و میز میں نہیں جانتا۔ یہ کیا بیہودگی ہے کہ یہاں تو ایک کانگریسی پٹھا مرغیاں صاف کر گیا اور آپ ہیں کہ جمہوریت اور کلمۂ حق کے راگ گائے جا رہے ہیں۔ وزیر تو بنے ہی اسلئے ہیں کہ اپنی سات پشتوں کے رزق کا انتظام کر جائیں۔ کسی ممبر نے تکلفاً چونچ کھولدی ہے تو کیا تیر مارا ہے .....

"واہ تیر کیوں نہیں مارا"

"خیر خیر مارا ہوگا میں اپنی مرغیوں کے سوگ میں ہوں آپ پھر کبھی جمہوریت کے نکتے سمجھائیے گا"۔

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے چلے ..... خبیث غدار، پاکستانی .....

---

۱۷ فروری ۶۱ء:-

صاف لکھا قبوری شریعت کے ایک زبردست مفتی نے جیسا کہ حق ہے لکھنے کا۔

"اے دیا ہیو! شرماؤ، ڈوب کے مرجاؤ، بدبختو

اولیائے کاملین سے مدد مانگنے کو اپنا طریقہ بنا رکھا ہے ان کو مردہ بتانے والا خبیث خود مردہ ہے، فریب خوردہ ہے، عقل بردہ ہے اولیائے کاملین ہماری فریاد سنتے ہیں، صدائے دل شاد سنتے ہیں اور ہماری مصیبتوں کو دور کرتے ہیں، رنج کو کافور کرتے ہیں۔ اے وہابیو! تم پر خدا کی مار شیطان کی پھٹکار تم ضرور ہو گے میدان حشر میں ذلیل و خوار اور یہ جو دیوبندی بنے ہیں تمہارے یار غار تو ان پر بھی لعنت ہزار بار۔ تم سب سے ہم اہل سنت والجماعت ہیں بیزار۔ ہوشیار اپنے انجام سے ہوشیار۔"

اس کے جواب میں ایک وہابی نے کہی ——— کہ ماں کی طرف سے دیوبندی تھا اور باپ کی طرف سے وہابی ——— ایسا ہی لکھا جیسا کہ حق ہے لکھنے کا۔

"اے مردہ پرستو! اپنے شرک سے باز آجاؤ! کچھ تو خدا کا خوف کرو ——— قسم ہے جیلی چھتری والے کی تمہارے دماغوں سے پیچ ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ تمہاری عقلیں ماری گئی ہیں۔ تمہیں ابلیس نے دبوچ لیا ہے۔ تم سے بڑھ کر بری قوم اس دنیا کے پردے پر پیدا نہیں ہوئی کیونکہ تم دکھاوا توحید کا کرتے ہو اور حرکتیں سب شرک کی ہیں۔ مردہ پرستی نے تمہاری سمجھ بوجھ کو مردہ کر دیا ہے اور قریب ہے وہ وقت جب پڑیں گے تمہارے سروں پر گرز آہنی آتشیں ———"

اب عاجز ملا ابن العرب مکی اگرچہ ایسا نہیں لکھ سکتا جیسا کہ حق ہے لکھنے کا مگر ایسا ضرور لکھے گا کہ جیسا لکھا تھا کنفیوشس نے اپنے منجھلے شاگرد کو کہ اے بیٹا!

جب کہ دو موزیوں میں ہو کھٹ پھٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

اور لکھا تھا اپنے دوسرے شاگرد کو کہ اے برخوردار!

آنے والا ہے ایک زمانہ جب ایجاد ہوگا عجیب و غریب طریقہ علاج کا کہیں ——— گے اس کو ہومیوپیتھی ہے دیوتاؤں کا علم جس میں بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی قوت جتنی کم ہوتی جاتی ہے دوا۔ جب بالکل ہی فنا ہو جائے دوا تو سمجھو باقی بچی ہے قوت ہی قوت۔ یہی اصول جاری ہے صوفیا و مشائخ کے معاملہ میں کہ جب ہو جاتے ہیں وہ زمین کا پیوند تو بڑھ جاتی ہیں ان کی قدرتیں۔ اور جب گل سڑ جاتی ہیں ان کی ہڈیاں تو بنجاتے ہیں وہ خدا کہ مدد کرتے ہیں ہر پکارنے والے کی مدد کرنا برحق!

تو عرض یہ کرنا تھا کہ پچھلے مہینے عاجز کو بریلی کے نواح میں قیام کرنے کا اتفاق پیش آیا۔ یہاں ایک بریلوی شاہ صاحب کا بہت شہرہ سنا۔ طرح طرح کی کرامتیں ان کی مشہور تھیں۔ مثلاً پارسال حج کے زمانے میں کئی آدمیوں نے انہیں مسجد نبوی کے مینار کی چوٹی پر بیٹھے دیکھا تھا حالانکہ وہ حج کو نہیں گئے تھے۔ میں نے حیرت سے پوچھا

"چوٹی پر تو سارے حاجیوں نے دیکھا ہوگا ——— دھوم مچ گئی ہوگی؟"

ان کے مرید غلام بخش نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کبوتر کے بھیس میں تھے۔ بس ان کے خاص مریدوں نے پہچانا"۔

یا مثلاً وہ گاہے ماہے مسلسل سات روز تک ایک ہی وضو سے نمازیں ادا فرما لیتے تھے۔ کیا مجال ہے کسی نماز میں ذرا بھی کسر رہ جائے۔

میں نے سوال کیا ——— "کیا سات دن سوتے بھی نہیں ہیں؟"

میاں قربان علی بولے ——— "ایک آنکھ سے سوتے ہیں دوسری آنکھ جاگتی ہے"۔

"اور پاخانہ پیشاب وغیرہ؟"

"یہی تو کمال ہے" مولوی نفیس احمد نے فخر سے کہا کھانا حسب معمول کھاتے ہیں۔ مگر فضلات استعارات بن کر

منھ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ جیسے وہ جاڑوں میں بھاپ نکلتی ہے۔"

تو اس طرح کی گوناگوں کرامتیں ان کی مشہور تھیں۔ ہمارے میزبان میر قطب الدین ہمیں بھی ان کے حضور لے گئے۔ وہ کئی سال سے ان کے مرید تھے۔ شاہ صاحب بڑی شان کے بزرگ نکلے، آنکھیں نرگسی، زلفیں ریشمی، بدن پلا ہوا۔ لباس گیروا۔ صافہ شاید دو تھانوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ عمر بمشکل تیس سال رہی ہوگی۔

ان کے قریب ہی مونڈھے پر ایک اور صاحب بیٹھے تھے جنھیں دیکھ کر میرے ذہن کے کسی گوشے میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ضرور انھیں میں نے پہلے کہیں دیکھا ہے۔ مگر کہاں یہ یاد نہ آیا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر میں ان کی آواز حافظہ کی گرہ کھول گئی۔ وہ یقیناً صوفی مسکین تھے۔ وہی جو ایک دفعہ جاڑوں میں عاجز کے مہمان بن کے آئے تھے اور لحاف بچھونا سمیٹ کے لے گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے خاص خادموں میں ہیں۔

میر صاحب نے شاہ صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور مؤدب بیٹھ گئے، میں سلام سے آگے ہمت نہ کر سکا۔

"یہ میرے مہمان ہیں" میر صاحب نے نیاز مندانہ عرض کیا "مدت سے کسی صاحب کمال کی تلاش میں ہیں۔ آپ کا شہرہ سن کر تشریف لائے ہیں۔"

یہ قول بلیغ سیاسی فراست کا شاہکار تھا۔ انھوں نے شاہ صاحب کو تو گویا یہ بتایا تھا کہ آپ کی شہرت کا آوازہ دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ اور اہل دل سفر کر کر کے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن میں کسی دوسرے وقت شکایت کرتا کہ آپ نے جھوٹ کیوں بولا تو وہ مزے سے کہہ سکتے تھے کہ جھوٹ کہاں بولا۔ تم میرے گھر سے شاہ صاحب کی خدمت میں تو ان کا شہرہ ہی سن کر گئے تھے۔

"ماشاء اللہ الحمد للہ" یہ شاہ صاحب کی آواز تھی۔ صوفی مسکین جلدی سے بول پڑے "حضرت جی نے تو کل صبح ہی فرمایا تھا کہ ایک سعید روح بروح سے گذر کر اعلیٰ علیین کی طرف صعود کر رہی ہے۔"

"کیوں نہیں" میر صاحب بولے "حضرت سے کیا مخفی ہے"

تو کیا آپ اسی وقت بیعت کریں گے؟" شاہ صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ میر صاحب گھبرائے۔ جلدی سے فرمایا۔

"وہ۔ وہ بات یہ ہے۔ یہ ذرا مشکی مزاج ہیں۔ کوئی کرامت دیکھ لیں گے، جبھی بیعت کریں گے"

شاہ صاحب کے چہرے پر جلال کے آثار ابھرے، مگر فوراً ہی ذو معنی انداز میں مسکرائے۔ "کیا تم نے انھیں سابقہ کرامات کا حال نہیں سنایا؟" انھوں نے میر صاحب سے پوچھا۔

"جی سنایا تھا..... مگر..... یہ خود ہی دیکھنے کے قائل ہیں"

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں ——— صوفی جی ذرا ایک کٹورے میں پانی لانا"

"صوفی جی دھات کے کٹورے میں پانی لے آئے تو شاہ صاحب نے ہم دونوں سے کہا۔ اسے ایک ایک گھونٹ پی جائیے"۔

ہم نے تعمیل کی۔

"کہئے سادہ پانی ہے نا؟" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل سادہ" میر صاحب نے جواب دیا۔

"اچھا اسے اب یہاں رکھ دیجئے۔ انھوں نے پاس رکھے ہوئے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کٹورہ رکھ دیا۔ اب انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹ متحرک نظر آئے۔ ظاہر ہے وہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ دو ایک بار اس طرح کے الفاظ بھی سننے میں آئے۔ میکائیل... عزازیل... اسرافیل... چھ چھو چھو اچھو... غوث الاعظم۔ پیران پیر دستگیر!...

پھر انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر تین مرتبہ چھو چھو کر کے پھونک ماری اور انھیں کٹورے کے پانی میں ڈبو کر ہلایا۔ فدوی کو خیال ہو رہا تھا اب شاید کٹورے سے جن برآمد ہوگا یا دھواں نکلے گا۔ جس کے مرغولے آہستہ آہستہ حور کی شکل اختیار کر لیں گے۔ ایسی کرامت ایک دفعہ سوئٹ میموریل سرکس کے مشہور کھیل "کالا جادو" میں ایک جادوگر نے دکھلائی تھی۔ لیکن خیال درست ثابت نہیں ہوا۔ انھوں نے

ایسی گمبھیر آواز میں جو کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی فرمایا۔

"اب پیجئے آپ لوگ اسے آدھا آدھا"

ہم نے پیا۔ پانی اچھا خاصا میٹھا ہو گیا تھا۔ میر صاحب حیرت و مسرت سے کھل اٹھے۔ میں نے بھی ایسا ہی منھ بنایا جیسے حیرت و مسرت سے ہارٹ فیل کر جاؤں گا۔ شاہ صاحب بڑی شان افتخار سے مسکرائے۔ صوفی مسکین "یا علی" کا نعرہ مار کے بے اختیار ان کے پیروں میں سجدہ ریز ہو گئے۔

"اٹھو صوفی جی" شاہ صاحب نے صوفی مسکین کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے کہا ——— "برخوردار کو آداب بیعت سمجھاؤ"

"وہ تو میں سمجھا دوں گا"۔ میر صاحب بولے۔

"جی نہیں" شاہ صاحب نے کہا "اب کچھ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ آپ یہیں تشریف رکھیں صوفی جی سمجھا دیں گے"۔

صوفی مسکین مجھے لیکے ایک اور کمرے میں آئے۔ وہ یا تو مجھے پہچانے نہیں تھے یا پھر انھیں یقین تھا کہ میں نے انھیں نہیں پہچانا ہے۔

"کیا بات ہے حضرت جی کی"۔ وہ لہرائے "ہم بھی برسوں پیر روشن ضمیر کی تلاش میں مارے مارے پھرے ہیں۔ اب کہیں خاک ٹھکانے لگی"

"کیوں نہیں۔ بہت پہونچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ——— خیر آپ آداب بیعت سمجھائیں"۔

"جی ہاں۔ دراصل حضرت جی نے حرم شریف کے مدرسے "معراج العلوم" کی سرپرستی اپنے ذمہ لے رکھی ہے" یہ کہتے ہوئے انھوں نے طاق پر سے ایک رسید بک اٹھائی۔ "بیعت کرنے والے کو پہلے اس میں چندہ دینا پڑتا ہے"۔

"کتنا؟"۔

"جتنی بساط ہو۔ پچاس کم سے کم ہے"

"چلئے اور؟"

"دس روپے پیران پیر کی نیاز کے ——— پانچ روپے سوا پانچ آنے جمعراتی کے"

"اور؟"۔

"بس اور کچھ نہیں۔ محض بارہ روپے سوا دو آنے چشتی درگاہ کا چندہ ہے۔ وہاں حضرت جی قل کی بڑی بنوا رہے ہیں"

"اور؟"

وہ چونک پڑے گھور کر مجھے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں شک تھا۔

"اور اور کہے جاتے ہو نکالو تو پہلے"۔

"ایک مد اور باقی ہے۔ وہ میں بتاتا ہوں"۔ یہ کہکر میں چند ثانیے ان کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت کے مزے لیتا رہا۔ پھر عرض کیا۔

"ملا ابن العرب مکی کا بستر بھی تو بنوانا ہے۔ ترا سی روپے اس کے لئے!"

"اُغ ..... او ..... آپ ..... آپ ....." وہ بوکھلا گئے معلوم ہوا کہ مجھے پہچانے نہیں تھے۔

"سمجھے مجھے کون ہوں؟"

"آ ..... آپ یہاں؟"

"ہاں صوفی مسکین۔ تمہاری تلاش میں امریکہ اور روس تک ہو آیا۔ مگر بعد میں عقل آئی کہ بستر صاف کر جانے والے صوفی بریلی ہی کے آس پاس مل سکتے ہیں"۔

"میں ... میں دراصل ان دنوں بہت پریشان تھا ملا صاحب" وہ گھگیائے "آپ کے سر کی قسم دو دو وقت کے فاقے جا رہے تھے"۔

"کوئی حرج نہیں۔ اب مجھ سو سو وقت کے فاقے جا رہے ہیں۔ نکالئے بستر کے پیسے"

"ک ..... کتنے ہوتے ہیں"۔

"نقد ترا سی روپے۔ ۲۴ کا لحاف تھا۔ بارہ کی توشک چھ کی چادر۔ پانچ کے دو تکیے اور ۳۶ روپے کا کمبل"۔

"م مگر وہ تو سب سکنڈ ہینڈ تھے۔ ساڑھے بیالیس ہم آپ کو پانچ چار دن میں دیدیں گے"۔

"کیسے دیدیں گے۔ بندہ پروگرام کے تحت کل خودکشی کر رہا ہے۔ نہیں صوفی مسکین ہم ابھی لیں گے پورے بیاسی

ایک پائی کم نہیں ـــ"

"یہ تو ناانصافی ہے ..... آپ کے پاس ثبوت تو کچھ ہے نہیں۔ بستر کوئی اور لے گیا ہوگا۔"

"بہت اچھے ..... واقعی ثبوت کچھ نہیں ... مگر ... ر ... ر ..."

اتنا کہتے کہتے میں نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کنڈی چڑھا دی۔ "یہ یہ کیا ... کرتے ہیں ... ملا صاحب"۔ وہ پریشان ہو کے چیخے۔

"کچھ نہیں تمہیں صرف یہ بتاؤں گا کہ ثبوت کس چڑیا کا نام ہے"۔

یہ کہتے کہتے میں نے چاقو جیب سے نکال لیا۔ سوا بالشت لمبا رامپوری چاقو۔ جس کے کھلنے کی کڑکڑاہٹ بند کمرے کی خاموش فضا میں ملک الموت کے قدموں کی چاپ بن کر لرزی۔ دراصل بریلی لائن پر فدوی کبھی غیر مسلح سفر نہیں کرتا۔

"جانتے ہو صوفی مسکین ذبح کے وقت بکری پر کیا عالم گذرتا ہے؟"

ان کی چیخ نکلی۔ لیکن آواز پھیل نہیں سکی۔ میں نے ان کا منھ دبا لیا۔

"اگر اب آواز نکلی صوفی مسکین تو تمہاری روح بھیک مانگتی پھرے گی۔ یہ چاقو چھ انچ اتر سکتا ہے"۔

"اغ ... ارر ر ... یار کیا مذاخ ہے۔ ت تم تو ... برا مان گئے"۔

برا تو ہم اس وقت بھی نہیں مانے تھے صوفی مسکین صاحب جب تم بستر سمیٹ کے لیگئے تھے"۔

"بند کر دیا رچاقو ... حول ولا قوت ..... اماں روپے تو ہم دے ہی رہے تھے۔ مذاخ کو بھی نہیں سمجھتے"۔

"میں بھی مذاق ہی کر رہا ہوں ... لاؤ دو ..."

"دیتے ہیں ... یہ ... یہ چھرا تو بند کرو"۔

"یہ بہت پیاسا ہے صوفی مسکین ... جلدی نکالو اسی اور تین ورنہ یہ میرے قابو سے باہر ہو جائے گا"۔

انھوں نے روئی کی بنڈی کے بٹن کھولے۔ پھر اندر ہاتھ دیکر نہ جانے کیا ٹٹولتے رہے۔ پھر نوٹوں کی ایک گڈی ان کی انگلیوں میں نظر آئی۔ دو سو تو ضرور رہے ہوں گے کانپتے ہاتھوں سے دس دس کے آٹھ نوٹ میری طرف بڑھائے پھر ملتجیانہ لہجے میں بولے

"بس یار تین جانے دو ..."

شرم نہیں آتی اتنے بہت سے تھام رکھے ہیں ... لاؤ ایک دس کا اور دیدو"۔

مگر وہ اتنے سخی کہاں تھے۔ اب پھر اندر ہاتھ گیا اور کسی اور جیب سے چھوٹے نوٹ نکالے، یہ بھی بیس سے تو اوپر ہی رہے ہوں گے۔ کچھ نئے کچھ پرانے۔ چھانٹ کے نہایت سڑے سڑے بوسیدہ تین میری طرف بڑھائے۔

اب ہم گلے ملے۔ وہ بڑی پر شوق حسرت کیساتھ فرمانے لگے۔

"قسم قرآن کی ملا صاحب تم اپنے ساتھ آجاؤ تو مزا آجائے ـــــ نیاز دیا ز تم کیا دوگے بیعت تو ہو جاؤ"

"ضرور ہو جاؤں گا۔ پہلے میں تمہارے شاہ صاحب کے شعبدے کا جواب لاؤں گا"۔

"حول ولا قوۃ شعبدہ کہتے ہو ـــ"

"نہیں معجزہ کہوں ..... بکواس بند چلو چلیں"۔

شاہ صاحب اور میر صاحب ہمارے منتظر تھے۔ شاہ صاحب کی نرگسی آنکھوں میں امید اور شوق کی جھلکیاں تھیں لیکن انھیں مایوسی سی ہوئی جب میں نے کہا "آداب میں نے سمجھ لئے ہیں۔ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا"۔

میر صاحب نے شفقت سے کہا

"عزیزم کار خیر میں دیر کیسی"۔ پھر میرے کان کے پاس منھ لاکر دبی آواز میں کہنے لگے "کیا پیسے کچھ کم ہیں؟"

"جی کچھ کیا ـــ کم ہی کم ہیں۔ یعنی کہ بٹوہ گھر رہ گیا ہے"۔

"فکر مت کرو۔ میرے پاس ہیں۔ کتنا ٹوٹل بنے گا؟"

"دس ہزار" میں جھلا گیا۔ مگر لہجہ سرگوشی ہی کا تھا

"آپ فی الحال چلے چلئے۔ بیعت کے لئے ویسے بھی منگل کا دن بہت برا مانا گیا ہے"

اور بمشکل میں انھیں واپس لے ہی آیا۔

"اب کہو کیا بات ہے" راستے میں انھوں نے پوچھا وہ میرے طور طریق سے سمجھ گئے تھے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

"بات کچھ بھی نہیں ——— سوچ رہا ہوں آپ جیسا سنجیدہ آدمی بھی شاہ صاحب کے چکر میں آگیا تو قیامت آنے ہی والی ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔

"بزرگی کیا شعبدہ بازی کا نام ہے؟"

"زبان کو لگام دو ——— کرامت کا شعبدہ سے کیا تعلق؟"

"ایسی کرامت میں بھی دکھا سکتا ہوں"۔

"سچ؟" ان کے چہرے پر سچ مچ حیرت تھی۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ——— آپ گھر چلئے میں ابھی آیا"۔

وہ فوراً تیار نہ ہوئے مگر میرے اصرار پر مان ہی گئے۔ ان سے جدا ہو کر میں بازار پہنچا اور پھر سامان کرامت سے لیس ہو کر حاضر خدمت ہو گیا۔

"اب دیکھئے میرے ہاتھ خالی ہیں نا؟" میں نے انکے بالمقابل تشریف رکھتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ انھوں نے بغور انھیں دیکھا۔ وہ واقعی خالی تھے۔ اب گلاس میں پانی منگوایا۔

"اسے چکھ لیجئے سادہ ہے نا؟"

"اماں ہاں یہ تو اپنے گھڑے کا ہے"۔

شاہ صاحب ہی کی طرح اسے سامنے رکھ کر میں نے آنکھ بند کیں اور وظیفہ پڑھا۔

"عزرائیل۔ اسرافیل۔ میکائیل .... چھو چھو .... کالی چڑیا پیلی بھس کی گولی کھائے .... یا پیران پیر دستگیر"۔

وہ بھاڑ سا منھ کھولے مجھے تک رہے تھے۔ یہ میں نے کنکھیوں سے دیکھا۔ "چھوڑو میاں کیا مسخرہ پن ہے"۔

"نہیں میر صاحب میں سنجیدہ ہوں۔ قسم ہے شاہ جنات کی پانی میٹھا ہو کر رہے گا"۔

اس کے بعد میں نے دو انگلیاں گلاس میں ہلا دیں اور وظیفہ ہرا ہو گیا۔ میر صاحب گھونٹ بھر کے دم بخود رہ گئے پھر بولے۔

"واقعی یہ تو پانی میٹھا ہو گیا! اماں یہ کیا ترکیب ہے؟"

"وظیفہ ——— پیران پیر کی مدد ———"

"نہیں۔ تمہیں ہماری قسم سچ سچ بتاؤ"۔

"معمولی شعبدہ ——— یہ دیکھو"۔

میں نے سکرین کی پڑیا جیب سے نکال کر آگے رکھ دی۔

"یہ زیادہ مہنگی نہیں ملتی انگلیوں پر خفیف سی مل لیجئے۔ شاہ صاحب بنجائیں گے"۔

کچھ دیر پریشان سے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

"مگر بھئی جی نہیں مانتا کہ .... کہ .... اچھا ایک دفعہ تو بہت ہی حیرتناک چیز دیکھنے میں آئی تھی"۔

"کیا؟"

رات کے وقت ہم وہیں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ بمبئی سے دو بہت بڑے سیٹھ آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے ابھی بیعت نہیں کی تھی۔ اتنے میں بجلی فیل ہو گئی۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاہ صاحب کو بہت غصہ آیا۔ فوراً نوکر کو آواز دی اسنے لاکر موم بتی جلائی۔ شاہ صاحب نے بیحد غصے میں اس سے پوچھا کہ بجلی کیوں فیل ہوئی۔ اس نے ایک دوسرے نوکر کو الزام دیتے ہوئے کہا کہ دیوار میں کیل ٹھوکتے ہوئے اس سے ہتھوڑی بجلی کے تار پر لگ گئی جس سے تار ٹوٹ گیا۔ دوسرے نوکر کو بلایا گیا تو اس نے ایک تیسرے نوکر کو الزام دیا کہ اس نے کہا تھا کہ ابھی کیل ٹھوکو سرکار نے حکم دیا ہے۔ تیسرا نوکر بلایا گیا اور شاہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ مردود ہم نے کب حکم دیا تھا وہ گھگیا کے کہنے لگا کہ جی میں نے اس سے مذاق کیا تھا۔ اسپر شاہ صاحب بے حد غضبناک ہو گئے اور ایسا جلال آیا کہ تینوں ملازموں کو لائن میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور بہت سخت سست کہنے کے بعد فرمایا

کہ ہمیشہ یاد رکھو اگر آئندہ ایسی حرکتیں کیں تو جلا کے بھسم کر دونگا یہ فرماتے ہوئے انھوں نے ایک کی طرف انگلی کا اشارہ کیا تو اس کے قدموں سے آگ کا شعلہ نکلا جو اس کے سینے تک پہنچا پھر بجھ گیا۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے کی طرف بھی انگلی کا اشارہ ہوتے ہی شعلہ نکلا۔ میں نے اور ان سبھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شاہ صاحب نے گرج کر فرمایا جاؤ اس بار صرف نمونہ دکھا دیا ہے۔ آئندہ خباثت کی تو جلا کے ڈھیر کر دوں گا۔ بچارے ملازم ہاتھ پیر جوڑتے رہے تب کہیں جان بچی۔ پھر بجلی ٹھیک ہو کر روشن ہو گئی تو فرش پر سفید سفید سے تین نشان بھی تھے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ آگ واقعی پیدا ہوئی تھی۔"

یہ کہانی سنا کر میر صاحب میری طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں ——— کیا اسے بھی شعبدہ کہو گے؟ کیا یہ زندہ کرامت نہیں ہے؟۔

"آپ بھی بچے ہی ہیں میر صاحب ——— مگر آپ کی خطا نہیں بریلی اور اس کے گرد و نواح میں تو اچھے خاصے علم و عقل والے بھی خوش عقیدگی کے معاملہ میں نابالغ ہی نظر آتے ہیں ——— ارے کیا آپ نے یہ کھیل تماشا کسی ساد ھو یا مداری کے پاس نہیں دیکھا؟"

"کھیل تماشا!" وہ خفا ہو کر بڑبڑائے۔

"اور کیا ——— کہئے تو دکھا دوں یہ بھی ——— آپ کو یاد ہوگا نوکر نے موم بتی جلائے ضرور کسی ایسی جگہ رکھی ہوگی جہاں سے پورے کمرے میں روشنی برائے نام ہی پھیلے۔ اور وہ تینوں ملازم بالکل ہی غیر روشن حصے میں کھڑے کئے گئے ہوں گے؟"۔

"ہاں ——— تھا تو کچھ ایسا ہی مگر پھر؟"

"پھر کیا: بالکل سادہ سا ڈرامہ۔ سکھائے پڑھائے ملازمین نے پوٹاشیم سائینیٹ پر ایک دو بوندیں سلفیورک ایسڈ کی ٹپکا دیں۔ کھڑی ہو گئی کرامت۔ جی چاہے تو تجربہ کر لیجئے گا۔ شعلہ اٹھنے کے بعد نشان بھی زمین پر مل جائینگے۔"

میر صاحب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑائیں۔ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

لیکن یہ نہ سمجھئے کہ میری شک اندوزی نے انھیں شاہ صاحب سے بھیر دیا۔ نہیں عقیدت کی دنیا نرالی ہوتی ہے وہ تو اور پرده ضرور مشکوک ہوئے تھے۔ لیکن رات گذرنے پر پھر وہی حسن ارادت، وہی نیاز مندی۔ "کچھ بھی ہو" انھوں نے کہا "آدمی پہنچے ہوئے ہیں"۔

"تو قندوری کب کہتا ہے کہ پہنچے ہوئے نہیں ہیں ——— پہنچا ہوا تو صوفی مسکین بھی ہے وہ میرا بستر صاف کر دیتا تھا"

اگلے دن رخصت کے وقت میرے آخری کلمات یہ تھے۔

"کہا سنا معاف کیجئے گا میر صاحب۔ اپنے شاہ صاحب کو بھی سلام عرض کیجئے گا۔ وہ ابھی تو محض کرامتیں دکھلاتے ہیں لیکن لکھ لیجئے مرنے کے بعد خدائی کریں گے ——— خدا حافظ!"

(لا زندہ صحبت باقی)

ہندی ماسٹر ہندی ہمارے ملک کی سرکاری زبان ہے اس لئے اسکو سیکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ مختصر کتابچہ اردو کے ذریعہ ہندی سکھانے کا مفید ترین ذریعہ ہے۔ قیمت صرف ۴ر

اردو ہندی لغت اردو کے بے شمار الفاظ کیلئے ہندی مرادف الفاظ کا یہ ذخیرہ وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرتا ہے۔
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

ہندی اردو لغت جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں ہندی الفاظ کے اردو ترجمے دیئے گئے ہیں۔
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

سُعالین

کھانسی ، نزلہ ، زکام
اور گلے کی خرابیوں کے لیے

[redacted] دہلی - کانپور - پٹنہ

رمضان المبارک!
جب آپ روزے رکھتے ہیں

روزہ ایک ایسا مذہبی عمل ہے جو آپ کے ذہن، جسم اور روح کو پاکیزگی اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ زندگی کا نیا احساس عطا کرتا ہے۔
سحری کے وقت آپ قوت بخش سنکارا استعمال کیجیے۔ سنکارا کے استعمال سے آپ تمام دن روزہ کی تھکاوٹ، پیاس اور عام نقاہت سے محفوظ رہیں گے۔ غروب آفتاب کے وقت جب آپ کا تمام خاندان افطار کے لیے جمع ہو اس وقت بھی سنکارا استعمال کیجیے جو جڑی بوٹیوں اور وٹامنز سے تیار کیا جاتا ہے اور آپ کو روزہ کی دن بھر کی درماندگی سے نجات دلا کر توانائی اور قوت بخشتا ہے۔

سنکارا! ہر روز استعمال کیجیے
سنکارا! دن میں دو بار استعمال کیجیے

[redacted] دہلی • کانپور • پٹنہ

شمس نوید عثمانی

رمضان ـــــ ایک عظیم لمحۂ فکریہ!

"محمد اور قرآن" کے الفاظ میں جب تک کسی کے لئے ایک والہانہ جذب و کشش اور ایک جاں نواز ایمانی تڑپ موجود ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ شخص گیارہ ماہ کے طویل و جاں گسل انتظار کے بعد آسمان پر ہلال رمضان کو چمکتا ہوا دیکھے اور بچے کی طرح مسکرا نہ دے! ـــ سال کے بقیہ گیارہ مہینے اپنے دن رات کی آغوش میں چاند اور سورج کو لئے ہوتے ہیں تو اس ایک مہینہ کے مہینہ میں چاند اور سورج کے ساتھ ساتھ وہ تیسری روشنی سمائی ہوئی ہے جس کا ابدی سرچشمہ "قرآن" ہے ـــــ تاریکیوں کے مہیب طوفان میں ایک الوہی نور کا اٹل مینار جس کی روشنی میں بینا اور نابینا دونوں کو زندگی کے ان دیکھے حقائق نظر ہیں ـــــ موت اور موت کے اس پار کی دنیائیں نظر آتی ہیں ـــــ قبر کی گہرائیاں نظر آتی ہیں ـــــ حشر و نشر کے عظیم مناظر نظر آتے ہیں ـــــ آخرت کا چہرہ نظر آتا ہے ـــــ خدا نظر آتا ہے!۔

کتنا گہرا ـــــ کس قدر انمٹ ـــــ کس قدر بے پناہ تعلق ہے اس قرآن اور رمضان میں! ـ یہی وہ مہینہ ہے جسے آج سے تیرہ صدیوں کے اس پار جزیرہ نمائے عرب کے ایک آخری پیغمبر سے غار حرا کی خلوتوں میں اس جلیل القدر فرشتے کو ملاقات کرتے ہوئے دیکھا جس کا مقدس نام جبرئیل علیہ السلام ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جب عرش الٰہی کی نامعلوم بلندیوں سے کرۂ گیتی کی طرف ایک لازوال سیل نور کی شکل میں خدا کی آخری کتاب اتر رہی تھی ـــــ جب خدا کا برگزیدہ ترین فرشتہ ایک امی انسان سے کہہ رہا تھا "پڑھ!" ـــــ "پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو تخلیق کیا ....."

تاریخ کا یہ عظیم ایقان واقعہ ہم سے تیرہ سو سال کے فاصلوں میں تو پہنچ گیا ـــــ ہمارے اور اس کے درمیان زمانہ کی ایک ناپیدا کنار خلیج حائل ہو گئی ـــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ـــــ وہ برگزیدہ فرشتہ زمین کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر افلاک کی بلندیوں پر پرواز کر گیا ـــــ مگر وہ الفاظ اپنے حسین معانی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں میں محفوظ ہیں جو اس سارے تاریخی واقعہ کا نچوڑ ہیں ـــ اور آج ہم اس مہینہ کے درمیان سے گذر رہے ہیں۔ جہاں سے یہ تاریخی واقعہ اپنے بے پناہ حسن و جمال کے جلو میں گذرا تھا! ـــ قرآن کے صفحات میں خدا کی آواز گونج رہی ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ـــــ یہ رمضان المبارک ٹھیک وہی مہینہ ہے جس کے مہینہ میں قرآن کی روشنی اتاری گئی تھی!

دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کا قافلہ کیوں خوف و ہراس اور مایوسی کی تاریکی میں بھٹک رہا ہے؟ ـ یہ لوگ کیوں سوچ رہے ہیں کہ ہماری منزل گم ہو گئی؟ کیا قرآن کی لازوال روشنی اس کے لئے کافی نہیں کہ جنت اور جہنم کے درمیان انسانی زندگی کو خالق حیات و کائنات کی سمت میں کشاں کشاں آگے لیجائے؟ ـــــ آج جبکہ رمضان المبارک کا ہاتھ غفلت کی نیندوں اور لذتوں کے نشے کو چاک کرتا ہوا قرآنی الفاظ سے گونجتی ہوئی مسجدوں کو وحی کی پکار پر کھینچے لئے جا رہا ہے۔ یہ بھٹکے ہوئے قافلے اس کے ساتھ کیوں نہیں ہو لیتے! ـ یہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اس پاگل کی طرح کیوں سن رہے ہیں جسکے کان تو سنتے ہیں مگر دماغ سن ہو جاتا ہے! ـ ہاں یہی وہ پیغام ہے جو روزے اور فاقے کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے یہی وہ کتاب ہے جو مغرب کی نماز کے وقت احساس نعمت اور نعمت کے درمیان خالق نعمت کی حسین یاد دلاتی ہے۔ یہی وہ روح ہے جو روزے کی عبادت میں جان ڈال کر اس عبادت کی

قیمت کو حیات و کائنات کے تمام تر خزانوں سے اونچا اٹھاتی ہوئی عرش کی ان پراسرار بلندیوں تک لیجاتی ہے جہاں خدا پکار پکار کر انسان سے کہہ رہا ہے کہ "روزہ بندگی کی وہ ادائے حسین ہے جس کا انعام میں خود ہوں!"۔

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ انسان جن کو زندگی نے اس عظیم ترین انعام کو پا لینے کا موقعہ دیا ہے اور کون جانے کہ یہ موقعہ کہیں زندگی کا آخری موقعہ تو نہیں!

ایک ابدی تباہی سے خود کو بچا لینے کا آخری موقعہ!

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند!

طاقت کے لئے

مقوی اعظم

(ایک خوراک چھ ماشہ ہے)

مقوی اعظم نہ صرف دماغ اور اعصاب کی تقویت کے لئے مجرب ہے، بلکہ عام جسمانی کمزوری کو رفع کرنے اور جوڑوں کے درد کا ازالہ کرنے کے لئے ایک معیاری ٹانک ثابت ہوا ہے چند ہی خوراکیں اپنا نمایاں اثر دکھلاتی ہیں۔ دس تولہ کی قیمت سات روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

طلب کرنے کا پتہ:- **قومی دواخانہ (ت) دیوبند (یو۔پی)**

ماہنامہ چراغ راہ کے چند خاص نمبر

اسلامی قانون نمبر (دو ضخیم جلدوں میں) آٹھ روپے۔
نظریۂ پاکستان نمبر (صفحات ۵۵۶) پانچ روپے۔
سالنامہ ۶۰ء ——— ڈیڑھ روپیہ۔

تجلی کے دو اہم نمبر

خاص نمبر ——— ڈیڑھ روپیہ۔
خلافت نمبر ——— ایک روپیہ۔

تذکرہ

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی شہرہ آفاق کتاب۔ جو ان کی تمام ہی تصنیفات میں مقبولیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتی ہے۔
قیمت مجلد سات روپے

اسلام کا فلسفۂ تاریخ

تاریخ کے [illegible] فلسفوں کی تشریح و توضیح انکی فکری لغزشوں کی نشاندہی اور اسلامی فلسفہ کے ساتھ [illegible] تقابل۔ مجلد پونے دو روپے

معروف و منکر

از نعیم صدیقی۔ سیاست و حاکمیت کے تعلق سے دین و دانش کی گفتگو۔ دلپذیر و رفیع۔ قیمت مجلد تین روپے۔

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب

اس دور کی تاریخ جب تاج محل کا خالق اپنی زندگی کے آخری لمحے پس دیوار زنداں گذار رہا تھا۔ جب مغلیہ سلطنت پر ادبار کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب شاہجہاں کی بوڑھی آنکھیں اپنے بیٹوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا دیکھ رہی تھیں۔ جب ہندوستان کی سیاست ایک نیا موڑ مڑ رہی تھی ایک عینی شاہد کے قلم سے۔ صفحات (۶۰۰) سے زائد۔ مجلد مع تحسین کور۔ قیمت بارہ روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند یو۔پی

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ

متوفی ۳۱۰ھ

حبیب الرحمٰن خیر آبادی۔

آپ کے نام سے اہل علم کا طبقہ ناآشنا نہیں۔ آپ قرآن پاک کی مشہور تفسیر "تفسیر ابن جریر طبری" کے مصنف ہیں اور یہ تفسیر اسلام میں پہلی تفسیر ہے جس میں آپ نے اپنی دماغی کوشش اور ذہنی کاوش سے بھی کام لیا ہے اور ہر موقعہ پر آپ کی شخصیت نظر آتی ہے۔ یہ تفسیر ام التفاسیر بولی جاتی ہے زمانہ مابعد میں جتنی تفسیریں لکھی گئی ہیں سب کی سب ماخوذ ہیں۔ ہر زمانہ میں اہل علم اسی کو سب سے بہتر تفسیر تسلیم کرتے چلے آتے ہیں، گویا تشریح قرآن کے لحاظ سے وہی پہلی تفسیر ہے اور وہی آخری تفسیر ہے آج تک کوئی تفسیر اس کے رتبہ کی نہیں لکھی جاسکی جیسا کہ آگے ہم مفصل ذکر کریں گے۔

نام ونسب اور ولادت

نام نامی محمد، ابوجعفر کنیت ۲۲۴ھ یا بقول بعض ۲۲۵ھ میں ملک طبرستان کے مشہور شہر آمل میں پیدا ہوئے اسی لئے آپ کی نسبت آملی بھی ہے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔

ابن ندیم نے یہ نسب یوں ذکر کیا ہے محمد بن جریر بن یزید بن خالد بن غالب۔

یعنی کثیر کے بجائے یزید کا باپ خالد کو بتایا ہے

طلب علم کیلئے سفر

جب وقت آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو آپ اپنے والد کی اجازت سے گھر سے باہر نکلے اور حصول علم کے لئے حجاز، بصرہ، کوفہ، مصر، شام اور بغداد وعراق کا سفر کیا۔

آپ بڑے صاحب جاہ وثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ جہاں بھی ہوتے آپ کے والد محترم اخراجات بھیجا کرتے اور جب خرچ پہونچنے میں دیر ہوجاتی اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکتا تو آپ اپنے کرتہ کی دونوں آستینوں کو پھاڑ کر فروخت کردیتے اور وہ اتنی قیمت کا ہوتا کہ کئی روز اس سے گذارا ہوجاتا:۔

ابوعباس جرجرائی کا بیان ہے کہ مصر میں ایک دفعہ اثناء سفر میں محمد بن اسحاق بن خزیمہ (متوفی ۳۱۱ھ) محمد نصر مروزی اور محمد بن ہارون ابردیانی (متوفی ۲۹۳ھ) کا ساتھ ہوا اور اتفاق سے سارا خرچ ختم ہوگیا اور نان شبینہ کو محتاج ہوگئے۔ مشورہ ہوا کہ قرعہ اندازی ہو جس کے نام قرعہ نکلے وہ بھیک مانگ کر لائے اور ساتھیوں کو کھلائے۔ خیر قرعہ ڈالا گیا تو محمد بن اسحق بن خزیمہ کے نام نکلا، انہوں نے فرمایا ذرا ٹھہریں وضو کرلوں اور استخارہ کی نماز پڑھ لوں غرض وہ نماز میں مشغول ہوگئے اتنے میں ایک شخص نے آکر دستک دی دروازہ کھولا گیا تو اس شخص نے ان حضرات میں سے ایک ایک کا نام لیکر پکارا اور ہر ایک کو پچاس پچاس اشرفیوں کی ایک ایک تھیلی دی، جب محمد بن اسحق کا نام پکارا تو ساتھیوں نے کہا وہ نماز پڑھ رہے ہیں وہ شخص ان کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تو ایک تھیلی ان کے بھی حوالہ کی ــــ اور کہا کہ مصر کے گورنر نے خواب میں دیکھا کہ محمد کی حالت بھوک سے بیتاب ہورہی ہے چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی یہ تھیلیاں بھیجی ہیں اور قسم دے کر یہ کہا ہے کہ جب ختم ہوجائیں تو طرور پیغام طلب کریں۔ میں پھر بھیجوں گا۔

اسی طرح بغداد میں بھی حادثہ پیش آیا کہ تمام سرمایہ آپ کا چوری گیا اور کپڑے بیچنے کی نوبت آئی ساتھیوں نے کہا وزیر

ابوالحسن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کے بچہ کو ٹیوشن پڑھا دیا کیجئے۔ آپ وزیر ابوالحسن کے پاس گئے اس نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور دس اشرفی ماہوار ٹیوشن مقرر ہو گیا۔ اور ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ لیکر پہلے اپنی ضروریات بہم پہونچائیں پھر اس کے بیٹے کو جس کا نام ابویحییٰ تھا پڑھانے لگے۔ جب پڑھانے کیلئے بیٹھے تو خدام و غلام آپ کو اپنے آقازادہ کے استاذ بننے پر مبارک باد دینے آئے اور ہر ایک نے خوشی میں ایک ایک کٹورہ اشرفیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں مگر آپ نے یہ کہکر کہ بیٹے تنخواہ اپنی مقرر کرلی ہے اس سے زیادہ کا مجھے حق نہیں، واپس کر دیا۔ آپ کی اس بے نیازی نے وزیر کی نگاہوں میں آپ کو یا وقعت بنا دیا۔

شیوخ

آپ نے بڑے جلیل القدر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور آپ کے اساتذہ دو چار نہیں بلکہ بکثرت ہیں ہم ذیل میں ان کے نام درج کرتے ہیں۔

سلیمان بن عبدالرحمٰن بن الطلی، عباس بن الولید، انس بن عبدالاعلیٰ احمد بن یوسف التغلبی، عبدالحمید بن بکار۔ یہ حضرات قرآن، تفسیر قرآن اور قراءت میں آپ کے استاذ ہیں۔

فقہ میں ابو مقاتل، داؤد ظاہری، ربیع بن سلیمان، حسن بن محمد زعفرانی، ابن عبدالاعلیٰ، اور محمد بن عبدالرحمٰن وغیرہ استاذ ہیں۔

فن حدیث میں حسب ذیل حضرات آپ کے استاذ ہیں۔

محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب الاموی، اسحاق بن ابی اسرائیل مروزی، اسمٰعیل بن محمد الفزازی، اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری، ابوبکر محمد بن علاء الہمدانی الکوفی، ابوسعید عبدالرحمٰن بن حسین بن سعید الاشج الکندی الکوفی، احمد بن منیع البغوی، ابوموسیٰ محمد بن المثنی الزمن البصری، ابوبکر محمد بن بشار البصری، عمرو بن علی الفلاس البصری یونس بن عبدالاعلیٰ البصری الصدفی، محمد بن حمید الرازی، بشر بن معاذ العقدی، عبیداللہ بن عبدالکریم ابوزرعہ رازی، ہناد السری ابوجریج، عبیداللہ بن اسمٰعیل الہباری، عمران بن موسیٰ، عباد بن یعقوب، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، عبدالاعلیٰ بن واصل سلیمان بن عبدالجبار، حسن بن قزعہ، بشر بن وحیہ، قاضی زہیر بن بکار، الفضل بن سہل، محمد بن ابی میسرہ المکی، علی بن سہل الرھائی، ابراہیم بن جز جانی، سلیمان ابن عمر بن خالد بن الاقطع، ابواسحٰق سعد ابی جوزجانی الرقی وغیرہ وغیرہ۔

علمی پایہ

آپ اپنے وقت کے زبردست مفسر، محدث اور فقیہ تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ آپ مختلف علوم و فنون کے ایسے جامع اور متبحر عالم تھے کہ بعد کے لوگوں میں بھی ایسی جامعیت بہت کم علماء کو نصیب ہوئی۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

"ایسا جامع اور متبحر عالم کوئی نہ تھا"

فقیہ ابوالعباس بن سریج جو صرف ایک واسطہ سے آپ کے شاگرد ہیں بیان کرتے ہیں۔

"ابن جریر طبری فقیہ العالم یعنی دنیا کے فقیہ ہیں"

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں آپ کی منقبت یوں تحریر فرماتے ہیں

"اگر میں چاہوں تو آپ کے حالات بیس ورق میں لکھ سکتا ہوں"

آپ نحو و تاریخ کے بڑے ماہر تھے اور قرآن و حدیث تو آپ کا خاص فن تھا فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، منطق و فلسفہ میں بھی بڑی مہارت تھی، کتاب اللہ کے حافظ، تمام قراءتوں اور ان کے اختلافات سے واقف، قرآن کے معانی و اسرار کے زبردست عالم، طرق حدیث کے ماہر صحیح و سقیم اور ناسخ و منسوخ کے بہترین قسم کے نقاد و مبصر، مسائل میں صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کی رایوں سے پوری پوری طرح آگاہ۔

غرض آپ جامع العلوم تھے اسی بنا پر ابواسحٰق شیرازی نے آپ کو ائمہ مجتہدین میں سے شمار کیا ہے اور دوسرے علماء نے بھی اکثر آپ کو ائمہ مجتہدین کا ہم پلہ تسلیم کیا ہے۔

آپ کا ہر قول "قول فیصل" سمجھا جاتا ہے آپ کا تفضل و کمال اور جلالت شان اس سے ظاہر ہے کہ علوم دین اور خصوصاً تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع از بس ضروری ہے۔

قاضی ابن کامل تحریر فرماتے ہیں

چار شخصوں کی موت سے بہت زیادہ صدمہ ہوا میری تمنا تھی کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں

ایک امام ابوجعفرؒ دوسرے علامہ بربریؒ، تیسرے ابوعبداللہ بن ابی ہیثمہ، چوتھے متمریؒ۔ یہ چاروں حضرات

نہایت قوی الحافظہ اور ذکی و ذہین تھے"

علاوہ ازیں فن شعر، لغت اور زبان عرب کے بھی بڑے ماہر تھے۔ اشعار فی البدیہہ کہا کرتے تھے نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اذا عسرت لم یعلم رفیقی	جب میں تنگدست ہو جاتا ہوں تو میرے دوست کو خبر نہیں ہوتی۔
واستغنی فیستغنی صدیقی	اور جس وقت خوشحال ہو جاتا ہوں تو میرا دوست بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔
حیائی حافظ لی ماء وجھی	میری حیا میری عزت و آبرو کی حفاظت کیا کرتی ہے۔
وسرفقی فی مطالبتی رفیقی	اور میری مرضی میری خواہش میں میری رفیق ہوتی ہے۔
ولو أنی سمعت بیذل جھلی	اگر مجھے اپنی شرم و حیا کا خیال نہ ہو۔
لکنت ابی الغنی سھل الطریق	تو بڑی آسانی کے ساتھ دولت حاصل کر سکتا ہوں۔

حسب ذیل اشعار بھی آپ ہی کی طرف منسوب کر کے نقل کئے گئے ہیں۔

خلقان لا ارضی طریقھما	دو عادتیں ایسی ہیں جنھیں میں بہت ناپسند کرتا ہوں۔
بطر الغنی ومذلۃ الفقر	دولت کا غرور ——— اور محتاجی کی ذلت۔
فاذا غنیت فلا تکن بطرا	جب تم دولتمند ہو جاؤ تو غرور نہ کرو۔
واذا افتقرت فلا تکن ضجرا	اور جس وقت محتاج ہو جاؤ تو زمانہ والوں پر غرور کا اظہار نہ کرو۔

غرض خدائے تعالیٰ نے ہر علم میں آپ کو حظ وافر عطا فرمایا اور ہر چیز میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی۔

ذکاوت اور ذہانت اور قوت حافظہ

آپ بڑے قوی الحافظہ تھے، احادیث کی اسناد صرف یاد ہی نہیں رکھتے بلکہ رُواۃ کے حالات کی بھی پوری خبر رکھتے تھے۔ اور حدیث کے صحت وسقم کو خوب پہچانتے تھے۔

علامہ ابن ندیم لکھتے ہیں

"ابو جعفر طبری کا حافظہ بڑا قوی تھا"

قدرت نے آپ کو ذہانت و ذکاوت سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن الفرج کے غلام نے آکر بیان کیا کہ میرے آقا نے ایک باندی خریدی اور میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ میں اس سے بڑی محبت کرتا۔ لیکن وہ مجھ سے نفرت کرتی حتی کہ مجھے دق کر دیا تو میں نے قسم کھائی کہ "جو تو مجھے کہے وہ میں تجھ سے نہ کہوں تو تجھے تین طلاق" میرے قسم کھاتے ہی اس نے فوراً کہا تجھ کو تین مغلظ طلاق ہیں"

اب میں بڑے پس وپیش میں پڑ گیا۔ بغداد کے تمام فقہاء نے یہ کہا کہ تم پر جواب دینا لازم ہے ورنہ عورت پر طلاق پڑ جائیگی اور قسم کا کفارہ مزید دینا ہوگا۔ میں اسی پس وپیش میں رہا کہ ایک شخص نے امام طبری کا مجھے پتہ دیا۔ میں آپ کی خدمت میں آیا اور صورت حال بیان کی آپ نے فرمایا جاکہہ کہ "آئندہ قسم نہ کھانا کہ تجھ کو تین مغلظ طلاق ہیں" چنانچہ اس سے اس کا جواب بھی ہو گیا جس سے قسم اٹھ گئی اور طلاق بھی واقع ہوئی ——

ایک دوسرا جواب بھی آپ نے بیان فرمایا کہ اگر وہ انت طالق" لام کے زبر کیساتھ کہتا تو حانث نہ ہوتا اور طلاق بھی نہ پڑتی۔

تصنیفات وتالیفات

آپ نے تفسیر، حدیث تاریخ، سیر، رجال، اسانید فقہ مختلف فنون میں بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں

علی بن سمعانی جو خطیب بغدادی کے استاد ہیں بیان کرتے ہیں کہ ابن جریر چالیس برس تک روزانہ چالیس ورق لکھتے تھے"

ابو بکر باقلانی کے تذکرہ میں ہے

"آپ کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ شب میں تیس رکعت یا چالیس رکعت نفل پڑھتے تھے اور کبھی اس معمول میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا اور جب نمازوں سے فارغ ہوتے تو اپنی زبانی یادداشت سے

پینتیس ورق تصنیف فرماتے"

قاضی القضاۃ عبدالجبار (صاحب تنزیہ القرآن عن المطاعن) کے حالات میں ہے کہ

"ابن جریر طبری نے کل چار لاکھ ورق تصنیف کیے"

ابو محمد فرغانی مکملہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"امام طبری کے شاگردوں نے زمانہ بلوغ سے وفات کے دن تک کے تصنیفی مجموعے کو دنوں پر تقسیم کرکے حساب لگایا تو یومیہ چودہ ورق یعنی اٹھائیس صفحات ہوتے ہیں"

اور ظاہر ہے کہ پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ زمانہ بلوغ کے بعد بہت دنوں تک پڑھتے رہے اور غالباً پڑھ لینے کے بعد ہی لکھنا شروع کیا ہوگا اس لحاظ سے روزانہ کے نہ جانے کتنے اوراق پڑھ جائیں گے۔ الحمد علی ذلک۔

اب آپ ان کی تصنیفات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) تفسیر جامع البیان:- یہ وہی تفسیر ہے جو تفسیر ابن جریر کے نام سے مشہور و معروف ہے جس کا مختصر تعارف شروع میں ہم کرا چکے ہیں۔ یہ ام التفاسیر کہی جاتی ہے زمانہ مابعد کے لوگوں نے جتنی تفسیریں لکھی ہیں سب اسی سے ماخوذ ہیں یہ وہ عظیم الشان تفسیر ہے جس کو ہر زمانہ میں اہل علم پسند کرتے چلے آتے ہیں اور اسلام میں مکمل تفسیروں میں یہ پہلی تفسیر ہے۔ اور یہ ایسی جامع تفسیر ہے کہ آج تک اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ غرض تفسیر میں اس کا مقام سب سے اونچا ہے۔

ابن ندیم اپنی فہرست میں اس تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لم یعمل احسن منہا	اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے

لم یصنف احد مثلہ	اس جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔

اصاحب مفتاح السعادۃ ان وقیع الفاظ میں اس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

اجل التفاسیر و اعظمہا	یہ تفسیر تمام تفسیروں میں بلند مرتبہ کی ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں۔

"ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تفسیر جریر جیسی کوئی تفسیر تصنیف نہیں کی گئی"

ابو حامد اسفرائینی بیان کرتے ہیں

"تفسیر ابن جریر کو حاصل کرنے کیلئے کوئی چین جانکی مشقت اٹھائے تو بھی کوئی بڑی بات نہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ توجہ کی مستحق ہے"

علامہ سیوطی کا بیان ہے

"ابن جریر مختلف اقوال معانی لکھتے ہیں اور پھر اسمیں ہر ایک کے صحت و سقم سے بھی بحث کرتے ہیں اور دلیل سے راجح و مرجوح قرار دیتے ہیں ان وجوہ کی بنا پر یہ تفسیر متقدمین کی تمام تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے"

اس تفسیر کو امام ابن جریر طبری نے اس طور پر لکھا ہے کہ خود بولتے جاتے تھے اور ابو بکر ابن ابابویہ لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

"ابن خزیمہ محدث نے ابن بابویہ سے دریافت کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے تفسیر ابن جریر املا کرائی ہے؟ بولے جی ہاں! ——— میں نے ہی لکھی ہے! ——— پھر ابن خزیمہ نے پوچھا ابن جریر بولتے گئے اور تم لکھتے گئے؟ ——— انہوں نے کہا ہاں! اسیطرح لکھی ہے۔ پھر بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا کہ پوری اسیطرح لکھ ڈالی۔ ابن بابویہ نے کہا ہاں پوری۔ پھر انہوں نے پوچھا کتنے برس میں لکھی؟ بولے "۳۰۳ھ سے ۳۱۰ھ تک یعنی سات برس میں۔ پھر ابن خزیمہ نے وہ تفسیر ان سے بطور عاریت لی اور مطالعہ کرنے لگے۔ چنانچہ کئی برس کے بعد واپس کی اور فرمایا میں نے شروع سے آخر تک تمام پڑھ ڈالی۔ پھر بولے میری نظر میں روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے"

علامہ ابن جریر کو اس تفسیر کے لکھنے میں غیبی مدد بھی حاصل ہوتی رہی چنانچہ وہ خود بیان فرماتے ہیں۔

دو تین سال پہلے میں نے استخارہ کیا تھا اور خدائے تعالیٰ سے مدد طلب کی تھی کہ اے اللہ تو تفسیر لکھنے میں میری مدد فرما لہٰذا میرا یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ کی پوری اعانت اور مدد اس میں شامل رہی ہے"

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ ابن جریر نے جو کچھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے یہ تفسیر کا صرف دسواں حصہ لکھا ہے چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ تفسیر لکھنے سے پہلے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ میں تفسیر لکھوں تو تم لوگ اس سے خوش ہوگے؟ شاگردوں نے التماس کیا کہ تفسیر کتنی بڑی ہوگی؟ آپ نے فرمایا تیس ہزار اوراق میں۔ شاگردوں نے کہا کہ پھر تو اس کے پڑھتے پڑھتے عمری ختم ہو جائے گی اس کم ہمتی پر آپ نے انا للہ پڑھی اور جسقدر تفسیر کرنے والے تھے اس کا دسواں حصہ ہی کیا اللہ اکبر اگر وہ اپنے ارادے کے مطابق ساری تفسیر کر ڈالتے تو نہ معلوم کتنی ضخیم کتاب ہوتی اور اس کے رکھنے کیلئے کتنی الماریاں درکار ہوتیں۔

(۲) تاریخ الامم والملوک:۔ جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور رہے، مطبوعہ کتابوں میں تاریخ الرسل والملوک نام چھپا ہوا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے آفرینش عالم سے لیکر ۳۰۲ھ تک کی تاریخ لکھی ہے۔

کاتب چلپی نے نسخہ دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ موجودہ نسخہ اصل نسخہ کا مختصر ہے"۔

ابو محمد عبید اللہ ہمدانی نے اس کا تکملہ لکھا ہے اور ۳۲۱ھ تک اس کو پہونچایا ہے۔

ابن ندیم لکھتے ہیں

"ہمارے زمانہ تک بہت سے لوگوں نے اس کا تکملہ لکھا ہے لیکن وہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ وہ لوگ نہ اہل علم ہیں نہ ہی حکومت سے ان میں کوئی تعلق رہا کہ ان کو حکومت کے احوال کی خبر ہو"

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

کاتب چلپی نے لکھا ہے کہ اس کا ترکی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ابو محمد بلعمی نے ۳۵۲ھ میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور قدوۃ العلماء عالم شریعت وطریقت امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی دامت برکاتہم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے مگر افسوس کہ صرف پہلی ہی جلد کا ہے۔

مغالطہ اور اس کا ازالہ

چونکہ تاریخ طبری کے نام سے کئی کتابیں ہیں اس لئے بسا اوقات لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور تاریخ طبری کے نام سے بھی ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی تصنیف کردہ کتاب کیطرف ذہن جاتا ہے۔ بلکہ بعض لکھنے والے حضرات بھی بڑی صریح غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ دوسری تاریخ طبری سے نقل کر کے کوئی چیز لکھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

واضح رہے کہ تاریخ طبری کے نام سے تین کی ایک کتاب ہے جس کا نام "ایضاح المسترشد" ہے جو محمد بن جریر بن رستم طبری رافضی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اس نے واقعات اور روایات اپنے عقائد کے مطابق درج کئے ہیں۔

دوسری ایک اور کتاب بھی تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے جس کا اصل نام "السلافۃ بمنشأ والخلافۃ" ہے گیارہویں صدی ہجری یعنی ۱۰۹۱ھ کی تالیف ہے جس کو عبد القادر ابن محمد الحسینی الطبری (متوفی ۱۰۳۱ھ) نے تصنیف کی ہے جو کہ معتزلہ کے متفق تھے۔

(۳) تاریخ الرجال من الصحابۃ والتابعین:۔ یہ کتاب تاریخ طبری کے ضمیمہ کے طور پر چھپ گئی ہے اور اس کا نام "الذیل المذیل من تاریخ الرسل والملوک" رکھا گیا ہے۔

(۴) کتاب احکام شرائع الاسلام:۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے اجتہادی مسائل تحریر فرمائے ہیں جو بیالیس ابواب میں منقسم ہے

(۵) کتاب الخفیف:۔ یہ کتاب فقہ میں ہے اس کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ عباس ابن الحسین (وزیر بغداد) نے فقہ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اس کے لئے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی اس کتاب کے لکھنے پر اس نے آپ کو ایک ہزار اشرفیاں بطور انعام پیش کیں مگر آپ نے قبول نہ کیا اس نے دوبارہ درخواست کی اور کہا

لے لیجئے خیرات کر دیجئے گا تو آپ نے فرمایا

انتم اولی باموالکم واعرف بمن تم اپنے مالوں کے زیادہ مستحق ہو تم ہی خیرات کرو

تصدقون علیہ:۔ مجھے وکیل بننے کی ضرورت نہیں۔

(۶) کتاب المبسوط:۔ ابن ندیم نے غالباً اسی کا نام کتاب البسیط لکھا ہے یہ کتاب بھی فقہ میں ہے مگر افسوس کہ پوری نہ ہو سکی صرف حسب ذیل ابواب ہیں۔

کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الوصایا، کتاب ادب القاضی، کتاب الشروط الکبیر، کتاب المحاضر والسجلات

علامہ سبکی کا بیان ہے کہ صرف کتاب الطہارۃ ڈیڑھ ہزار اوراق میں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر مسئلہ صحابہ و تابعین کا اختلاف مع سند کے ذکر کیا ہے اور اس کے ادلہ سے بھی بحث کی ہے پھر آخر میں اپنا مذہب مختار اور اس کے وجوہ ترجیح بیان فرماتے ہیں اس سبب سے کتاب باوجود مکمل نہ ہونے کے اچھی خاصی ضخیم ہو گئی۔

(۷) کتاب اللطیف:۔ یہ کتاب بھی فقہ میں ہے فقہاء جس طرح فقہ میں مبسوط لکھتے ہیں اسی طرح کی آپ نے بھی یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔

(۸) کتاب المسترشد:۔ یہ بھی فقہ میں ہے واضح رہے کہ اسی نام کے مشابہ "ایضاح المسترشد" بھی ایک کتاب ہے جو تاریخ میں ہے اور محمد بن جریر ابن رستم رافضی کی لکھی ہوئی ہے لہذا دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

(۹) کتاب الآثار:۔ اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام احادیث سند کے ساتھ جمع کی ہیں اور بڑی عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں آپ نے اور سندوں پر بھی بحث کی ہے مطالب و نکات بھی ہیں اور حل لغات بھی، حتی کہ عقلی طور پر جو اعتراضات مدعیان عقل یا بے دین لوگ کیا کرتے ہیں ان کے تفصیلی جوابات بھی درج ہیں۔

اسی طرح عشرہ مبشرہ، اہل بیت اور موالی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مسانید بھی لکھے ہیں۔ غرض یہ کتاب آپ کی تصنیفات میں عجیب ہی ہے یعنی ایک ہی وقت میں حدیث بھی ہے شرح حدیث بھی۔ مسند بھی ہے سنن و اطراف بھی، فقہ بھی ہے اصول فقہ بھی اور فقہ کسی ایک کی نہیں بلکہ بہت سی فقہوں کا مجموعہ ہے اسی طرح لغات بھی ہیں اور معارف و نکات بھی غرض اس قسم کی جامع کتاب دیکھنے میں تو کیا سننے میں بھی نہ آئی ہوگی چنانچہ صاحب کشف الظنون ان وقیع الفاظ میں اس کی توصیف فرماتے ہیں۔

وھو کتاب تفرد فی بابہ بلا مشارک:۔ یہ ایسی کتاب ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔

(۱۰) آداب النفوس:۔ یہ بھی بالکل انوکھی کتاب ہے اس میں ہر عضو انسان کے جو شرعی اعمال ہیں خواہ واجب ہوں یا حرام، سنت ہوں یا بدعت، مستحب ہوں یا مکروہ سب ہی کا ذکر ہے اور یہی نہیں بلکہ ان کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ بھی نقل فرمائی ہیں، ساتھ ہی صوفیاء کرام اور عباد و زہاد کے کلام مع ان کے واقعات درج کئے ہیں پھر اپنی رائے میں جو صحیح ہو اس کو ترجیح بھی دی ہے۔

(۱۱) آداب المناسک:۔ اس کتاب میں حج کے سلسلہ کے جتنے مسائل ہیں ان سب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور گھر سے نکلنے کے وقت سے صبح ختم ہونے تک جتنے آداب و مسائل کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔

(۱۲) شرح السنۃ:۔ اس کتاب میں بھی اپنے مذہب کا مفصل بیان مع وجوہ ترجیح ذکر کیا ہے اس میں تمام صحابہ اور تابعین اور فقہاء امصار کے آراء کا مفصل ذکر ملتا ہے۔

(۱۳) المسند المخرج:۔ افسوس کہ یہ کتاب بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس میں آپ نے یہ التزام کیا تھا کہ ہر ایک صحابی سے جتنی بھی روایتیں ہیں خواہ ضعیف ہوں یا صحیح سب یکجا جمع کر دیجائیں۔

(۱۴) کتاب الفضائل:۔ اس میں خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے مناقب ہیں۔

اس میں آپ نے غدیر خم کی حدیث کو صحیح ثابت کیا ہے اور بڑی تفصیل کیساتھ بحث کی ہے۔

(۱۰) کتاب المشذ وس:۔ اس کتاب کا پتہ نہیں کہ کس فن میں ہے نہ ہی کتاب کے خصوصیات وغیرہ معلوم ہو سکے۔
(۱۶) کتاب الاشتقاق:۔ اس کتاب کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کس فن میں ہے

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی کتابیں مختلف موضوع پر آپنے تصنیف فرمائی ہیں۔

اخلاق وعادات

آپ کے اخلاق بڑے پاکیزہ تھے، بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے طبیعت بڑی قانع پائی تھی والد کی حیات میں جو کچھ ان کے پاس سے آجاتا تھا اسی پر قناعت کرتے تھے اور والد کے انتقال کے بعد متروکہ جائداد کی تھوڑی بہت جو آمدنی آجاتی تھی اسی پر گذارہ کرتے۔

آپ کے اندر صفت استغنا اور بے نیازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی چنانچہ اس سلسلہ کے بہت سے واقعات آپ کے مشہور ہیں۔ کتاب الخفیف جسوقت آپ نے تصنیف فرمائی تو آپ کو ایک ہزار اشرفیاں پیش کیگئیں۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ایک بار خلیفہ المکتفی باللہ کو ضرورت پیش آئی کہ ایسا وقف نامہ مرتب کیا جائے جس سے کسی بھی گروہ کو اختلاف نہ ہو۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور آپ نے برجستہ وقف نامہ لکھوایا جسوقت آپ واپس ہونے لگے تو خلیفہ نے بہت بڑا انعام پیش کرنا چاہا لیکن آپ نے بڑی شان استغناء کے ساتھ فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔ بعض درباریوں نے کہا کہ قبول فرمالیجئے بادشاہ کا انعام قبول نہ کرنا مناسب نہیں، لیکن آپ برابر یہی کہتے رہے کہ مجھے ضرورت نہیں۔

یہ دیکھکر خلیفہ نے درباریوں کو اشارہ کیا کہ کوئی فرمائش ہی کریں چنانچہ پھر آپ سے کہا گیا۔ یا تو انعام قبول کیجئے یا کوئی فرمائش کیجئے آپ نے فرمایا ہاں میری ایک فرمائش ہے وہ یہ کہ کوتوال کو حکم دیا جائے کہ جمعہ کے دن مانگنے والوں کو مقصورہ میں نہ آنے دے۔

اسی طرح کسی قسم کا عہدہ قبول کرنے سے بھی بہت دور بھاگتے چنانچہ جب قاضی القضاۃ کو وزارت ملی تو اس نے قضاء کا عہدہ پیش کیا آپ نے انکار کردیا پھر مظالم کا عہدہ پیش کیا اسے بھی قبول نہ کیا۔

آپ حاسدین اور بے دین لوگوں کے اتہام اور ایذا رسانی پر صبر کرتے۔ آپ علم و بیان میں کبھی حق راہ نہ چھوڑتے اور کسی کی ملامت کا خیال نہ کرتے

اہل حکومت سے بھی کبھی مرعوب نہ ہوتے چنانچہ ابو سعید عثمان بن احمد دینوری فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ابن جریر طبری کی مجلس میں حاضر تھا ایک شخص قراءت کر رہا تھا اتنے میں وزیر نصل بن جعفر بن الفرات آگئے۔ وزیر کو دیکھکر پڑھنے والا خاموش ہو گیا تو آپ نے پوچھا "کیوں خاموش ہو گئے" اس نے وزیر کی طرف اشارہ کیا اس پر آپ نے فرمایا جب تمہاری باری پڑھنے کی ہو تو دجلہ فرات کی پرواہ نہ کرو۔

طبیعت بہت غیور واقع ہوئی تھی اگر دوستوں کے یہاں سے ہدیہ میں کوئی چیز آتی تو سنت کے خیال سے قبول فرمالیتے اور اس سے کہیں زیادہ چیز بھیجکر مکافات فرمادیتے اور بعض دفعہ تو اتنا زیادہ بھیجتے کہ اس کی مکافات دوستوں کی طاقت سے باہر ہوتی۔

زہد وورع اور دینی حمیت

آپ بڑے زاہد و پرہیزگار تھے دنیا کی آلائشوں سے سخت نفرت تھی اسی لئے کبھی اس کی طرف التفات نہ کرتے۔ آپ ہر کام میں آخرت کو پیش نظر رکھتے تھے۔

ابو علی طوماری بیان فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن مجاہد کے تراویح پڑھتے جاتے وقت آگے آگے قندیل لیکر چلا کرتا تھا۔ رمضان مبارک کی اخیر راتوں میں ایک مرتبہ ابو بکر نماز کیلئے گھر سے نکلے اور مسجد میں داخل ہونے کے بجائے آگے بڑھ گئے اور ابن جریر کی مسجد کے دروازے کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ وہاں ابن جریر کو دیکھا کہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں اور اس وقت سورہ الرحمن پڑھ رہے تھے۔ سورہ الرحمن اول تو خود عروس القرآن ہے پھر علامہ ابن جریر کا خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا

سونے پر سہاگہ کا کام کر رہا تھا۔ ابو علی فرماتے ہیں کہ ابو بکر بڑے انہماک کیساتھ سنتے رہے میں نے ان سے کہا جلد چلئے وہاں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تو مجھے انہوں نے ڈانٹ کر کہا کہ چپ رہو۔ دیکھو یہ شخص کتنا بہترین قاری ہے۔

محمد بن علی بن محمد بن سہل کا بیان ہے کہ ایک بار ابن جریر اور ابن صالح الاعلم کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ اثناء گفتگو میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر آگیا۔ ابن جریر نے ابن صالح سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص حضرات شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کو رشد و ہدایت کا امام نہ مانے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن صالح بولے ایسا شخص بدعتی ہے۔ ابن جریر نے کہا وہ بدعتی ہے بدعتی ہے اس کی گردن اڑا دی جائے اس کی گردن اڑا دی جائے۔

عقیدہ رفض کی تحقیق

آپ کے اوپر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ رافضی اور بے دین تھے اس اتہام کی وجہ یہ ہوئی کہ ابو داؤد نے حدیث خم کی حدیث میں کلام کیا ہے تو اس پر آپ نے "کتاب الفضائل" لکھی اور اس پر غدیر خم کی حدیث کو صحیح ثابت کیا۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس بحث کو جس کو ابن جریر نے حدیث خم کے متعلق لکھی ہے دیکھی اور بہت متعجب ہوا آپ نے اس حدیث کو کیونکر اتنے کثیر طرق سے بیان فرمایا اور انھیں محفوظ کیا۔

مگر محض اس حدیث خم کو صحیح ثابت کرنے سے آپ پر شیعہ و رافضی ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ آپ نے ایک محدث کی حیثیت سے (جن طریقوں سے وہ حدیث پہونچی) انھیں نقل کر دیا اور یہی محدث کا فریضہ ہے تو آپ نے اس حدیث غدیر خم کے متعلق محض اپنا محدثانہ فرض انجام دیا پس یہ ان کے رافضی ہونے کی دلیل کسی طرح نہیں بن سکتا۔

تجارب الامم میں ابن سکویہ نے علی بن عیسیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو لوگ آپ پر رافضی یا بد دین ہونیکا الزام لگاتے ہیں ان سے اگر رفض و الحاد کے معنی پوچھے جائیں تو نہیں بتا سکتے چہ جائیکہ آپ پر اس الزام کو ثابت کریں۔

اسی کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جس وقت آپ نے "اختلاف العلماء" تصنیف کی تو چونکہ اس میں آپ نے حضرت امام احمد بن حنبل کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہ کیا اور اس کی وجہ جیسا کہ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے یہ ہے کہ آپ سے جب اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے ان کے محدث ہونے کا اقرار کیا لیکن ان کے فقیہ ہونے کا انکار کیا لہٰذا یہ چیز حنابلہ کو بڑی ناگوار ہوئی اور آپ کے زمانہ میں حنابلہ کا بہت زور تھا لہٰذا انہوں نے آپ پر زیادتی کی اور غیظ و غضب میں آکر آپ پر رافضی اور بد دین ہونے کا الزام لگایا۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی بیان کیجاتی ہے کہ ایک روز حنابلہ نے جامع مسجد میں آپ سے یہ سوال کیا کہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً جو فرمایا گیا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کیساتھ ساتھ عرش پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھیں گے آپ نے اس پر یہ شعر پڑھا ؎

سبحان من لیس لہ انیس ٭ پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی اور ساتھی نہیں۔
ولا لہ فی عرشہ جلیس ٭ اور نہ عرش پر کوئی اس کا جلیس و ہمنشیں ہے

حنابلہ نے امام احمد بن حنبل کے اختلاف کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں اتنا کہنا تھا کہ حنابلہ بگڑ گئے اور آپ سے اختلاف شروع کر دیا اور آپ پر رفض اور بے دینی وغیرہ کا الزام لگایا۔

بہرحال اگر ابن جریر نے امام احمد بن حنبل کو ائمہ ثلثہ کے درجہ میں نہیں رکھا تو اگر محض اتنی ہی بات پر وہ متہم ہو سکتے ہیں تو پھر ابن جریر کی کیا تخصیص ہے محمد بن عبد الرحمٰن السمرقندی السخاوی نے بھی اپنی کتاب "عمدۃ الطالب لمعرفۃ المذاہب" میں کچھ اس قسم کی باتیں لکھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی امام احمد بن حنبل ائمہ ثلاثہ کے درجہ میں نہ تھے بلکہ انہوں نے تو داؤد ظاہری اور اہل تشیع کے درجہ میں لا گردانا ہے۔

علامہ غزالی نے "وجیز" میں اور علامہ نسفی نے "وافی" میں امام احمد کا تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح ابن قتیبہ نے بھی "معارف" میں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اور علامہ

طحاوی نے "اختلاف الفقہاء" میں، علامہ دبوسی نے "تاسیس النظر" میں، علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الاصیلی المالکی نے بھی کتاب الدلائل لامہات المسائل میں کہیں امام احمد کا تذکرہ نہیں کیا ہے تو نعوذ باللہ یہ سب حضرات بھی رافضی، شیعہ اور بددین ٹھیرے آپ کے رفض کی ایک تیسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ وضوء کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وضوء میں پیر کا دھونا واجب نہیں۔ چونکہ یہ عقیدہ اہل تشیع کا ہے اس لئے آپ کو بھی شیعوں میں شمار کرلیا گیا۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی بے بنیاد ہے۔ آپ کی کسی تصنیف سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ نے یہ بات اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع دونوں سے قطع نظر ہو کر ایک بار فرمائی کہ منہ اور ہاتھ کا صرف دھونا واجب ہے اور پیروں کا دھونے کے ساتھ ساتھ ملنا اور رگڑنا بھی واجب ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے تو کسی جزئی مسلک میں اگر کوئی کسی کا مسلک اختیار کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے گروہ سے نکل گیا۔ یہ بہت سے علماء شوافع اور مالکیہ جزئی مسائل میں حنفیہ کے ساتھ متفق ہیں تو کیا وہ حنفی ہو گئے؟

علامہ جصاص الرازی نے "احکام القرآن" میں آیت "لاتدرکہ الابصار" کی تفسیر بعینہ معتزلہ کے عقائد کے مطابق کی ہے تو کیا وہ اہل سنت والجماعت کے گروہ سے خارج ہو گئے۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جزئی اختلاف کسی محقق کا اس کی تحقیق میں اس کی گمراہی، بددینی اور رفض تک نہیں پہنچاتا۔

وفات آپ نے ستاسی سال کی عمر میں سنہ ۳۱۱ھ میں شوال کے مہینہ میں سنیچر کے دن شام کو وفات پائی۔

ابوبکر دینوری بیان کرتے ہیں کہ انتقال کے دن ظہر کے وقت آپ نے وضوء کے لئے پانی مانگا۔ آپ سے کہا گیا کہ حضور ظہر کو اخیر وقت میں پڑھئے اور عصر کو اول وقت پڑھ لیجئے گا۔ یعنی جمع صوری فرمالیجئے۔ اور یہ باتفاق تمام علماء جائز ہے۔ مگر آپ نے مؤخر نہ کیا اور ظہر و عصر دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں تازہ وضوء کرکے پڑھا اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا۔ پھر آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ اس وقت آپ کے پاس بہت سے اصحاب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ وفات کے قبل آپ سے کہا گیا "آپ ہمارے اور خدا کے درمیان حجت ہیں آپ ہم لوگوں کو کچھ وصیت فرمادیجئے جو ہمارے آخرت کے لئے کام آئے"۔ آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اسی کی وصیت کرتا ہوں جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھدیا ہے اسی پر تم لوگ عمل کرو۔

یہ کہہ کر کثرت سے کلمہ شہادت پڑھنے لگے اور اللہ کا ذکر کرنے لگے پھر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھیں بند کرلیں اور دونوں ہاتھوں کو سیدھی پھیلا دیئے اور روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات کی کسی کو خبر نہ دی گئی لیکن اس کے باوجود بیشمار آدمی آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ اور ۲۶ شوال بروز یکشنبہ صبح کے وقت بصد اندوہ و غم اس عالم جلیل کو سپرد خاک کیا گیا۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ یکشنبہ کو وفات پائی اور دوشنبہ کے روز صبح کو مدفون ہوئے۔

آپ کی قبر مصر قرافہ صغری میں بتائی جاتی ہے، چنانچہ ابن خلکان خود ذکر کرتے ہیں:-

"میں نے مصر قرافہ صغری میں سفح مقطم کے پاس ایک کتبہ دیکھا جس پر یہ لکھا ہوا تھا:-
ھذا قبر ابن جریر الطبری" یہ ابن جریر طبری کی قبر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اردو **منہاج العابدین** امام غزالی کی سب سے آخری تصنیف جو آپکی پوری زندگی کی تعلیمات و ارشادات کا خلاصہ اور فن تصوف کا نچوڑ ہے۔ مجلد چھ روپے۔

قرآن و حدیث منکرین حدیث کی تنقید میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک لاجواب کتاب۔ قیمت ایک روپیہ

آنکھوں کی صحت کا ضامن

دُرِّ نجف سُرمہ

- ایک تولہ پانچ روپے
- چھ ماشہ تین روپے
- ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ
- تین شیشی یکجا منگانے پر ڈاک خرچ معاف
- مزید تفصیلات ٹائٹل کے کسی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جسے صرف مریض ہی آنکھوں والے نہیں، بلکہ صحت مند آنکھوں والے بھی استعمال فرماتے ہیں۔ کیونکہ یہ بینائی کو گھٹنے نہیں دیتا۔ اپنے یہاں کے ایجنٹ سے خریدیئے۔ اس میں ڈاک خرچ کی بچت ہوگی۔ نہ ملے تو براہ راست نیچے لکھے ہوئے پتے سے طلب کیجئے

دار الفیض رحمانی دیوبند (یوپی)

حدیث غزوۂ قسطنطنیہ پر استفسار

از: مظہر عزیز سہیل بی۔ اے گورکھپور

تمہید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بخاری شریف میں ہے شاید وہ ایک طویل حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے راویوں کے اختلاف اور جداگانہ ابواب کی تقسیم کے سبب سے چھ جگہ بیان کیا ہے۔ جلد اول کتاب الجہاد کے (۱) باب الدعا بالجہاد میں (۲) باب غزوۃ المرأۃ فی البحر میں (۳) باب من یصرع فی سبیل اللہ میں (۴) باب رکوب البحر میں (۵) باب ما قیل فی قتال الروم میں (۶) جلد دوم کتاب الاستیذان کے باب من زار قوماً فقال عندھم میں۔

ہم ان چھوں روایتوں کو جمع کرکے ایک مربوط اور مسلسل عبارت میں ان کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔ (شک راوی کو ہم نے قصداً حذف کر دیا ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ام حرام بنت ملحان زوجۂ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کے یہاں اکثر جاتے تھے۔ حضرت ام حرام کی عادت تھی کہ وہ آپؐ کی خدمت میں کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور پیش کیا کرتی تھیں۔ ام حرام نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک بار حضورؐ دوپہر میں میرے گھر تشریف لائے تو میں نے حضورؐ کے سامنے کھانے کی کوئی چیز پیش کی اور قریب ہی بیٹھ کر آپؐ کے سر مبارک میں جوئیں تلاش کرنے لگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے قریب ہی کسی چیز سے ذرا ٹیک لگائی اور سو گئے یکایک تھوڑی دیر کے بعد آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا بات ہوئی جس پر آپ کو ہنسی آگئی۔ آپؐ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ خواب میں میرے سامنے لائے گئے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کو نکلے تھے اور اس سمندر کی پشت پر اس طرح شان اور اطمینان سے بیٹھے چلے جا رہے تھے کہ جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر ہوں۔ مجھے ان کو دیکھ کر تعجب اور خوشی سی ہوئی۔ میری امت کی جو پہلی فوج بحری جہاد کرے گی اُن لوگوں نے تو (اپنے اوپر جنت) واجب ہی کر لی۔ یہ سنکر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ وہ مجھے بھی ان مجاہد غازیوں میں شامل کر دے۔ حضورؐ نے میرے لئے دعا فرمائی کہ بار الٰہا! ان کو بھی اس جماعت میں داخل کر دیجئے! پھر فرمایا ہاں تم ان میں شامل ہوگی۔ پھر آپؐ نے اسی طرح ذرا ٹیک لگائی اور کچھ دیر کے لئے آپؐ پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اب حضور کو کس بات پر ہنسی آئی؟ آپؐ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ پھر مجھے خواب میں دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے نکلے۔ تو میری امت کی جو پہلی فوج قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گی انھیں بخش دیا گیا۔ تو

میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے حق میں دعا کر دیجئے کہ ان مجاہد غازیوں میں مجھے بھی شریک و شامل فرمائے۔ تو آپؐ نے فرمایا تم بس پہلی جماعت میں ہو، دوسری میں نہیں۔ تو عبادہ بن صامتؓ نے اُن سے (ام حرامؓ سے) نکاح کر لیا اور وہ حضرت معاویہؓ کے ہمراہ جب بحری غزوہ میں گئے تو اُن کو ساتھ لے گئے ام حرام بھی (حضرت معاویہؓ کی بیوی فاختہ) بنت قرظہ کے ساتھ غزوہ میں گئیں، جب غزوہ سے لوٹیں تو فوج شام میں ٹھیری وہاں سے روانگی کے وقت سواری کے جانور پر سوار ہونے لگیں یکایک جانور بدکا ام حرام گر پڑیں جس سے ان کی گردن ٹوٹ گئی اور اسی صدمہ میں وہ انتقال کر گئیں۔" (انتہیٰ)

اس حدیث کے متعلق اِدھر کچھ عرصہ سے اکثر علمی بحثیں رسائل تجلی وغیرہ میں بھی اور بعض تصانیف مثل "شہید کربلا اور یزید" وغیرہ میں بھی نظر سے گذرتی رہیں، مگر وہ بحثیں بہت ناکافی اور ان کی بعض رائیں محض انفرادی تھیں جن سے میرے ذہن کے اکثر شبہات کی تشفی نہیں ہو سکی۔ خود اس حدیث میں تو کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سمجھ میں نہ آسکے مگر الجھن جو اس میں پیدا ہو جاتی ہے وہ بعض شارحین حدیث کی نکتہ آفرینیوں سے یا بعض اکابر کی غلبۂ حال کی تحریروں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی شرحیں بالکل "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا" کی مصداق معلوم ہوتی ہیں مثلاً ابن التین اور ابن المنیر نے جو نکتے اس میں نکالے ہیں میری رائے ناقص میں وہ اب بھی اہل حق اور ارباب بصیرت کی زیادہ سے زیادہ غائر نظر اور تحقیق کے مستحق ہیں۔ میرے خیال میں تو جس طرح لعن یزید اور تکفیر یزید کے مبارک کام میں اہل سنت والجماعت میں سے شاید سب سے قدیم اور سب سے جوشیلے وکیل سعد الدین تفتازانی ہیں اسی طرح شہر قیصر پر پہلے حملہ آور لشکر کی مغفوریت میں شبہے نکالنے میں شاید سب سے قدیم اور سب سے زیادہ پُرجوش وکیل یہ "ابن التین اور ابن المنیر" ہیں اور جس طرح تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری حنفی نے شرح فقہ اکبر میں فیہ رائحۃ من الرفض کا ریمارک کیا ہے۔ بعض قرائن سے — جو تفصیلاً آگے آرہے ہیں — میری بھی رائے ان دونوں ابن التین اور ابن المنیر کے بارے میں یہی ہے کہ، فیہما رائحۃ من الرفض جس طرح خود امام بخاری نے بعض روافض کی روایت ان کے ظاہری دین دار ہونے پر اعتماد کر کے لے لی ہے اسی طرح بخاری کے شارحین عسقلانی قسطلانی۔ عینی نے بھی کیا تعجب ہے کہ بعض رائحۂ رفض دونوں کے اقوال والوں کے اقوال ان کی دین داری کی خبر سنکر قبول کر لئے ہوں!

بخاری شریف کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانی نے اُوپر کی چھ حدیثوں میں سے حدیث ۵ کی شرح میں ان دونوں بزرگوں کا ایک قول نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہؓ کی بھی منقبت ہے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بحری جہاد کیا اور ان کے بیٹے (یزید) کی بھی اس میں منقبت ہے کیونکہ اُسی نے سب سے پہلے مدینۂ قیصر پر جہاد کیا۔ مہلب کے اس قول پر ابن التین اور ابن المنیر نے اعتراض کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حکم مغفور لھم کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ کوئی خاص دلیل بھی اُسے اس حکم سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ اہل علم کا اس میں مطلق اختلاف نہیں کہ حضورؐ کا یہ قول مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مجاہدین مغفرت کے اہل بھی رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کوئی شخص اس جہاد کے بعد دین سے پھر گیا ہو تو سب علماء

[illegible]

متفق ہیں کہ وہ اس حکم عام میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا منشاء یہ ہے کہ ان مجاہدین میں سے صرف انھیں کو بخشا جائے گا جن میں مغفرت کی شرط بھی پائی جائے۔۔ (آگے چل کر)۔۔۔ لیکن ابن التین کا یہ کہنا کہ "یزید تو اس غزوہ میں گیا ہی نہیں تھا" مردود اور غلط ہے ہاں یہ البتہ کہا جا سکتا ہے کہ یزید دست بدست جنگ کرنے والوں میں نہیں تھا، کیونکہ وہ تو امیر لشکر تھا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵)

دیکھئے ابن التین نے اس میں تین شبہے ڈالنے چاہے ہیں (۱) اس حکم عام میں اگر یزید کو داخل مان بھی لیا جائے تو بھی اُسے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد اگر بالفرض اس نے کفر و ارتداد کا ارتکاب کیا ہو تب تو تمام علماء اس کے اس بشارت سے خارج ہونے پر متفق ہیں۔ حضورؐ نے اکثر اعمال کے فضائل میں غفر لہٗ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر" وغیرہ کے وعدے اور بشارات فرمائی ہیں ان میں اہل علم ہمیشہ وفات علی الایمان کی شرط ملحوظ رکھتے ہیں گویا حضورؐ کے ایک ارشاد تبشیری کو جس طرح بالعموم عام قانون کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ حضورؐ کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس جہاد کے مجاہدین بعد میں مرتد بھی ہو جائیں گے تب بھی ان کو بخش دیا جائے گا (۲) دوسرا شبہہ یہ اٹھایا کہ یزید تو مدینہ قیصر پر حملہ آور فوج میں تھا بھی نہیں سپہ سالار کوئی دوسرا تھا پھر بھلا اُسے مغفوریت کی بشارت کا نفع کیونکر مل سکتا ہے؟ (۳) تیسرا نکتہ اور شبہہ یہ کھڑا کیا کہ اچھا مان لیجئے اُس فوج کا سپہ سالار یزید ہی تھا تو حضورؐ کی بشارت تو اُن لوگوں کے لئے تھی کہ جو تلوار لے کر قلعہ تک جائیں اور قلعہ کی دیوار یا پھاٹک پر تلوار کی ضربیں لگائیں۔ اسمیں تو یزید نہیں تھا؟ وہ تو امیر لشکر بنا دور بیٹھا تھا اور زبانی جمع خرچ کر کے مجاہدین کو بڑھاتا اور لڑاتا رہا اس لئے مغفرت کی بشارت کا نفع بھلا اُسے کیونکر مل سکتا ہے؟ نہ معلوم ابن التین پہلے غزوہ میں ام حرام کو بھی داخل بشارت کیونکر مان لیں گے، کیونکہ تلوار لے کر تو وہ بھی نہیں میدان میں اُتری تھیں۔

حالانکہ غریب ابن التین کو شاید خبر نہیں کہ ارتداد کے بعد بھی ایک قاعدۂ خداوندی کی رو سے مغفرت ہو سکتی ہے جیسا آگے آ رہا ہے۔ دوسرے اس ذہانت کی تو ذرا داد دیجئے کہ اگر جہاد کے بعد بالفرض کوئی مرتد ہو گیا ہو تو علماء اُسے خارج کرنے پر متفق ہیں! میں کہتا ہوں بہت اچھا، ہیں متفق تو۔ آگے فرمائیے۔ یعنی یزید کو جہنم میں بھیجنے کے لئے پہلے یہ بھی تو ثابت کیجئے کہ اس نے کفر و ارتداد کا فلاں کام کیا تھا اور اس کام کے کفر و ارتداد ہونے پر تمام علماء جن میں "رائحۂ رفض" نہیں ہے متفق بھی ہیں۔ کسی مدعی کے بیان میں اگر آپ یہ دیکھیں کہ وہ اثبات مدعا کے لئے کبھی ایک دلیل بہت زور شور سے بیان کرتا ہے پھر کچھ سوچ کر دوسری دلیل پیش کرتا ہے کہ پہلے قول کو زور پہنچائے۔ پھر تیسری بات اس کی تائید میں لا رہا ہے تو اس سے جہاں یہ بات آپ کو معلوم ہو گی کہ وہ خود بھی اپنی کسی ایک دلیل کو ثبوت میں کافی نہیں سمجھ رہا ہے وہاں یہ بھی روز روشن کی طرح آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ اس مدعی کی نیت، غرض اور کوشش سب فاسد در فاسد ہے۔ اگر راقم الحروف کے مذکورۂ بالا قرائن ابن التین کے خلاف علم و دیانت کے نزدیک بھی صحیح اور باوزن ہوں تو میں کہتا ہوں کہ آخر کیا جوہری فرق ہے ابن التین صاحب کے اس طرز استدلال اور اثبات مدعا کی کوشش میں اور فرقۂ سبائیہ کے طرز استدلال اور کوششوں میں کہ من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ سے خلافت علی بلا فصل کا اثبات ہو رہا ہے اور انفسنا و انفسہم خلافت علی بلا فصل کا اثبات کر رہے ہیں۔ کیا صاف معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ دونوں طرز استدلال ایک ہی قسم کی ذہنیت اور ذہانت کی پیداوار ہیں؟

بہر حال اس حدیث کی شرح میں مذکورہ بالا طرز استدلال کے شبہات اگر صرف ابن التین (انجیر کے بیٹے) کے (بلکہ بالفرض خود کسی جناب التین صاحب کے یا کسی

ابوالتین صاحب کے بھی ہوتے تو بھی میں ان کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرتا اور علماء سے اس کا مطلب پوچھنے کی زحمت نہ اٹھاتا بلکہ جو مطلب میں نے سمجھ لیا تھا اسی کو صحیح جانتا مگر چونکہ اس سلسلہ میں اکثر کتب کی مراجعت سے یہ انکشاف ہوا کہ عسقلانیؒ، قسطلانی اور عینی نے شرح حدیث میں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح تراجم ابواب بخاری میں اور مولانا تھانویؒ نے فتوے میں انھیں ابن التین کا قول کلاً یا جزءاً تسلیم کیا اور دہرا دیا ہے تو مجھ میں یہ آیا کہ غالباً اس استدلال اور اس قول کے اصلی بادی اور بانی ابن التین صاحب ہی ہیں۔ رہا ان اکابر علماء کا ان کے قول کو تسلیم کر لینا تو غالباً بلکہ اغلباً محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبے اور محبتِ حسینؓ کے ہجوم میں ان حضرات کو اس قول کی طرف پوری طرح التفات نہیں ہو سکا۔ ابن التین صاحب کا قول جو میرے خیال میں بہت زہریلا ہے ان حضرات کے لئے "دام ہم رنگِ زمیں" ثابت ہوا کہ بات کچھ نکلتی ہوئی دیکھی تو تفصیلاً اس کی گہرائی میں غور سے جھانکنے کی انھوں نے ضرورت نہیں سمجھی اور اسے دہرانے لگے۔ یعنی تین ہی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں (الف) یا تو ابن التین کے اعتراضات اور شبہات واقعی مضبوط ہی بنیادوں پر قائم ہیں اور میں اپنی علمی بے مائگی کے باعث اس بنیاد کو سمجھ نہیں سکا ہوں۔ (ب) یا یہ اکابر جن کی خاکِ پا بننا بھی میرے لئے باعثِ فخر ہے ـــ حبِ رسولؐ اور عقیدتِ حسینؓ میں (یا کم سے کم بغضِ یزید میں) صحیح مطلب سمجھ میں آنے کے باوجود اس کے اظہار میں مصلحت نہیں دیکھتے۔ ورنہ مطلب وہ بھی وہی سمجھتے ہیں جو میں یا کوئی اور سمجھ سکتا ہے۔ (ج) یا پھر انھوں نے سرسری نظر میں ابن التین کے قول کو حبِ حسینؓ۔ حبِ رسولؐ اور بغضِ یزید کا متضمن پایا تو بغیر مزید غور کے اسے تسلیم کر لیا۔ اگر اول الذکر صورت ہے اور میں اپنی کم علمی کے پیشِ نظر اسی صورت کو متعین و متیقن سمجھتا ہوں تو اپنے ذیل کے چند طالب علمانہ اشکالات کو عصرِ حاضر کے دس اکابر علماء حقانی کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ مجھے ان حضرات کے علم و عمل، دیانت و تقویٰ پر پورا اعتماد ہے اور ان سے باادب درخواست کرتا ہوں کہ استفتاء ہذا کا جواب ادلۂ کتاب و سنت و فقہائے امت کے اقوال سے عطا فرمایا جائے تاکہ میرے اور نہ معلوم کتنے اور کم فہموں کے لئے تشفی بخش ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان علماءِ عشرہ میں سے دو تہائی حضرات کے جوابات جو بھی نقطۂ نظر بتائیں مجھے اس پر جمائے رکھے آمین۔

استفتاء

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین حسب ذیل استفسارات و شبہات کے باب میں:۔

کیا مغفورٌ لھم سے مغفرت اوّل مراد ہے جس کا دوسرا عنوان دخولِ جنت بغیر عذاب ہے یا مغفرت بعد سزائے کبائر مراد ہے؟ اگر مغفرت بعد سزا مراد ہو تو نہ تو اس میں یزید اور دیگر لشکریان کے لئے کوئی خصوصیت کوئی مدح، کوئی مژدہ و بشارت ہے اور نہ ابن التین وغیرہ کو اس پر گھبرانے اور تاویلات پیدا کرنے اور شبہ بنانے کی کوئی ضرورت ہے، کیونکہ وہ تو ابن التین کے لئے، میرے لئے اور تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے ہی مگر بظاہر اور میرے نزدیک ابن التین کی یہ کلامی کوششیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ تمام لشکریوں کے لئے خصوصاً یزید کے لئے کسی قسم کی بھی مغفرت کے قائل نہیں۔

(۲) حضورؐ کا ارشاد مغفورٌ لھم کا طرزِ بیان، پوری حدیث کے دیگر قرائن کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا جہادِ قسطنطنیہ کی ترغیب اور فضائل کا محض عام ذکر ہے۔ (اگر کوئی فرد یا لشکر پہلے غزوۂ قسطنطنیہ میں جائے گا تو مغفورٌ لھم کے ثواب میں بشرط وجود شرائط عامہ ثواب کا شریک ہو سکے گا) یا یہ خاص حالات کے مخصوص افراد کے لئے ایک خاص تبشیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انکو

اس انعام کا ملنا تو اٹل ہے یہ انعام تو انھیں مل ہی کر رہیگا کیونکہ ان مخصوص لوگوں کی ایمان کی سلامتی اور وفات علی الایمان تو یقینی و متعین ہے۔ اس میں کوئی شرط تعلیق نہیں؟

(۳) اگر یہ اوجبوا اور مغفورٌ لھم ذکر فضائل جہاد مجاہدین ہے اور ترغیب عمل نہیں بلکہ مخصوص تبشیر جیش ہے تو کیا مخصوص تبشیر میں بھی شرط و تعلیق ہوا کرتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کی کوئی نظیر؟

(۴) اگر ایک بشارت مغفورٌ لھم میں شرط و تعلیق علماء نے مانی ہے تو کیا اسی وقت کی اور اسی حیثیت کی دوسری بشارت اوجبوا میں بھی شرط و تعلیق مانی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اس سے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اور اگر ہے تو پھر ابن التین کو یا ہم کو اس ارشاد میں اور کن کن قوانین کو ملا کر اوجبوا کا انعام تقسیم کرنے کا ضابطہ بنانا چاہئے اور کن کن افراد کو کس کس قانون کی روشنی سے اس بشارت کا نفع ملنے سے خارج کر دینا چاہئے؟

(۵) جس قاعدہ کی طرف ابن التین اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حکم مشروط ہے اس شرط سے الخ وہ بات صحیح اور تسلیم تو ہے مگر جہاں تک میری ناقص نظر اور ناقص فہم کی رسائی ہے۔ اس کا طرز بیان ہی جداگانہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ دو جملوں (شرط و جزا) میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ و ما تأخر وغیرہ۔ یہاں دو جملے ہیں مضمون بھی شرط و جزا کا ہے اس لئے شرط بھی صحیح اور تعلیق بھی تسلیم مگر اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورٌ لھم۔ تو جملہ مفردہ اسمیہ خبریہ ہے اس کے اندر بھی شرط و تعلیق ماننا میرے نزدیک ایسا ہی جیسے ایک آدمی زید کو دورہ پڑھنے کے زمانے میں زیدٌ عالمٌ کہے دوسرا کہے کہ واہ زید بھلا اس عموم میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے کیونکہ تمام علماء بلا اختلاف جانتے اور مانتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، کیسے معلوم کہ زید زندہ بھی رہے گا اور یہ کہ عالم ہونا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص عمر طبعی خدا کے یہاں سے لے کر آیا ہو پھر اس کو مدرسہ بھی جامعۂ ازہر مصر کی طرح ملا ہو۔ یہانتک کہ اگر بالفرض اسے ابن التین جیسے استاد نہ ملیں تو اس کے عالم ہونے کا کوئی امکان نہ ہو اس لئے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا منشاء عالمٌ کہنے سے صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے، مصر جا چکا ہو اور ابن التین جیسا استاد بھی اسے ملا ہو۔

(۶) کیا حضورؐ کی اور تمام بشارتیں عشرۂ مبشرہ کو، اہلبیت قرآنی یعنی امہات المومنین کو۔ اہلبیت حدیثی یعنی آل عباء کو اصحاب بدر کو بلکہ جملہ اصحاب رسولؐ کو کہ (مغفورۃً و اجراً عظیماً کا وعدہ سبھی سے ہے) بھی اسی تاویل شرط و تعلیق کا ہدف ہیں؟

(۷) جب جمع الفوائد جلد دوم مناقب حسینؓ میں معجم کبیر طبرانی کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ اور حضورؐ دو معصوموں نے شہادت دی کہ قاتلین حسینؓ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تعجب بھی ہوا گویا ان کو قاتلین حسینؓ کا مسلمان ہونا یا مسلمان رہجانا باور ہی نہ ہوتا تھا۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو مسلمان کہدیا اور قتل حسینؓ ہی کے جرم کیساتھ ان کا مسلمان ہونا بیان فرمایا تو کیا ابن التین (یا لفتا زانی یا کسی غوث و قطب) کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ اسے شریعت محمدیہ کی رو سے کافر یا مرتد کہیں؟

(ب) اگر بالفرض یزید نے یا ابن زیاد نے سیدنا حسینؓ کو قصداً بھی اس خیال سے قتل کیا کہ وہ تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہو رہے تھے جیسا ابن عمرؓ کا قول اتقیا اللہ و لا تفرقا بین المسلمین۔ ابن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے باب میں مذکور اور حدیث فاقتلوہ کائناً من کان مشہور ہے تو کیا شریعت محمدیہ کی رو سے وہ لوگ گناہگار ہوئے؟ کیا ایسا

کوئی قاتل مسلم یا آمر بقتل مسلم ایسی صورت میں بھی مستحق لعنت ہے جیسا امام غزالیؒ لکھتے ہیں :-

(یہ سوال بظاہر ابن التین سے غیر متعلق ہے لیکن ان کے قول کو کچھ دور چلنے کے بعد مستلزم ضرور ہے اس لئے لکھدیا)۔

(۸) حضورؐ نے ام حرامؓ کے یہاں قیلولہ میں جو دو خواب دیکھے اور پھر جو بشارتیں ادا جبوا اور مغفورٌ لھم کی دیں تو کیا ان ارشادات میں اخبار عن الغیب کشف مستقبل نہیں تھا؟ دونوں خواب خود تو وحی تھے مگر کیا اس کے ان ارشادات میں بھی وحی کا کوئی دخل نہ تھا؟ کیا ایسے قرائن وحی سے قطع و یقین کا خیال مستنبط ہوتا ہے یا ظن و تخمین اور تعلیق و تانین ہی کا پہلو نکلتا ہے؟ اگر ان قرائن کے باوجود بھی اس ارشاد میں محض ترغیب جہاد اور حکم مشروط نکلتا ہے تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر حضورؐ نے یا کسی پیغمبر نے خواب کی وحی سے بھی اعمال کے فضائل اور ثواب تعلیم کئے ہیں تو خواب و خیال کا اعتبار کیا؟ سائل کے نزدیک اس میں ترغیب جہاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ خواب کی وحی مسرت اور ضحک کے قوی وجد و حال کے قرائن سے اس میں تامہ اور مغفرت اولی مراد ہے۔

(۹) اگر ابن التین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مغفورٌ لھم کے احترام اور تقدیس میں ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام قانون کو پیش نظر رکھنا اپنے علم و دیانت کا تقاضا سمجھا تو میں بھی حضورؐ کے اس ارشاد کے احترام اور تقدیس ہی کی خاطر ایک دوسرے ارشاد نبوی اور عام انعام خداوندی کو پیش نظر رکھنا اور مسلمانوں تک پہنچانا اپنے علم و دیانت کا تقاضا خیال کرتا ہوں، علماء کرام فیصلہ کریں مسلم و سلامتی والے اسلام اور امن و امان والے ایمان کے مزاج کے مطابق اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤفیت اور رحیمیت اور حق تعالیٰ کی غفاریت اور رحمانیت کی روح کے موافق ابن التین کے علم و دیانت کا تقاضا ہے یا راقم الحروف کے علم و دیانت کا۔ وہ ارشاد نبوی یہ ہے :- (دیکھئے مشکوٰۃ باب وقوف بعرفہ عن عباس ابن مرداس صہ ۲۲۹ "حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے روز دن ڈھلے اپنی امت کی مغفرت (تامہ) کی دعا فرمائی تو در بار الٰہی سے جواب ملا کہ اچھا میں نے ان سب کو بخش دیا بجز مظالم اور حقوق العباد کے، کیونکہ یہ حق تو میں ظالم سے مظلوم کو دلوا کر رہونگا تو حضورؐ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ اگر چاہیں تو مظلوم اور صاحب حق کو جنت کا کوئی محل دیکر راضی اور ظالم کو (بری فرما کر) معاف فرما سکتے ہیں۔ تو اس دعا کا جواب وہاں میدان عرفات میں تو آپؐ کو نہیں ملا مگر جب آپؐ نے مزدلفہ پہنچکر صبح کو پھر وہی دعا مانگی تو آپؐ کی دعا منظور کر لی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضورؐ پر ضحک یا تبسم کا وجد طاری ہو گیا تو آپؐ سے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان! یہ گھڑی تو ایسی مبارک اور اہم ہے کہ آپ (دیگر شغل دعا و ابتہال و گریہ اور ذکر کے) کبھی اس وقت ہنسا نہیں کرتے تھے۔ آخر کیا بات تھی جس نے آپکو ہنسا دیا خدا کرے آپ ہمیشہ ہنستے خوش ہوتے رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا سنو! اللہ کے اس دشمن ابلیس کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا مغفرت امت کی) قبول فرما لی اور میری امت کی مغفرت (تامہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی) فرما دی تو مٹی لے کر سر پر ڈالنے اور بڑی ہائے وائے مچانے لگا ہے۔ بس اس کی یہ بدحواسی دیکھ کر مجھے بھی ہنسی آگئی۔" (انتہی)

اب ابن التین ذرا دیکھیں کہ اس حدیث میں بھی اسی مغفرت کا ذکر ہے جس کے ایک صیغہ مغفورٌ لھم نے ان کو بدحواس اور تاویلات پر آمادہ کر دیا۔ ابن التین تو ایک یزید ہی کی مغفرت پر سر کہ جبیں ہو رہے ہیں اور حضورؐ کی شان رحمۃ للعالمین ساری ہی امت کی مغفرت تامہ کے لئے بار بار دعا فرما رہی ہے جن میں نہ معلوم کتنے یزید ہونگے

ابن التین اللہ میاں کو تقسیم مغفرت کے متعلق ایک ضابطہ بتا کر مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور اسے مشروط کر دیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حریص علیکم کا تاج سر پر رکھے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے حقوق العباد (جس میں قتل مسلم بھی داخل ہے) کی معافی کے لئے ترحم خسروانہ کی اپیل کر رہے ہیں اور امت کو ولا تخش من ذی العرش اقلالا کے عقیدے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۱۰) جب مغفورٌ لھم حضور کا ارشاد ہے اور مقام تبشیر میں ہے تنزل کے طور پر اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ اس فوج کے لوگ گناہوں سے پاک اور پارسا تو نہ ہوں گے کہ مغفرت اوّل سے کامیاب ہوں اور بے حساب جنت میں چلے جائیں بلکہ ہوں گے ان میں سے اکثر مرتکبین کبائر۔ کوئی قاتل مسلم ہوگا کوئی آمر بہ قتل مسلم ہوگا کوئی مستشہر بہ قتل ہوگا کوئی مدمن خمر ہوگا کوئی چیتوں اور کتوں سے شکار کا مشغلہ کرتا ہوگا کوئی شعر گوئی میں تضییع اوقات کرتا ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی جب حضورؐ نے مغفورٌ لھم فرما دیا تو کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ جہاد مدینہ قیصر کا ثواب اس قدر بے نہایت ہے اور یہ فعل ایسا پسندیدۂ حق ہے کہ اس فوج کے تمام افراد کے تمام گناہ صغائر بھی کبائر بھی، حقوق اللہ بھی حقوق العباد بھی سب بخش دیئے جائیں گے، بلکہ اگر بالفرض ان مجاہدین میں سے کسی کو (معاذ اللہ) ایک تقدیر ازلی کے بموجب کفر و ارتداد کا بھی ابتلا پیش آجائیگا تب بھی اس غزوہ کے جملہ شرکاء کے لئے (بلا استثناء مرد و عورت، امیر و مامور، سپاہی و سپہ سالار) حق تعالیٰ کی دوسری تقدیر یہ بھی ہو چکی ہے کہ اس ابتلاء کے بعد بھی اسے پھر توبۂ صادق کی توفیق یقیناً ہو جائیگی اس طرح وہ مستحق مغفرت بن جائے گا اور حضورؐ کا فرمان سچا اور پورا ثابت ہو کر رہے گا۔ گویا حضورؐ نے مغفورٌ لھم فرما کر اسی دوسری تقدیر خداوندی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جو ابن التین کے گلے کے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔

ایک نظر یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر ابن التین مکذبین بالقدر میں سے نہیں ہے تو ان کو آنکھ کھول کر وہ ارشاد نبوی دیکھنا چاہئے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب القدر عن سہل بن سعد)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ زندگی بھر دوزخیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اسی طرح بندہ جنتیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے۔"

یہ تو تھی تقدیر کی تھیوری اور نظریہ اب اس کی ایک مثال بھی عہد سعادت ہی کی سن لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے کچھ وحی قرآنی لکھوائی۔ آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پر پہنچ کر ایک تقدیر الٰہی کی بموجب ان کو ارتداد کا ابتلا پیش آگیا مگر چونکہ ان کو جنتی ہونا تھا اس لئے دوسری تقدیر الٰہی سے وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی سے انکے عہد میں دوبارہ اسلام لائے اور فاتح مصر بنے رضی اللہ عنہ حالانکہ لسان نبوت نے (جہانتک مجھے علم ہے) ان کے بارہ میں مغفورٌ لھم کی بشارت دی بھی نہیں تھی۔ اگر یزید سپہ سالار غزوۂ قسطنطنیہ کے لئے بھی جس سے شاید کفر و ارتداد ہوا بھی نہیں تھا حق تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد مغفورٌ لھم کی لاج رکھنے کے لئے دوسری تقدیر، توبہ صادقہ قبل الموت، وفات علی الایمان کی فرما دی ہو تو ابن التین کو اس تقدیر الٰہی سے انکار کیوں ہے؟ بینوا و توجروا

راقم الحروف کو عصر حاضر کے جن دس اکابر علماء کے علم و دیانت اور تقویٰ و امانت پر اعتماد ہے اور جن سے اپنے شبہات کے جوابات کے لئے میں درخواست کر رہا ہوں

ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:-

(۱) مولانا الحاج الحافظ شاہ عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنؤ (۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی۔ مئو۔ اعظم گڈھ (۳) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (ڈھاکہ) (۴) مولانا محمد تقی صاحب امینی۔ مدرسہ معینیہ۔ اجمیر۔ (۵) مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ (۶) مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور (۷) سید ابوالحسن علی ندوی۔ شیخ الحدیث والتفسیر ندوہ۔ لکھنؤ (۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر رسالہ ترجمان القرآن۔ لاہور (۹) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ۔ مدیر رسالہ الفرقان۔ لکھنؤ (۱۰) مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ کراچی۔

ان حضرات کی خدمت میں رسالہ تجلی بھی پہنچے گا اور جواب استفتاء کے لئے لفافہ بھی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ استفتاء ایک خارزار ہے لوگ اس کے قریب آنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری مقابل صف میں بڑے بڑے اکابر نظر آتے ہیں مگر ہمیں در اصل دو باتوں نے استفتاء کے لئے آمادہ کیا" ایک یہ کہ ابن تیمیہ، امام غزالی اور بہت کچھ مولانا تھانوی بھی ہماری صف میں ہیں دوسرے یہ کہ یزید کو خیر چھوڑیئے کہ بعض صوفیہ یہ تو حبِ رسولؐ و حبِ حسینؓ کا یہ غلبہ تھا کہ انھوں نے مدت العمر یزید کا نام زبان سے لینا پسند نہیں کیا یہ بحث تو خالص علمی ہے جس نے حدیث کے بعض شراح کی انفرادی رایوں سے رفتہ رفتہ ایک کلامی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ حضرات صوفیہ و علماء کی محبتِ رسولؐ اور محبتِ حسینؓ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہمارے سینۂ دول میں۔ مگر جب ہزاروں کے عقائد کے بننے بگڑنے کا سوال ہو تو حدیث کی شرح اور زیادہ صاف ہونی چاہئے۔ بات نکھرتی ہے شبہات کے مختلف گوشوں پر غائر نظر ڈالنے سے۔ اس لئے میرے نزدیک بزرگوں کا ادب گو مسلم ہے مگر انصاف کو بالائے طاعت کیا گیا ہے بزرگوں کی بات ہم محض اس لئے نہیں مانیں گے فلاں بزرگ نے یہ کہا اور یہ لکھا ہے اس طرح مان لینے میں زبان تو ضرور بند ہو جائے گی، لیکن دل میں شبہات کا ناسور پیدا ہو کر رہے گا۔ ہمارے نزدیک علماء کے سامنے شبہات کو بے تامل پیش کر دینا لاکھ درجہ بہتر ہے اس سے دل میں معاذ اللہ حدیث میں شبہ رہنے کے بجائے بشارتِ رسول سے اعتقاد اٹھ جائے۔ بزرگوں کی غلبۂ حال کی تحریروں کو ٹھوس محکم عقیدہ سے ممتاز نہ کیا جائے اور علماء و صوفیہ کے بارے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا جائے۔

میں نے اس استفتاء میں ابن التین کے خلاف کچھ فیصلہ خود کر دیا ہے اور کچھ سخت الفاظ ضرور لکھے ہیں جو ایک مستفتی کو مناسب نہ تھے، مگر لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میرے شبہات کی اہمیت ظاہر ہو۔ دوسرے مجھے انکی باتوں میں کچھ دیانت نہیں نظر آئی۔ اب علماء سے پوچھ رہا ہوں اگر وہ ٹھوس محکم بنیادوں پر (نہ کہ محض خوش عقیدگی اور قرامت پرستی کی بنیاد پر) ابن تین کی شرح حدیث بالا میں دیانت بتا دیں گے تو میں اپنے قول سے رجوع بھی کر لوں گا اور پھر ابن التین کی روح کو فاتحہ سے خوش بھی کر دوں گا۔ والسلام

تجلی فاضل مستفتی کے مطالبے پر ان کا استفتاء ہم نے چھاپ تو دیا ہے لیکن توقع بہت کم ہے کہ مفتیانِ منتخبہ میں سے چند بھی اس کے جواب کی زحمت اٹھائیں گے۔ تاہم یہ فائدہ اس اشاعت کا ضرور ہے کہ جس حدیث کا تذکرہ متعلقہ بحث میں بار بار آتا رہا ہے اس کے تمام گوشے خواص و عوام کے سامنے آجائیں گے وہ دیکھ سکیں گے کہ یزید کی بخشش کا یقین خواہ مخواہ بغضِ حسینؓ میں نہیں کر لیا گیا ہے، بلکہ اس کے لئے مضبوط علمی بنیادیں موجود ہیں۔

فاضل مستفتی نے دورانِ تحریر میں بعض بڑے بڑے

اساطین مثلاً عسقلانی، قسطلانی، عینی، شاہ ولی اللہ اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام لیا ہے۔ علمی مذاق نہ رکھنے والوں کو اس سے یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ وہ اِن مایۂ ناز بزرگوں کا تخطیہ کر رہے ہیں جو بہت بڑی جسارت ہے۔ لیکن علمی مذاق کے سرمایہ داروں کو اس سے وحشت نہیں ہوگی، کیونکہ قطع نظر اس کے کہ مستفتی کی حیثیت میں مسئلہ کے تمام قابل لحاظ گوشوں کو واشگاف کر دینا ضروری ہی تھا، علوم و فنون کی تاریخ میں بھی کوئی عجوبہ نہیں ہے کہ بعض بڑے بڑے علم و فضل والوں سے فکر و نظر کی غلطیاں ہوگئیں۔ پھر جہاں بیشمار لوگوں نے اپنے علم و فضل پر بھروسہ کرتے ہوئے بلا تفقد ان غلطیوں کو بطور دلیل و حجت نقل کر دیا اور بہت لوگ انکو درست بجا تسلیم کرتے چلے گئے وہیں بعض اولوالعزموں نے حق و انصاف کو ہر مرعوبیت سے بالاتر سمجھتے ہوئے ان غلطیوں پر تنقید کا نشتر بھی چلایا اور غلط کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی ایک مثال وہ مشہور قصہ ہے جس میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ اس قصہ کے چکر میں اور تو اور امام رازی جیسے خردمند اور ژرف نگاہ علامہ بھی پھنس گئے۔ بعض بڑے بڑے فقہاء محدثین اور مفسرین بھی یہی کہانی سناتے آئے ہیں۔ مثلاً علامہ ابوالسعودؒ۔ علامہ خازنؒ۔ قاضی بیضاویؒ صاحب غرائب القرآنؒ۔ صاحب روح البیانی۔ علامہ عینیؒ۔ ملا جیونؒ۔ قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی۔ صاحب غایۃ التحقیقؒ اور نہ جانے کون کون! لیکن حافظ ابن کثیرؒ علامہ سیوطیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اسے نہیں مانتے وہ کہتے ہیں صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پچاس کی روایت غلط ہے۔

عقل کہتی ہے یقیناً غلط ہوگی۔ امام رازیؒ جیسا طبّاع اور ذکی انسان بھی یہ تصور کرنے کی فرصت نہ پا سکا کہ جس قوم پر دن میں پچاس نمازیں فرض ہوں اس کا حلیہ کیا بنے گا۔ اللہ بندوں سے تمسخر نہیں کر سکتا یہ تمسخر نہ ہوتا تو کیا ہوتا کہ دن میں پچاس نمازیں پڑھو ورنہ نافرمان کہلاؤ۔ حالانکہ معاملہ اُس قوم یہود سے تھا جو سرے سے ایمان ہی لانے میں متساہل تھی اور اللہ کے پیغمبر کو تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ ایسی قوم پر اکدم پچاس نماز یومیہ عائد کر دینا ایک ایسا عجیب طریق کار ہے جو حلیم و حکیم رب العالمین کی صفاتِ معروفہ سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اس مثال سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ بعض مرتبہ بڑے بڑے اعاظم رجال دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کا دھوکا اخلاف کے لئے ایک مستقل مغالطہ بنجاتا ہے۔ دوسری یہ کہ علمی نقد و نظر میں بعض اسلاف کے خیالات کی تردید کر جانا تخطیے اور گستاخی میں داخل نہیں ہے۔ اب علامہ صاوی جیسے مفسر نے وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً (سورۃ یونس رکوع ۹) کی تفسیر میں لکھ دیا کہ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا تو کیا اُس شخص کو گستاخ اور بے ادب کہیں گے جو عرض کرے کہ جناب عالی بیت المقدس تو داؤد و سلیمان علیہما السلام نے بنایا تھا جو حضرت موسیٰ کے بہت بعد تشریف لائے ہیں۔ پھر یہ زمان موسیٰ میں بیت المقدس کہاں سے آگیا؟

غلطی ہر شخص سے ہو سکتی ہے اور بعض غلطیاں جو باقی لگاوٹوں سے ملکر ایسا قبول عام حاصل کر لیتی ہیں کہ افسانے حقیقت بن جاتے ہیں اور حقائق دُور کھڑے حسرت سے تکا کرتے ہیں۔ ایسی ٹریجڈی ہمارے خیال میں حسینؓ و یزید کی بحث میں کارفرما ہوئی ہے۔ ورنہ کیا معنے تھے کہ بڑے بڑے محدثین ابن التین اور ابن المنیر جیسے لوگوں کی صریح الغلط تاویل کو نقل تو شوق سے کر دیتے ہیں مگر اس کا پوسٹ مارٹم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔ چلئے مان لیا کہ مجاہدین قسطنطنیہ میں سے کوئی مرتد بھی ہو سکتا تھا اور ارتداد کے بعد مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن محض امکان ارتداد سے کیا یزید کے مرتد ہو جانے کا بھی حکم لگایا جا سکتا ہے؟ کیا ہر معروضے کو واقعہ تسلیم کر لینا چاہئے؟ کمال ہے کہ محض نظری اعتبار سے ایک بات فرض کر رہے ہیں، لیکن مخاطبین کے ذہن میں [illegible]

صحت مند زندگی، توانائی اور تن درستی کے لیے

ہمدرد ماءُ اللحم

ہمدرد ماءُ اللحم نہ صرف عمدہ ٹانک ہے، بلکہ گوشت کے پروٹینی اجزا کے علاوہ ترکاریوں اور پھلوں کے رس کا دو آتشہ مقوی ہے۔ ماءُ اللحم متوازن غذائیت بہم پہنچاتا ہے، جو جلد اور آسانی سے جزوِ بدن ہو جاتا ہے۔

آج ہی ہمدرد ماءُ اللحم کی ایک بوتل خریدیے اور اس مکمل اور حیرت انگیز ٹانک کو تھوڑی مقدار میں روزانہ استعمال کیجیے

ہمدرد دہلی • کانپور • پٹنہ

سعالین

کھانسی، نزلہ، زکام
اور گلے کی خرابیوں کے لیے

ہمدرد دہلی - کانپور - پٹنہ

کھرے کھوٹے

تبصرے کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

اسلام کا نظام عدل

تصنیف: استاذ سید قطب — ترجمہ: محمد نجات اللہ صدیقی —

- بڑے سائز کے ۲۰۰ صفحات۔ قیمت مجلد چھ روپے۔
- شائع کردہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ دہلی ۶

استاذ سید قطب مصر کے ایک مقبول و معروف مصنف ہیں جن کی تحریروں میں زبان و ادب کی رعنائی، فقہ و نظر کی گیرائی اور علم و تفقہ کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ فاضل مترجم نے آغاز کتاب میں جو تعارف ان کا دیا ہے اس سے ان کی شخصیت کے ظاہری خدوخال ہی واضح نہیں ہوتے بلکہ ان کی سرشت کے بھی بعض محمود پہلو سامنے آجاتے ہیں۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں شرح و بسط اور تحقیق و تفحص کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ فرد اور معاشرے کے لئے اسلام نے کس طرح کا لاجواب نظام عدل دنیا کو دیا، اور یہ نظام صرف زبانوں اور کتابوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام کے چاہنے والوں نے اسے عمل کے پیمانوں میں ڈھال کر دکھایا اور تاریخ کے صفحات اسلامی نظام عدل کی نقش کاریوں سے مالا مال ہیں۔

مصنف کا انداز بیان نہایت دل کش، طرز استدلال بڑا مؤثر، مطالعہ کافی وسیع اور لب و لہجہ بڑی حد تک دلنشیں ہے ان کی متانت بوجھل نہیں، وہ اپنے خاص اسلوب سے علمی مثقابت کو ایک طرح کا نکھار دیتے چلے گئے ہیں جس سے پڑھنے والے کے ذہن کو نشاط و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعض مطالب سے ہمیں اختلاف ہے

حقیقت عبودیت

- شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے رسالے "العبودیۃ" کا سلیس، بامحاورہ ترجمہ • مترجم مولانا صدر الدین اصلاحی • ناشر — : مکتبہ تعلیمات رام پور۔ یوپی۔ • صفحات ۱۳۲۔ قیمت ایک روپیہ ۳۵ نئے پیسے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بھی علمی و فکری دونوں اعتبار سے بڑے فتنوں کا زمانہ تھا، خاص طور پر تصوف کے اٹھائے ہوئے فتنے ان دنوں بڑی مکروہ شکلیں اختیار کر گئے تھے۔ اللہ رحمت کرے امام موصوف پر انہوں نے ایک ایسے شیر مرد کی طرح جو سیدا فیض سے حیرت انگیز صلاحیتیں لیکر جنگاہ حیات میں اترا ہو، تمام فتنوں کا مقابلہ کیا اور اس تعجب خیز پامردی و بہادری کے ساتھ ہر ہر محاذ پر داد شجاعت دی کہ باطل افکار کے پرزے پرزے چھٹ گئے۔

اسلام نے فرق تا قدم عبادت ہی عبادت ہے، ان کی اول ساعت سے لیکر رات کے آخری لمحہ تک مسلمان کا ہر سانس عبادت کے زمرے میں آتا ہے اگر وہ جاندار شعور اور زندہ ضمیر کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو اپنے دائرۂ حیات کا محور بنائے ہوئے ہے۔ بال بچوں کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی عبادت ہے، خانہ داری کا نظم و انصرام بھی عبادت ہے بشرطیکہ اسلام کے دیئے ہوئے پیمانۂ اعتدال کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑا جائے، اور طاعت و بندگی کے توانا احساس کو کسی آن مضمحل نہ ہونے دیا جائے۔

ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا تھا کہ آیۃ قرآنی یا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ ۔۔۔ کا کیا مطلب ہے؟ عبادت کا کیا مفہوم ہے؟

---

۲۲ سہی ہے لیکن عدم گنجائش کے باعث اس وقت ان پر تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے۔ کتاب بہر حال بلند پایہ ہے۔

اس کے اصول و فروع کیا ہیں؟ آیا دین پورے کا پورا اس لفظ عبادت میں داخل ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔

انہوں نے اس کے جواب میں ایک جامع، سیر حاصل اور ایمان افروز تقریر فرمائی ہے۔ تمام متعلقہ گوشوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں اجاگر کیا ہے اور ان کے دیگر ارشادات کی طرح یہ جوابی ارشاد بھی عقل و نقل کے بہترین شواہد سے مزین ہے حب رسولؐ، حب اولیاءؒ، زہد و ریاضت، ذکر و شغل، ایمان و شرک، وحدۃ الوجود، فنا و بقا وغیرہ کے مباحث کو بھی انہوں نے شامل جواب فرمالیا ہے۔

مولانا صدر الدین کے ترجمے کے کیا کہنے، افادیت کے پیش نظر انہوں نے منطقی ترجمے کی بجائے ترجمانی کا انداز اختیار کیا ہے اور اس طرح ترجمے کے خدوخال طبع زاد تصنیف کے سے ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب دین سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو پڑھنی چاہئے اہمیت کے باعث مکتبہ تجلی نے بھی منگالی ہے۔ طباعت و کتابت کاش اس سے بہتر ہوتی۔

* * *

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی اس عنوان کے تحت تفسیر قرآن کا کار خیر انجام دے رہے ہیں، ان کی بالغ نظری، وسعت مطالعہ، علم و فضل اور وارستہ بیانی کے کیا کہنے۔ تفسیر کا سلسلہ تو ماہ بماہ چل رہا ہے، فی الوقت بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر پیش نظر ہے، اسے لمبی تقطیع کے ۳۵ صفحات پر حسن اہتمام کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔

ناشر ہے: مکتبہ میثاق۔ رحمان پورہ۔ لاہور

ہدیہ ہے بارہ آنے اور ٹائٹل تین رنگوں میں سادگی پر کاری کا دلکش مرقع ہے۔ مولانا کے استاذ حضرت حمید الدین فراہیؒ بڑے پائے کے عالم گذرے ہیں، کوئی شک نہیں کہ مولانا اصلاحی کی خداداد صلاحیتوں نے استاذ کے علم و فضل سے خوب خوب استفادہ کیا، اور بفضلہ تعالیٰ آج وہ ہند و پاک کے چند ممتاز عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔

قرآن ایک بحر ناپیدا کنار ہے، کیا الفاظ، کیا مطالب، وسعت ہی وسعت، گہرائی ہی گہرائی، بلا مبالغہ لاکھوں صفحات اس کی تفسیر و تشریح میں لکھے جا چکے ہیں لیکن آج بھی اتنا ہی اور لکھنے کی گنجائش موجود ہے، جب تک قیامت برپا نہ ہو ہر زمانے میں اللہ کی اس مقدس کتاب کے مفسرین پیدا ہوتے رہیں گے، اور تفسیر و تشریح کی یہ خدمت تحصیل حاصل بھی نہیں کہلائے گی کیونکہ ہر زمانہ کا مزاج، افتاد اور پیمانۂ فکر و نظر جدا جدا ہوتا ہے، قرآن حشر تک کے لئے ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں زبان و بیان کے پیمانے بدل کر اس کے معارف و معانی کی نشر و اشاعت کیجاتی رہے اور کسی کو یہ شک کرنے کی گنجائش نہ ملے کہ اللہ کی یہ کتاب اپنے پیغام و دعوت کے اعتبار سے نعوذ باللہ پیچھے رہ گئی ہے۔

مفسر مولانا اصلاحی جیسا جلیل القدر عالم ہو تو یہ کہنا زائد از ضرورت ہی ہوگا کہ تفسیر گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے۔ بات کو خوب کھول کر بیان کرنا ممدوح کا دائمی معمول ہے اور جذباتی اعتدال کے عالم میں لکھی ہوئی ان کی ہر تحریر دماغ میں اتر جانے کی قوی صلاحیت رکھتی ہے۔ پیش نظر تفسیر اسی خصوصیت کی امین ہے، انہوں نے بڑے خوشگوار اسلوب میں ہر لفظ اور ہر آیت کے گوناگوں پہلوؤں پر ایمان افروز روشنی ڈالی ہے، عاجز نے اسے از اول تا آخر پڑھا اور پوری طرح لطف اندوز ہوا۔

سورۂ فاتحہ کے استدلالی پہلو کے تحت یوم الحساب کی ناگزیر ضرورت پر انہوں نے عدل اور رحمت کے تعلق سے بڑی اچھی گفتگو کی ہے کاش یہاں وہ نقل و روایت کی لائن سے ہٹ کر خالص عقلی استدلال سے بھی ثابت فرما دیتے کہ یوم الحساب کا برپا ہونا کس قدر ضروری ہے اور اس پر ایمان نہ رکھنے کے نتیجے میں کس قدر فتنہ و فساد، تہذیب و معاشرت اور معیشت و تمدن کے تمام گوشوں میں برپا ہونا لازمی ہے اور برپا ہو رہا ہے، آج کوئی بھی تفسیر ہو اس میں ہر قدم پر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اہل زمانہ کے سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ کیا بن گیا ہے۔ خصوصاً مولانا اصلاحی جیسے لوگوں کو تو اور بھی زیادہ عقلی پہلوؤں پر زور دینا چاہئے کیونکہ ان کی تحریریں بہت وہ لوگ بھی پڑھتے ہیں جو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے خالصۃً فکر جدید اور تہذیب حاضر کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

مولانا اصلاحی کی سلیس و شگفتہ زبان، کہنہ مشقی کے سانچے

میں ڈھل چکی ہے، اس میں نمایاں داغ دھبے کہاں ملیں گے لیکن ایک دو جگہ ہم اس نازک مزاج شخص کی طرح انگلی رکھیں گے جو کسی بیش قیمت قالین میں دو چار کھردرے ریشے دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے کہ کاش یہ معمولی سا نقص بھی اس میں نہ ہوتا۔

صفحہ ۱۲ پر ہے:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ....

"نقل" کا لفظ یہاں غلط تو نہیں ہے مگر ایسا ضرور ہے جیسے انگشتری کا نگینہ کچھ ڈھیلا پڑ جائے۔

صفحہ ۲۵ پر ہے:

"خدا کے احسانات کے احساس سے دل کا ریشہ ریشہ لبریز ہو جاتا ہے"۔

فصاحت و بلاغت اگر کوئی چیز ہے تو "ریشہ ریشہ" کا جوڑ بدن کے ساتھ ہے دل کے ساتھ نہیں، نیز "لبریز" بھی یہاں اکھڑا ہوا ہے یہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے ظرف و مظروف کا تصور دیتا ہے ریشے ظرفیت کا احساس نہیں دلاتے۔ فصیح بات یہاں یوں ہوتی:

"خدا کے احسانات کے احساس سے دل کا گوشہ گوشہ معمور ہو جاتا ہے"۔

صفحہ ۲۹ پر ہے:

"لیکن شاید ہی کسی دعا کے متعلق اس تفصیل سے بتایا گیا ہو کہ اس کے ایک ایک لفظ کا خود اس کی ذات پر کیا اثر پڑتا ہے جس سے یہ دعا کی جاتی ہے"

ناچیز کا خیال ہے کہ "اللہ پر اثر پڑنا" مرصع اسلوب بیان نہیں ہے، ذات باری کے لئے "انفعال" کے مصادر کا استعمال بڑی دیدہ دری اور احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے۔

صفحہ ۳۳ پر ہے:

"پانچویں آیت میں اصل دعا ہے اور اس دعا ہی سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے نبوت و رسالت کے سلسلہ اور اس کی نازل کردہ ہدایت و شریعت کا محتاج ہے

نیز اسی پیٹ میں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے کہ خدائی شریعت پانے کے بعد کسی قوم پر کیسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس کی قدر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتا ہے"۔

"پیٹ" کا استعمال یہاں یقیناً غلط ہوا ہے۔ کسی چیز کا پیٹ میں آنا احترام، توصیف کے محل میں نہیں بولا جاتا اس سے کسی خوشگوار واقعہ کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اسے ناپسندیدگی کے محل میں بولتے ہیں "قضیہ سلیم، باقر کا تھا بیچارہ نعیم بھی پیٹ میں آگیا"۔

جب اس انداز سے گفتگو کریں تو خوش گواری کا پہلو ہرگز نہیں نکلے گا، کسی آیت کے ذیل میں بعض عمدہ نکات نکل آئیں تو اس کی تلخیص پیٹ میں آنے سے قطعاً غلط ہے۔

آگے ہے:

"غرض اس سورہ کے اندر دین کے تمام بنیادی عناصر جمع ہیں اگر ان کی تفصیل کر دی جائے تو دین کا پورا نظام کھڑا ہو جائے"۔

"کھڑا ہو جانا" اس جگہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

یہ ممدوح کی انشاء کے چند موہوم سے شکن ہم نے اس لئے نمایاں کئے کہ ان جیسے معیاری انشاء پر دازکی شکارشات عالیہ کو ہمارا مذاق سخن ہر شکن سے دور اور ہر غبار سے مصفیٰ دھلی ترشی دیکھنا چاہتا ہے، ان کے دیگر قدرشناس بھی یہی چاہتے ہونگے

* * *

تقویۃ الایمان حضرت اسماعیل شہیدؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ویسے تو کسی تبصرہ کی محتاج نہیں بارہا شائع ہو چکی ہے اور پوری طرح متعارف ہے لیکن پیش نظر ایڈیشن کراچی میں خاص اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ تذکیر الاخوان بھی ہمرشتہ ہے اور مولانا خرم علی کی نصیحۃ المسلمین بھی۔ ان کے علاوہ نقل خط حضرت اسماعیل شہیدؒ، سوال و جواب و فتاوی متعلقہ تقویۃ الایمان و تذکیر الاخوان، عقائد نامہ شیخ عبدالحق محدث فتاوی درسد علم غیب، حارق الاستبرار، سعادت دارین اور رسالہ گناہ کبیرہ منظوم بھی شامل ہیں۔

شرک و بدعت کے رد اور توحید و سنت کے اثبات میں تقویۃ الایمان

کا جواب نہیں۔ قرآن و حدیث کے موتیوں کا ایک بیش قیمت ہار جسے عقل سلیم رکھنے والوں نے تو گلے کی زینت بنایا لیکن ضعیف العقیدہ مبتدعین اور کج فکر حضرات کی گردن میں یہ کانٹوں کا طوق بن گیا۔

کتابت و طباعت معیاری۔ کاغذ سفید۔ صفحات ۵۲۰
قیمت مجلد آٹھ روپے۔
شائع کردہ: کارخانۂ تجارت کتب۔ نور محمد۔ آرام باغ۔ کراچی۔

* * *

مسئلۂ وحدۃ الوجود کی تحقیق

از جناب صفوۃ الرحمٰن صاحب "مدیر الحق"

تصوف کے نام سے اٹھائے گئے فتنوں میں وحدۃ الوجود کا فتنہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی نوعیت اگر خالص نظری ہوتی تب تو اسے توہمات کے زمرے میں شامل کر کے ناقابل التفات قرار دیا جا سکتا تھا لیکن جو خرابیاں اس سے عمل کی دنیا میں ظہور پذیر ہوئیں ان کے اعتبار سے یہ ضرور اس لائق ہے کہ جب بھی مناسب موقع ہو اس کی بھرپور تردید کر دی جائے، عمل سے قطع نظر کر لیں تب بھی اس کی نظری فتنہ انگیزی دماغ کے کسی بھی خانے کو مسموم کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔ خدا ہی خدا ہے اور کوئی چیز موجود نہیں۔ تم خدا، میں خدا، یہ خدا وہ خدا۔ اس لغویت کو عقیدہ بنا لیا جائے تو زندگی اور اس کی تمام قدریں دیوانے کے خواب سے بھی زیادہ مہمل بن جاتی ہیں۔

ایک مشہور عارف وحدۃ الوجود کی سرشاریت میں فرماتے ہیں:

از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است
در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چرا است

اب کوئی بتائے کہ اس قرآن کا کیا بنے گا جو پے در پے کفر سے عناد و نفرت کی تعلیم دیتا ہے اور ان تمام مساعی جمیلہ کو کیا کہیں گے جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معظم اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کفر و شرک کی بیخ کنی میں اختیار فرمائیں۔

نیز کہتے ہیں:- مسلماں گر بدانستے کہ بت چیست
یقیں کرا کہ دیں در بت پرستیست

اگر کافر ز بت آگاہ گشتے
یکے از سالکان راہ گشتے

(اگر مسلمان سمجھ لیتا کہ بت کیا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا کہ دین بت پرستی میں ہے اور اگر کافر آگاہ ہو جاتا کہ بت کیا ہے۔ تو سالکان راہ میں شمار ہوتا)

اب بتائیے کہ اللہ کے رسولوں کے اس عمل کا کیا مقام متعین ہو گا کہ انہوں نے بت توڑے اور تڑوائے۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت عارف کا محور فکر سوائے خدا پرستی کے کوئی نہیں۔ لیکن وحدۃ الوجود کے عقیدۂ مہملہ کا پیدا کردہ یہ انداز گفتگو کیا ننانوے فیصد ذہنوں کو چیستانی تصورات میں مبتلا نہ کر دے گا؟ کوئی بت پرست اس رباعی سے اپنی بت پرستی پر حجت پکڑنے لگے تو قرآن و حدیث کا سارا دفتر بھی اس کا توڑ کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

کفر و دیں ہر دو حجاب روئے اوست
تا نہ برداری ندیدی روئے اوست

فرمائیے جب دین بھی روئے الٰہی کا حجاب ٹھہرا اور دیدار الٰہی دین سے دست بردار ہو کر میسر آ سکتا ہے تو شریعت بے چاری کس خندق میں جا کے پڑی۔ وائے ایں موشگافی!

ایک اور مشہور شیخ طریقت اسی وحدۃ الوجود کے طلسم خانے سے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافر و مومن اور متقی و بدکار انسان و حیوان

ایں ہمہ ذات پاک یزدان ست

سب کے سب ذات باری کے سوا کچھ نہیں۔ یہ قصہ بھی منظوم فرمایا کہ ایک مرتبہ اللہ ہی کے حکم سے حضرت موسیٰ نے شیطان سے اسرار کی تعلیم حاصل کی تھی، نیز فرمایا گیا کہ اللہ خود ہی گناہ کرتا ہے اور خود ہی باب توبہ وا کرتا ہے حد ہے کہ

ہست خود فعل و فاعل و مفعول

گویا اردو میں کہا جا رہا ہے کہ زانی بھی خدا اور مزنیہ بھی خدا سور کھانے والا اور شراب پینے والا بھی خدا اور سور و شراب بھی خدا۔ نعوذ باللہ من ذلک الف الف مرۃ۔

یہ محض چند نمونے ہیں، آپ سمجھیں گے اردو تشریح میں ہم نے گند اچھالی ہے۔ مگر یہ بات نہیں، ابن تیمیہؒ کی

الرد الا قوم علی فصوص الحکم اور الفرقان بین الحق والباطل — وغیرہ دیکھئے ان میں آپ کو وہ اسرار نہانی ملیں گے کہ طبیعت صاف ہو جائے گی بشرطیکہ اخلاق و آداب کی حس ماری نہ گئی ہو۔ مثلاً ایک وحدۃ الوجودی محقق سے سوال کیا گیا کہ سرکار والا! اگر وجود ایک ہی ہے تو بیوی حلال کس لئے اور والدہ حرام کیوں؟ محقق صاحب فرماتے ہیں اور شرم سے پانی پانی ہوئے بغیر، فرماتے ہیں ہمارے نزدیک سب یکساں ہیں: تم لوگ حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث کہتے ہو کہ ماں حرام ہے، ہم بھی تمہاری بے خبری کا لحاظ رکھتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ ماں تم پر حرام ہے!

گو بایں ہمہ جائز — خدا کی ہزار بار پناہ — ایسے وحدۃ الوجودیوں کے بارے میں کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ ان کی ماں بہنیں ان کی صوفیانہ دست برد سے محفوظ رہ گئی ہوں گی — توبہ — لاکھ بار توبہ۔

اہل تصوف آج بھی شیخ محی الدین ابن عربی کو رئیس الطائفہ کہتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ان کی "فصوص الحکم" میں بہت سی باتیں ان کی خدا پرستی و نکوکاری پر دال ہیں لیکن کشف اور جذب کے سہارے وحدۃ الوجودی منطق کا جو شوشہ وہ چھوڑ گئے ہیں اس کے کاٹنے کا کوئی علاج نہیں — اکدم برباد کن فلسفہ۔ ذہن کو مریض اور عقائد کو سرگشتہ کرنے والا۔ ہم سمجھتے ہیں اس گروہ کا خیال ٹھیک ہی ہے جو کہتا ہے کہ "فصوص الحکم" میں یار لوگوں نے اتنے الحاقات کئے ہیں کہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ جعلی اور بے اصل ہے — لیکن ان لوگوں کو کیا کہئے جو آج بھی فصوص الحکم کو گنجینۂ معارف قرار دیتے ہوئے اس کے ہر ہر لفظ کی تصویب و تائید کرتے ہیں۔

بجائے تبصرے کے ہم نے اپنا ہی راگ شروع کر دیا وجہ یہ ہے کہ وحدۃ الوجودی منطق سے ہمیں ہمیشہ وحشت رہی ہے، اور اس کے بارے میں وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

"اس قسم کی جو کوئی بات کرے اس کو قتل کرنا اللہ کے دین کے تعلق سے ان میں بیس آدمیوں کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے"۔ (احیاء العلوم بحوالہ کتاب ہذا)

وحدۃ الوجود کا چکر اگرچہ اب پرانے نام ہی سے نہیں کہیں کہیں اب بھی جاہل مشائخ اور دنیا پرست مرشدین اس کا سترہ چھوڑتے رہتے ہیں، اسی آفت کے پیش نظر ماہنامہ "الحق" کے فاضل مدیر جناب صفوۃ الرحمن صاحب نے ۷۶ صفحات کا یہ کتابچہ تصنیف فرمایا ہے، موصوف اپنی تو فیح کے مطابق اپنے شیخ سے وحدۃ الوجود کے اسرار و نکات بھی سیکھے ہوئے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس موضوع پر گفتگو کے حق دار نہیں، انہوں نے وحدۃ الوجود کے دلائل نقل کر کے ان پر نقد کیا ہے اور وضاحت حق کی بڑی اچھی سعی فرمائی ہے۔

دوسرے باب میں وحدۃ الوجود کا ماخذ بتایا ہے۔ یہ باب کافی مفید اور معلومات میں اضافہ کرنے والا ہے، اس سے خوب خوب پتہ چلتا ہے کہ اس لاطائل نظریہ کی جڑیں کہاں کہاں ہیں اور غیر اسلامی مکاتب فکر نے ہی اسے پال پوس کر جوان کیا ہے، سب سے آخر میں انہوں نے بعض قائلین وحدۃ کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے چند ہم نے ذکر کئے اور پھر اہل تحقیق مثلاً حضرت رفاعیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ کی آراء پیش فرمائی ہیں۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

کتابت معمولی۔ طباعت قیمت۔ کاغذ سفید۔ قیمت ایک روپیہ۔

* * *

دیہاتی معالج

حصہ اول، صفحات ۳۱۲ قیمت تین روپے
حصہ دوم، صفحات ۲۳۲ قیمت ڈھائی روپے

کھائی چھپائی آفسیٹ کی نہایت شاندار، کاغذ عمدہ سفید۔
شائع کردہ: پدرد پبلیکیشنز۔ دہلی۔

دہلی کا نامور طبی ادارہ "ہمدرد" جس دلسوزی و استقلال کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں، پیش نظر کتاب اس کے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ ہے بلکہ اسے شاہکار کہا جائے تو بیجا نہیں، ہمارے وسیع و عریض ملک میں یہ مسئلہ زبردست اہمیت رکھتا ہے کہ دیہاتوں میں بسنے والے اپنے امراض و حادثات میں کیونکر بروقت طبی امداد حاصل کریں۔ آبادی کے اعتبار سے ملک میں معالجین کا تناسب کم، شہر اور دیہاتوں کے فاصلے طویل، راستے خام، سفر کے ذرائع محدود، جہالت وافر، پیسہ کم، معالجین میں

اخلاص معدوم۔ ان سب چیزوں کی موجودگی میں سخت دشوار ہے کہ دیہات کے رہنے والے علاج و دوا کی سہولتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

"ہمدرد" نے اسی دشواری کو حل کرنے کی خاطر اس کتاب کو پیش کیا ہے، یہ کتاب صرف دیہاتیوں ہی کو نہیں بلکہ شہریوں کو بھی بتاتی ہے کہ تمہارے اردگرد بے شمار ایسی اشیاء بکھری ہوئی ہیں جو تمہارے بے شمار مرضوں اور حادثوں میں تریاق کا کام دے سکتی ہیں اور تمہیں بات بات پر ڈاکٹر کے پاس بھاگنے اور سرمایۂ و وقت کھپانے سے بچا سکتی ہیں لیکن تم ان کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہو، پہلے حصہ میں دو باب ہیں، باب اول میں خوراک، نیند، ورزش، آب و ہوا لباس، غسل، جنسی معاملات، حمل اور حاملہ اور حفظان صحت کے اصول پر ماہرانہ گفتگو کی گئی ہے، اسی سے زیادہ تصویریں بھی برائے تفہیم شامل ہیں۔ باب دوم میں ان دواؤں اور جڑی بوٹیوں کا تذکرہ ہے جن کی تعداد ۱۶۶ ہے اور جو نوے فیصد بیماریوں میں بطور دوا کام آسکتی ہیں، اس باب میں بھی ستر سے زیادہ تصاویر دی گئی ہیں تاکہ جڑی بوٹیوں کو بہ آسانی پہچانا جا سکے۔

حصہ دوئم بیماریوں کے علاوہ اتفاقی حادثات کے مداووں پر مشتمل ہے۔ ۲۰۳ بیماریوں کے احوال اور علاج۔ ۳۹ اتفاقی حادثات کا تذکرہ اور معالجہ۔ ۶۰ سے زیادہ تصویریں اور آخر میں ایک اہم باب جس میں بعض دواؤں اور غذاؤں کے تیار کرنے کا طریقہ مندرج ہے۔

دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے وہ تمام نام دیئے گئے ہیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں اور علاقوں میں مستعمل ہیں مثلاً:-

اجوائن:- اسے سنسکرت میں یوانی۔ بنگالی میں یمانی یویاں گجراتی میں اُجما، مرہٹی میں اونوا، کرناٹکی میں اوڈ، انڈو، تیلنگی میں واموا، اور تامل میں امن کہتے ہیں۔

اس ایک ہی نمونے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب کی تالیف کس وسیع افادیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ہماری نگاہ میں یہ بے مثل کتاب دیہاتیوں کے علاوہ شہریوں کے لئے بھی نہایت مفید ہے خصوصاً حصہ اول تو سب کے لئے برابر کی اہمیت رکھتا ہے، قیمت بھی ضخامت اور نفیس لباس و ہیئت کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم ادارۂ ہمدرد کو اس بیش بہا خدمت کے لئے مبارک باد پیش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اکیلا ہمدرد اتنے بڑے ملک کی طبی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا لیکن اگر حکومت اس کی خدمات سے کماحقہ فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کتاب کو ملک گیر پیمانے پر استعمال کرنا ناممکن نہیں ہے۔

* * *

منہاج العابدین

تصنیف: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: مولانا عابد الرحمٰن صاحب صدیقی کاندھلوی

امام غزالی کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا، وہ اپنی شخصیت میں مستقل دور ہیں۔ ان کی بعض کتابیں تو اسلامی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں، خوشی کی بات ہے کہ ان کی آخری تصنیف ——— "منہاج العابدین" کو اردو میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس میں امام صاحب نے اہل ایمان کو یہ سمجھانے کی سعی کی ہے کہ کیونکر وہ اپنی بندگی کو اللہ ہی کے لئے خالص کر کے نفس اور شیطان کی دسیسہ کاریوں سے بچ سکتے ہیں۔ انہوں نے تفصیل و تحقیق سے بتایا ہے کہ گناہ کی جڑیں کہاں کہاں ہیں، حق پرستی کی راہ میں کون کون سی داخلی و خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، زہد و تقویٰ کی حقیقت کیا ہے، نفس کی کن کن رذالتوں سے انسان کو کس کس طرح بچنا چاہئے اور پوری زندگی اطاعت رب میں گذارنے کے لئے فکر و عمل کی وادیوں مومن کس رفتار اور کس انداز اور کس حزم و احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کے قدم بڑھائے۔

یہ کتاب عوام و خواص کے لئے یکساں مفید ہے لیکن یہ کہنے کے لئے ہمیں معاف کیا جائے کہ ترجمہ عمدہ نہیں ہے، معافی اسلئے چاہی کہ کتاب کے شروع میں مولانا شمس الحق افغانی کی تقریظ میں ترجمہ کو "شگفتہ و دلنشیں" کہا گیا ہے اور یہاں تک ہے کہ تمام وہ خوبیاں جو ایک ترجمہ کے لئے ضروری ہیں وہ سب اس ترجمے میں جمع ہیں نیز فاران کراچی نے بھی اپنے تبصرہ میں ترجمہ کو عام فہم بتایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو امام غزالی کا فلسفیانہ انداز کلام ہی خاصا دقیق ہے، وہ انسان کے اندر کام کرنے والے گوناگوں میلانات و داعیات کا تجزیہ اور ان کے اثرات و محاصل کا بیان اور نفسیاتی لطائف و غوامض کا آپریشن ایسے پیچدار انداز میں کرتے ہیں کہ فلسفے اور تصوف کے مختلف پیرائے ایک دوسرے میں خلط ملط نظر آتے ہیں

دوسرے فاضل مترجم نے ایضاح مطالب اور ترجمانی و تفہیم پر اتنی توجہ نہیں دی کہ مصنف کا مدعا ابھر کر سامنے آجائے۔ مثلاً صفحہ ۱۷ پر ہے:

"یہ بہت کٹھن طریقہ، بہت مشکل راستہ، زیادہ گھاٹیوں والا، بکثرت مشقتوں والا، مسافت کے اعتبار سے بہت بعید، آفتوں کی حیثیت سے بہت بلند زیادہ دشواریوں اور رکاوٹوں والا، یقینی مہلکات اور مصائب والا، بے انتہا دشمنوں والا اور ختم کر دینے والا، بلند جماعت و پیروؤں والا ہے"

اس سے قطع نظر کہ "جماعت و پیروؤں" کوئی انشاء نہیں اس آخری فقرہ کا مطلب آخر عام آدمی کیا سمجھ سکتا ہے۔

یا مثلاً صفحہ ۱۸ پر ہے:-

"غرضکہ جب بندے کے دل پر ہر ایک چیز کی ابتداء آئے تو میں یقینی طور پر قسم قسم کا انعام پانے والا اپنے لئے پاتا ہوں، جیسا کہ حیات قدرت عقل اور گویائی اور ساری محترم و لذت کی چیزیں بایں طور کہ وہ فہم مجھ سے ضرر رساں اور آفت کی چیزیں دور کرتا ہے اور ساتھ ساتھ ان نعمتوں کا مجھے اپنے شکر اور خدمت کا بھی مطالبہ کرتا ہے"۔

یہ عبارت اب سے سو سال پہلے کی اردو کا پتہ دیتی ہے۔ عطف و اضافت کی کھلی غلطیاں اور لفظی ترتیب کا صریح نقص اس میں موجود ہے، ہو سکتا ہے اس میں کوئی لفظ سقم کتابت کی بھی نذر ہو گیا ہو لیکن یہ تو ساری عبارت ہی عصری انشاء کی سطح سے دور ہے۔

آگے صفحہ ۱۹ پر ہے:-

"سو جس وقت بندہ کا علم و معرفت فرائض شرعیہ کے ساتھ تیار ہو جاتا ہے"۔

یہ کیا عبارت ہوئی؟

صفحہ ۲۰ پر ہے:-

"دنیا، مخلوق، شیطان اور نفس لہذا ان عوائق کو وضع کرنے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے"۔

"عوائق کو وضع کرنا" عوام کے پلے کیسے پڑے گا، اس کی جگہ ہزار عام فہم جملے ہو سکتے تھے۔

صفحہ ۲۱ پر ہے:-

"ثانیاً ہر ایک شے سے اصول کا طاری ہو جانا کہ جن سے وہ خوف کرتا یا کسی چیز کی امید رکھتا ہے"۔

"اصول کا طاری ہو جانا" ایسے محل میں عامی تو عامی خواص کے بھی مشکل ہی سے سمجھ میں آئے گا۔

صفحہ ۱۶۲ پر ہے:-

"قضاء و قدر کا سد باب رضا سے ہو سکتا ہے"

"سد باب" کا یہ کیا موقع تھا؟

"اسلئے اللہ تعالیٰ پر رضا واجب اور ضروری ہے"

اردو میں اللہ پر تکیہ اور بھروسا بولتے ہیں، اللہ پر رضا نہیں، اس ترجمے سے تو ایسا مفہوم نکلتا ہے کہ وجوب و ضرورت اللہ پر ثابت کئے جا رہے ہیں۔

اسی طرح کی مثالیں پوری کتاب میں عام ہیں، کئی جگہ مترجم نے استفادہ حاصل کرنا بھی لکھا ہے، ضرورت تھی کہ ترجمے پر کوئی ایسا شخص نظر ثانی کرتا جسے اردو کے موجودہ معیار انشاء اور نہج و اسلوب پر کچھ عبور ہوتا۔

ویسے اس نکتہ چینی کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب کی افادیت ختم ہو گئی، نہیں ترجمہ اب بھی ایسا ضرور ہے کہ عوام اس سے کافی استفادہ کر سکتے ہیں اور خواص تو بہر حال پورا ہی نفع اٹھائیں گے۔ امام صاحب نے اپنی تعلیمات کو دلچسپ اور سبق آموز حکایات اور احادیث سے بھی مزین فرمایا ہے، بعض ابواب تو نادر و لاجواب ہیں، ہو سکتا ہے امام کی اختیار فرمودہ بعض احادیث کی صحت پر اہل علم کو کلام ہو، حدیث کے باب میں امام صاحب ہمیشہ ہی فیاض و کشادہ قلب رہے ہیں لیکن یہ پہلو ان پاکیزہ تعلیمات و تفہیمات کی قدر و قیمت ختم نہیں کر سکتا جنہیں ممدوح نے پیش فرمایا ہے۔

کتاب کی طباعت و کتابت پسندیدہ ہے، کاغذ سفید، مجلد کی قیمت چھ روپے۔ چھاپنے والے ہیں:-

محمد سعید اینڈ سنز، تاجران کتب۔ قرآن محل
— کراچی —

رکعات التراویح

مُزیّل

بردِ انوار المصابیح

کچھ دن گذرے تعداد تراویح کی بحث میں مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کی کتاب "رکعات التراویح" چھپی تھی، اس پر اپریل ۵۸ء کے تجلی میں تبصرہ ہوا۔ پھر اس کتاب کا رد اہل حدیث حضرات کی طرف سے "انوار مصابیح" کے نام سے شائع ہوا تھا، اس پر اگست ۵۹ء کے تجلی میں تبصرہ کیا گیا۔ اب "رکعات التراویح" کا نیا ایڈیشن چھاپا گیا ہے اور اس کے مفصل حواشی میں مولانا عبدالباری قاسمی استاد مدرسہ مفتاح العلوم (مئو) نے "انوار مصابیح" کا تعاقب کیا ہے۔ تعاقب کیا ہے ایک آہنی قسم کا تحقیقی نقد ہے جو تراویح کے بارے میں اہل حدیث کے مسلک اور "رکعات تراویح" پر انکے اعتراضات کا اربعہ ستہ پیش کرتا ہے۔ بے شک یہ کہنا غلط نہیں کہ اس طرح کے فقہی مسائل پر لمبی چوڑی بحثیں کرنا ملت اسلامیہ کی موجودہ ضروریات سے جوڑ نہیں کھاتا لیکن بعض خاص حالات ایسی بحثوں کا نہ صرف جواز بلکہ وجوب بھی پیش کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کا پیش لفظ ہی پڑھ کر قارئین پر منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ بحث مولانا اعظمی نے خوامخواہ نہیں چھیڑی بلکہ مجبور ہو کر چھیڑی، مجبوری اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اہل حدیث حضرات وقتاً فوقتاً اپنے مسلک کی تبلیغ میں کھلا جارحانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں اور اس جارحیت کی زد سب سے زیادہ فقہ حنفی پر پڑتی ہے، اپنا مسلک سب کو عزیز ہے اور کیوں نہ ہو، ہر مسلک والا اپنے فکر و عقیدے کی بنیاد قرآن و سنت کو خیال کرتا ہے اور قرآن و سنت کی محبت عین ایمان ہے پھر کیوں نہ هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کے نعروں پر وہ مشتعل ہو اور چیلنج قسم کی باتوں کیلئے کیسے بہرا بن جائے ہمیں ہرگز خوش فہمی نہیں کہ فقہ حنفی کے تمام اصول و فروع تنقید سے بالاتر ہیں۔ ہم تقلید کی اس شدت کے بھی قائل نہیں جس کا سبق درس نظامی کی بعض کتابوں میں اور فتاویٰ کی بعض مجلدات میں دیا گیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہم شدت کے ساتھ اس کے بھی قائل ہیں کہ قانون شریعت — فقہ — کے میدان میں امام ابوحنیفہؒ کا کوئی ہم رکاب نہیں، وہ سب سے آگے ہیں، ان کے فکر و نظر اجتہاد اور قانون سازی کا ایسا جوہر اپنے اندر رکھتے ہیں جس میں اخلاف تو کجا امام مالک و شافعی اور امام بخاری و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے حریف و سہیم نہیں — ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ پھر امام ابوحنیفہ سے آگے بڑھئے تو ایسے ایسے عالی دماغ اور عالم و فاضل حضرات فقہ حنفی کے اسٹیج پر نظر آتے ہیں کہ علم و دانش بے اختیار مرحبا پکار اٹھتے ہیں، بے شک کوتاہ نظروں، متعصبوں اور حزم و احتیاط سے عاری حنفیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بہت کم ہوئے ہیں، اتنے کم کہ فقہ حنفی کے گلزار میں کچھ کانٹے اور جھاڑیاں انکے دم سے بڑھ گئی ہوں تو بڑھ گئی ہوں مگر قیمتی گل بوٹے برباد نہیں ہوئے۔

زیر تبصرہ کتاب پر تفصیلی محاکمہ تو مشکل ہے اس کے لئے دفتر چاہئے، مجمل تبصرہ یہ ہے کہ بحث و نظر کے جلووں کی امین یہ کتاب اپنے مطالب، اپنے اسلوب اور اپنے میٹیریل کے لحاظ سے خاصے نفع کی چیز ہے اور ان حنفی عوام کے لئے بے حد مفید ہے جو رکعات تراویح، فاتحہ خلف الامام اور اسی نہج کے فقہی امور میں اہل حدیث کی مستدل روایات کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں کہ فقہ حنفی تو صریح اقوال پیغمبرؐ کے خلاف ہے، انھیں اندازہ ہوگا کہ ظاہر فریبی اور دور اندیشی میں کیا فرق ہے، حدیث و قرآن سے کوئی حکم و عقیدہ مستنبط کرنے کے لئے بعض حالات میں علم و تحقیق کے کتنے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں، اکثر مسائل میں متعدد حدیثیں ہیں جن کے متصادم پہلوؤں کی تطبیق عوام کے بس کا روگ نہیں، کسی بھی حدیث کے ظاہری مفہوم کو جوں کا توں قبول کرنے سے پہلے کتنی ضروری ہوتی ہے یہ بات کہ اس موضوع کی دیگر احادیث پر نظر رکھی جائے، اور غور کیا جائے کہ یہ قبول کردہ مفہوم کسی دوسری صحیح حدیث کے خلاف تو نہیں پڑتا۔ فقہ حنفی جسے "قیاس" کا طعنہ دیا جاتا ہے اس کے علاوہ اور ہے کیا کہ تمام متعلقہ مرویات کا جائزہ، ہر عقلی و نقلی پہلو کی چھان بین، جملہ گوشوں کی رعایت اور دین کی اسپرٹ ملحوظ رکھتے ہوئے اولیٰ تر فیصلہ، اسی کا نام فقہ حنفی ہے جسے طعنہ ہائے قیاس کی مار دی جاتی ہے، جس کے لئے اس تاثر کو عام کیا جاتا ہے کہ حنفی اندھے بہرے مقلد ہیں اور قرآن و حدیث کی پروا نہیں کرتے عناد کی لے یہاں تک بڑھتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو راوی ضعیف تک کہدیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اس کتاب کے مطالعہ سے عوام کو اس سوال کا جواب بھی مل جائیگا

کر تقلید کو کیوں ضروری قرار دیا گیا اور تقلید کے بغیر کس طرح اکثر لوگ سطح بین علماء کے چکر میں اضطراب و بے یقینی کا شکار ہو سکتے ہیں، کیا لایعنی منطق ہے کہ ہر شخص براہ راست قرآن و حدیث سے اپنے عقیدہ و عمل کا گوشوارہ بنائے، گویا ہر شخص ماں کے پیٹ سے قرآن و حدیث کے فہم کامل اور اجتہاد و استنباط کی صلاحیتیں لیکر پیدا ہوا ہے گویا ہر شخص آپ سے آپ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے لئے جو متعدد حدیثیں ایک دوسرے سے ٹکراتی نظر آرہی ہیں ان میں تطبیق کیونکر ہو اور کیا اصول ہیں جنہیں اجتہاد و استخراج کے سلسلہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ زیر تبصرہ کتاب ہر حنفی کے مطالعہ میں آنی چاہیئے یہ علم و تحقیق کا خزینہ ہونے کے باوجود اپنی نکھری ہوئی انشاء رچے ہوئے اسلوب اور سنجھی ہوئی زبان کے سبب عام فہم بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ مولانا عبد الباری قاسمی کو ہم نہیں جانتے نہ پہلے ان کی کوئی تحریر نظر سے گذری ہے لیکن انوار مصابیح کا رد انہوں نے جس ذہانت ژرف نگاہی، تبحر علمی اور تیکھے انداز گفتگو کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد بلا تکلف ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ انہوں نے حنفیوں کی لاج رکھ لی، کاش وہ اس طرح کی زبان ایک جگہ بھی استعمال نہ کرتے۔

"کہئے الوی صاحب اب تو آپ کی آنکھیں کھل گئی ہونگی اور آپ کف افسوس ملتے ہوں گے کہ کاش میں بھی شیخ الکل صاحب کی طرح کسی حنفی سے پڑھے ہوتا" (ص ۲۲)

ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں کو وہ خطاب کر رہے ہیں انہوں نے اس سے سخت اور بعض مقامات پر پست زبان استعمال کی ہے۔ جواب میں "جیسے کو تیسے" والا رنگ آمیز غیر فطری نہیں، ترکی بہ ترکی جنگ اسی کو کہتے ہیں لیکن کتنا اچھا نظر آئے گا وہ شخص جو وار تو بھرپور کرے مگر گالی کے بدلے گالی نہ دے، اس کے لئے لوہے کا جگر چاہیئے جو ہمیں تو میسر نہیں مگر اپنے اہل علم کو ضرور میسر ہونا چاہیئے

کتاب کے صفحات ہیں ۲۴۴ چار صفحات غلط نامہ تصحیح اغلاط کے اس کے علاوہ ہیں جو آخر میں جڑے ہیں۔ قیمت ڈھائی روپے، شائع کردہ مجلس علمی مفتاح العلوم۔ مئو۔ اعظم گڑھ۔

علیؓ و حسینؓ

یادش بخیر کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کا قصہ پرانا ہوا، پاکستان میں اس کے مصنف مقدمہ جیت گئے ہیں اور عدالت نے اس کی ضبطی کو اس حد تک غلط قرار دیا ہے کہ مقدمہ کا خرچ بھی حکومت کے ذمہ ڈالا ہندوستان میں مقدمہ چل رہا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

یہ کتاب "علی و حسینؓ" مذکورہ کتاب ہی کے رد میں لکھی گئی تھی اور کئی مہینے ہوئے ہمارے پاس برائے تبصرہ آئی تھی، مصنف ہیں قاضی اطہر مبارکپوری، سوء اتفاق سے یہ گم ہو گئی یا کوئی صاحب لے گئے، اب بعض خطوط کی تحریک پر اسے ہم نے ایک جگہ سے بمشکل حاصل کیا ہے اور فرض تبصرہ ادا کر رہے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کے رد میں اب تک جتنی کتابیں سامنے آئی ہیں ان میں یہ بہتر اور جاندار ہے، طرز تحریر بھی بہت برا نہیں اور تبرا استدلال کے مقابلہ میں کم ہے، محمود احمد عباسی پر دجل و تلبیس اور عیاری و مکاری کے جو الزامات اس میں عائد کئے گئے ہیں ان کی جوابدہی تو وہی کریں یا ذکریں۔ سنا تو ہے کہ اصل کتاب کے ساتھ کئی سو صفحات کا اضافہ اسی جوابدہی کے سلسلے میں کر رہے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ ہمارا کام تو تبصرہ کر دینا ہے اور وہ حاضر ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض اہل الفضولوں کی طرح قاضی صاحب ابن تیمیہؒ کو منہ چڑانے نہیں بیٹھے بلکہ ان کی عظمت و مرتبت کا لحاظ کیا ہے اور اسی لئے ان کی تحریر وزن دار ہو گئی ہے لیکن بعض مقامات پر ہمیں شکایت ہے کہ انہوں نے ابن تیمیہ کے منہ میں اپنی زبان ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً صفحہ ۸۹ و ۹۰ پر ابن تیمیہ کی ایک عبارت نقل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ سے بہت سے اہل شوکت نے بیعت کر لی اسلئے وہ امام ہو گئے ——— صار اماما ——— لیکن قاضی صاحب اس پر ریمارک دیتے ہیں

"اس تصریح میں امام ابن تیمیہؒ نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کو ہر طرح کامل و اکمل تسلیم کیا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں"

کہاں ابن تیمیہ کے ہلکے پھلکے الفاظ صار اماما اور کہاں یہ قاضی صاحب

کی ترجمانی دونوں کے وزن، اسپرٹ اور ٹیپر چیر میں بہت بڑا فرق ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اگر اہل سنت والجماعۃ میں تھے تو از اقتراالخفاء میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت میں فرق کیا ہے رشد کے پہلو سے نہیں مگر خصوصیات کے پہلو سے، تو کمال کا مدار تو خصوصیات ہی پر ہوا کرتا ہے، اگر خلافت علیؓ ہر پہلو سے کامل و اکمل ہوتی تو فرق کیسا؟

ابن تیمیہ نے اس عبارت کے شروع میں یہ بھی کہا ہے کہ علیؓ کی بیعت سے صحابہ اور تابعین میں اتنے لوگ رکے کہ اللہ کے علاوہ ان کا کوئی شمار نہیں کر سکتا، اس کے باوجود وہ خلافت علیؓ کو منعقد مانتے ہیں اور ٹھیک مانتے ہیں مگر جس اسکول کی ترجمانی قاضی صاحب کر رہے ہیں اس کا تو یہ حال ہے کہ جب خلافت یزید کے انعقاد کی گفتگو ہو تو وہ یہ شوشہ چھوڑنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے کہ جب حسینؓ ہی نے بیعت نہیں کی تو خلافت یزید مسلم کیسے ہو گئی، گویا حضرت علی کی خلافت تو بے شمار صحابہ کے بیعت نہ کرنے پر بھی مسلم مگر یزید کی خلافت تنہا حسینؓ کے بیعت نہ کرنے پر ہی ناقابل تسلیم ہے۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا تا بکجا

ایک لطیفہ اور ہے ابن تیمیہ نے تو یزید کی خلافت و امامت کو بھی مسلمات میں داخل کیا ہے، اسی منہاج السنۃ میں وہ فرماتے ہیں کہ یزید بلاریب خلیفہ و امام تھا، اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ حکمراں نہیں تھے، ثابت ہوا کہ خلیفہ و امام کہنے سے ان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ خلیفہ راشد کامل بھی تھا، اس کی انہوں نے وضاحت بھی کی ہے۔ لیکن جب وہ حضرت علیؓ کے لئے صرف امام کہتے ہیں تو قاضی صاحب آپ سے آپ یہ مطلب نکال لیتے ہیں کہ ہر نقص سے مبرا اور ہر اعتبار سے کامل و اکمل امام مراد ہے، حالانکہ خلیفہ و امام کا جو مفہوم ابن تیمیہ خود بیان کر گئے ہیں اس سے آنکھیں بند کر لینی تھیں تو یزید کو بھی کامل و اکمل خلیفہ ہی ماننا چاہئے تھا کیونکہ اس کی خلافت و امامت کا اثبات بھی ابن تیمیہ نے شد و مد سے کیا ہے۔

دوسری مثال صفحہ ۱۲۹ پر قاضی صاحب ابن تیمیہ کا فرمودہ نقل کرتے ہیں:۔

"اور شہادت حسینؓ کے نتیجے میں فتنے برپا ہوئے جس طرح کہ شہادت عثمانؓ کے نتیجے میں فتنے برپا ہوئے تھے"

اس کا قاضی صاحب نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ابن تیمیہ شہادت حسین کو شہادت عثمانؓ کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۲۹)

ابن تیمیہ کے تو نہیں ہاں قاضی صاحب کے اپنے ذہن میں شہادت حسینؓ کی مبالغہ آمیز اہمیت بیٹھی ہوئی ہے اسی کو وہ ابن تیمیہ کے دماغ میں ڈالے دے رہے ہیں، ورنہ ابن تیمیہ نے تو دوران بحث میں کھل کر یہ بات کہی ہے کہ انبیاء سابق اور عمرؓ و عثمانؓ کی شہادتیں اپنے نقصان اور اہمیت کے اعتبار سے شہادت حسینؓ پر بمراتب فوقیت رکھتی ہیں، ویسے بھی ایک منصف مزاج شخص دیکھ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ نے اوپر کے فقرے میں کیا کہا ہے۔ اگر ان کی تشبیہ کا یہ مطلب ہے کہ دونوں شہادتیں ہم پلہ ہیں تو پھر تو ازل سے قیامت تک جن لوگوں کا قتل بھی فتنوں کا باعث بنے ان کا قتل شہادت عثمان و حسین کے ہم پلہ قرار دیا جائے گا، شہادت حسینؓ کے بعد قریبی ہی زمانے میں متعدد حکمراں پے در پے قتل ہوئے اور فتنوں کی فصل بہار برپا ہوئی تو ان سب حکمرانوں کا قتل شہادت عثمانؓ و حسینؓ کے ہم پلہ ٹھیرا۔ تشبیہ و تمثیل کو اگر ایسے ہی من مانے پیمانوں میں ڈھالا جائے گا تو خلفاء راشدین کی اور یزید کی خلافت کو بھی ہم پلہ ماننے کا الزام ابن تیمیہ کے ذمے جڑ دینا چاہئے، کیونکہ انہوں نے خلافت یزید کے وجود سے انکار کو خلفاء راشدین کی خلافت کے انکار جیسا بتایا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قاضی صاحب نے بعض مقامات پر ابن تیمیہ کی ترجمانی صحیح طور پر نہیں کی۔

صفحہ ۱۲۷ پر ہے:۔

"حضرت علیؓ کو اس کا وہم و گمان نہیں تھا کہ معاویہ اور اہل شام میری بیعت سے الگ ہیں ....."

پھر بھی اگر کوئی یہ کہدے کہ سیاسی بالغ نظری اور سوجھ بوجھ میں حضرت علیؓ کامل و اکمل نہیں تھے تو اسے گستاخ کہدیا جائے گا، اس دور کے حالات گواہ ہیں کہ اہل شام کی بیعت کی طرف سے مطمئن ہو جانا ایسی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں کہلا سکتا جسے سیاست کی زبان میں عدم تدبر کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ اگر اہل شام کے خیالات

اور میلانات کا بروقت ادراک نہیں کر سکے تو اس میں قصور کس کا ہے معاویہؓ کا یا طلحہؓ و زبیرؓ کا؟ تاریخ شاہد ہے کہ انھیں اہل نظر نے ادراک کرایا تھا اور توجہ دلائی تھی مگر انہوں نے پروا نہیں کی اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (قرآن) کا کوئی منظر سامنے نہیں آیا جبکہ انہوں نے مشیروں کے علی الرغم عزل معاویہؓ کا فیصلہ کرتے ہوئے نیا گورنر شام کی طرف روانہ کیا۔

پھر آگے ہے:-

"کیا معلوم تھا کہ کہ جانے کے بعد صورت حال کچھ اور ہی ہو جائے گی"۔

ادب کے ساتھ گذارش ہے کہ "خلافت معاویہ ویزید" کا گردن زدنی مصنف بھی یہ نہیں کہتا کہ حضرت علیؓ خدانخواستہ جان بوجھ کر غلطیاں کرتے تھے اور ان کی نیت خراب تھی۔ وہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت علی نے حق سمجھ کر جو اقدامات کئے وہ نفس الامری حقائق کے پیمانے میں فٹ نہیں بیٹھتے تھے اور اسی کا نام سیاسی غلطی ہے۔ قاضی صاحب خود تسلیم کئے جا رہے ہیں کہ حال اور ماضی قریب کے بارے میں حضرت علیؓ کے اندازے اور فہم و بصیرت چوک گئے۔ عوام کا ٹمپریچر ان کی تشخیص میں نہیں آیا اور جو کچھ پیش آ گیا اس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا، زلزلوں اور آندھیوں کی بات ہوتی تو کہہ سکتے تھے کہ کوئی انسان قبل از وقت ان کا اندازہ کیسے کر سکتا ہے لیکن بات ان احوال و واقعات کی ہے جو موجودہ ماحول و فضا کا منطقی نتیجہ تھے اور سیاسی بصیرت انھی نتائج اور منطقی مقدمات کو سمجھ لینے کا نام ہے۔

قتل عمار بن یاسرؓ کے بارے میں روایت آئی ہے جس کی صحت پر اکثر اہل علم اصرار کرتے ہیں۔ چلئے مان لیا وہ صحیح ہے لیکن یہ کیا بات ہے کہ اس کی جو توجیہ ابن تیمیہ نے کی ہے اس کا تو قاضی صاحب نے ذکر نہیں کیا مگر یہ برملا کہہ گئے کہ معاویہؓ باغی تھے (صفحہ ۱۱۱) ہم برا نہیں مانتے، معاویہ کو دلائل کے سہارے جو شخص "باغی" کے لقطے سے یاد کرتا ہے وہ اپنا ذمہ دار آپ ہے۔ لیکن یہ کیا مذاق مزاجی ہے کہ دلائل ہی کی بنا پر اگر کوئی حضرت حسینؓ کو "باغی" کہہ گذرے تو قاضی صاحب کے ہم مسلکوں پر آسمان ٹوٹ پڑتا ہے اور ایسا شور مچاتے ہیں جیسے قائل دنیا کے سب سے بڑے کفر کا مرتکب ہو گیا ہو۔

صفحہ ۱۱۸ پر ہے:-

"ہم چند آیات و احادیث مثال کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے خلاف ارشادات نبوی اور احکام شریعت کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ واجب تھا اور حضرت حسین اور ان کی جماعت نے یہ اقدام کر کے پوری امت کی طرف سے فرض کی ادائگی کی اور اگر حضرت حسینؓ اور ان کے ہم نوا (؟) ایسا نہ کرتے تو امت شاید اس سے بھی شدید اور عام فتنے میں مبتلا ہو جاتی اور بنائے ایک نہ بنتی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ہم نوا "امت داعیہ الی الخیر" اور "خیر امت" تھے جن کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے وَهُمْ اَعْظَمُ قَدْرًا عِنْدَ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ نِيَّةً مِنْ غَيْرِهِمْ۔ اور اگر اسی ایک نقطہ (؟) کو درمیان سے نکال دیا جائے تو شہادت حسینؓ بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ مولف (محمود احمد عباسی) نے اپنی پوری کتاب میں اسی نقطہ پر سیاہی پھیرنے کی کوشش کی ہے"۔

کور اچشمی۔ "خلافت معاویہ ویزید" اٹھا کر دیکھ لیجئے، مولف نے ہرگز حضرت حسینؓ کی نیت کو متہم نہیں کیا ہے بلکہ وہی بات کہی ہے جو ابن تیمیہ کہہ رہے ہیں، نیز ابن تیمیہ کی عبارت قاضی صاحب نے اپنے اس دعوے کے حق میں نقل کی جس کے بالکل برعکس دعویٰ ابن تیمیہ صراحت کے ساتھ کر گئے ہیں۔ ابن تیمیہ نے فرمایا:

"اور حسینؓ کے خروج اور قتل سے ایسے فساد نے جنم لیا کہ اگر حسینؓ اپنے شہر میں بیٹھے رہتے تو یہ فساد جنم نہ لیتا، کیا شک ہے کہ آپ نے حصول خیر اور دفع شر کا جو ارادہ فرمایا تھا اس کا ادنیٰ حصہ بھی حاصل نہ ہوا بلکہ خروج و قتل کے نتیجے میں شر اور بڑھ گیا اور خیر میں کمی آ گئی"۔ (منہاج السنہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۱)

(اصل عربی عبارت تجلی ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۰ء میں دیکھ لی جائے)

کیا یہ وہی حرکت نہیں جس کا الزام قاضی صاحب پے در پے

محمود احمد عباسی کو دیتے گئے ہیں، ابن تیمیہ صرف حسن نیت کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کی تکریم کر رہے ہیں مگر قاضی صاحب اسے اپنے طبع زاد دعوے کی دلیل بنا رہے ہیں حالانکہ ابن تیمیہ کا فیصلہ اس دعوے کے بالکل برعکس ہے۔

رہا خروج حسین کا واجب ہونا تو قلم جس کے ہاتھ میں ہے وہ اسے فرض الفرائض بھی لکھدے تو کون ہاتھ پکڑ سکتا ہے مگر واہ رے حب حسینؓ کہ بے شمار صحابۂ کرام واجب کے تارک قرار پاجائیں مگر عظمت حسین پر حرف نہ آئے، صحابہ اس واجب کے تارک ہی نہ تھے بلکہ بعض جلیل ترین صحابہ تو اس "واجب" کو فتنہ اور منکر قرار دیتے تھے، انہوں نے اس پر نکیر و تنبیہ بھی کی، اسکا مطلب یہ ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک جلیل القدر صحابہ کفر کی حدوں کو چھو رہے تھے کیونکہ امر واجب کو مذموم و مبغوض قرار دینا اور اس سے روکنے کی جرأت کرنا تو جرأت علی الکفر ہے، واجب دین کی اصلاح ہے اور واجبات دین کو قابل نکیر سمجھنے والا جملہ فقہاء کے نزدیک مشکل ہی سے مسلمان کہلا سکتا ہے۔

رہی وہ حدیثیں اور آیتیں جنھیں قاضی صاحب نے اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر نقل کیا ہے تو ان کے نقد کی گنجائش تبصرے میں کہاں، مجملاً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف بے محل ہیں بلکہ خالصۃً شیعی انداز فکر کی ترجمانی کرتی ہیں، ان کا مصداق و محمل اگر خروج حسین ہی مان لیا جائے تو ٹھیک وہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو شیعیت برآمد کرتی ہے، یعنی تنہا حسینؓ ہی قرآن و حدیث کے سب سے بڑے رازداں، دین کے سب سے زیادہ واقف و شیدا اور باقی سب صحابہؓ کم فہم و بے حمیت، بزدل و متساہل، اکیلے حسینؓ نے ان آیات و احادیث کا ٹھیک مطلب سمجھا جنھیں نقل کیا گیا ہے باقی جملہ صحابہؓ نے یا تو سمجھا ہی نہیں یا سمجھا تو گول کر گئے، الٹا حضرت حسینؓ کو گمراہ کرنے لگے کہ حدیث رسولؐ کے خلاف کیوں کرتے ہو۔

کاش قاضی صاحب ان احادیث کا بھی لحاظ کرتے جن میں خلافت قائمہ کے خلاف خروج کو لائق قتل جرم قرار دیا گیا ہے۔ چاہے وہ خلافت کسی فاسق و فاجر ہی کی کیوں نہ ہو، پھر ان حدیثوں کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت کا جو عقیدہ قرار پایا ہے اسکے لئے امام نووی کی شرح مسلم (جلد ۲ صـ۱۲۵) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری (جلد ۱۳ حـ ۷ صفحہ ۳۱، صفحہ ۱۰۹) دیکھئے، ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ میں مل جاتا کہ خروج حرام ہے چاہے خلیفہ فاسق و ظالم ہو۔ مسامرہ، شرح مقاصد، شامی، شرح مواقف، اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہی عقیدہ متفق علیہ نظر آتا جسے، عظمت حسینؓ کی خاطر بے محل آیات و احادیث نقل فرما کر ڈائنامیٹ کر رہے ہیں پیغمبر کے صریح احکام کو قرآن و حدیث ہی سے مسترد کرنے کی یہ کوشش بڑی المناک ہے۔

دیدنی ہے کہ قاضی صاحب ابن خلدون کا فرمودہ نقل کرتے ہیں:

"اس تفصیل سے تم کو حسین کے اندازے کی غلطی معلوم ہو گئی، مگر یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور یہ دنیاوی و سیاسی غلطی ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔" (صـ۱۲۵)

محمود عباسی کی کتاب اٹھا کر از اول تا آخر پڑھ جائیے، انہوں نے بھی تو صرف یہی ثابت کیا ہے کہ خروج حسین دنیاوی و سیاسی اعتبار سے غلط تھا، یہ کہیں نہیں کہا ہے کہ گناہ تھا جس کی پاداش میں انھیں دوزخ ملے گا۔

صـ۱۲۵ پر ہے:-

"اور جن صحابۂ کرامؓ نے دیکھا کہ ابھی یزید کی بیعت تام نہیں ہوئی اور وہ عامۃ المسلمین کی طرف سے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف اٹھے انہوں نے کسی خلیفہ کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ عین اس وقت جبکہ ایک شخص خلافت پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا انہوں نے بھی بہتر صورت پیدا کرنے کی کوشش کی۔"

کیا معصومیت ہے، گویا یزید کے خلاف اٹھنے والے حسین کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ تھے، یوں ہوتا تو رونا ہی کیا تھا، قاضی صاحب ڈھونڈ کے چند نام ان صحابیوں کے لیں جنہوں نے خروج حسین حضرت حسینؓ کا ساتھ دیا ہو، اگر دس بیس نام مل جائیں تب بے شک اس طرح کی عبارت زیب دے سکتی ہے لیکن نہ ملیں تو یہ بوالفضولی کے سوا کیا ہے، پھر لطف یہ ہے کہ معاویہ تو اس وقت بھی باغی

اور خلیفہ کے خلاف خروج کرنے والے ٹھیریں جب بے شمار صحابہ ان کے ساتھ تھے حالانکہ انہوں نے بھی علی کی بیعت نہیں کی تھی لیکن حسین صرف اس لئے باغی نہ ٹھیریں کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی چاہیے کوئی صحابی ان کا ساتھ نہ دے۔ کیا بات ہوئی کیا یہی انصاف ہے؟ ۔ جتنے بھی دلائل قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں حضرت حسین کو باغی قرار نہ دینے کے حق میں جمع فرمائے ہیں وہ سب حضرت معاویہؓ کے حق میں بدرجۂ اولیٰ کام آتے ہیں، مگر معاویہ پھر بھی باغی اور خطاکار لیکن حسین بکسر امام معصوم۔

صفحہ ۱۵۰ پر ہے:۔

"پھر ان کے (صحابہ کے) اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ باہمت اور باعزیمت صحابہ تو اس کے (یزید کے) خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ...."

ابن خلدون کی تقریر کا سہارا لیکر قاضی صاحب بار بار مغالطہ دے رہے ہیں، اسے چھوڑ دیجئے کہ جب حسین کے غلبہ میں ابن عباس، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ جیسے صحابیوں اور جمہور مسلمین کو بے ہمت اور بے عزیمت کہنا قاضی صاحب کو کچھ برا محسوس نہیں ہوتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ حسین کا ساتھ دینے والے کون کون صحابہ تھے جن کے اٹھ کھڑے ہونے کو بار بار اس طرح بیان کیا جا رہا ہے جیسے صحابہ کا ایک معتدبہ گروہ حسین کے ساتھ علم بغاوت اٹھا کر چل کھڑا ہوا تھا، ابن خلدون — عبداللہ ابن زبیر کے علاوہ کسی صحابی کا نام نہیں لے سکے ہیں، پھر ابن زبیر بھی حسین کے ساتھ تو نہیں گئے تھے، آخر کیا ماجرا ہے کہ خواہ مخواہ خلاف واقعہ تاثر دیا جاتا ہے اور اکابر صحابہ کو ہمت و عزیمت سے خالی کہنے میں باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

بڑے بڑے صحابہؓ نے حضرت حسین کو خروج سے روکنے کی کوشش کی تھی، اسی کی تفصیل محمود عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں دی۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ ان کا گھروندا میں نے گرا دیا کیونکہ:

"صحابہ نے اگرچہ بصلاحیت یزید کے فسق و فجور کے باوجود اس کے خلاف خروج نہیں کیا لیکن انکے نزدیک یزید کے افعال مستحسن اور صحیح نہ تھے بلکہ وہ ان کو اسی طرح غلط اور ناجائز سمجھتے تھے جس طرح حضرت حسین سمجھتے تھے"۔

چلئے صاحب مان لیا کہ منقبت یزید میں عباسی صاحب نے غلطی کی مگر اس عبارت سے کیا صاف طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسینؓ قاضی صاحب کے لئے بھی چاہے غیر شعوری طور پر سہی — "امام معصوم" سے کم نہیں ہیں، وہ مان رہے ہیں کہ یزید کے جس فسق و فجور کی بنیاد پر حضرت حسین خروج کر رہے تھے اس کا پورا پورا علم تمام صحابہ کو بھی تھا، مگر اس علم کے باوجود، ابن عباس ابن عمر، ابن جعفر، جابر بن عبداللہ، ابو واقد اللیثی اور ابوسعید خدری جیسے صحابہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ خروج غلط ہے اور حسین کو سمجھانے بجھانے کی سعی کرتے ہیں، اب سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ قاضی صاحب کے نزدیک یہ صحابہ اجتہاد میں خاسکار، عزیمت میں کھوٹے، فہم حدیث میں کوتاہ اور حبِّ دین میں پس ماندہ تھے انھیں شعور نہ ہوا کہ خروج تو اس وقت "نہ صرف جائز بلکہ واجب" ہے

خوشی ہے ہر شخص کی وہ اگر اکابر صحابہ کے ناموس کی لاش پر عظمت حسین کا قصر بنانا ناپسند کرے لو شوق سے کرے۔ ہم مگر اس کی داد دینے سے معذور ہیں۔

قاضی صاحب نے صفحہ ۳۳۲ سے صفحہ ۳۴۲ تک بخاری کی اس حدیث پر بھی بحث کی ہے جس سے یزید کی مغفرت کا ثبوت ملتا تھا عزاء عقیدت رکھنے والے عاشقان حسین کے لئے آفت بن گیا ہے وہی فضول کی اگر مگر جس کا ہائڑہ ہم جون ۱۹۶۰ء کے تجلی میں مہتمم صاحب کی کتاب پر گفتگو کرتے ہوئے لے چکے ہیں، حاصل ان کی ساری بحث کا یہی ہے جو خلفاء ثلاثہ کی مغفوریت کو کالعدم قرار دینے کی بحث میں شیعہ حضرات کا ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح چنیں چناں کر کے یہ دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ ابوبکر و عمر وغیرہ فبشر بالجنۃ ہزار ہوں مگر بعد میں انہوں نے ایسے افعال کئے کہ بشارت قلابازی کھا گئی۔ قاضی صاحب نے یزید کو حدیث بشارت سے نکالنے کے لئے شد و مد سے ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے نقل کرنے میں یا تو ان سے درنہ کاتب صاحب سے خوفناک غلطی ہوئی اور حیرت کی بات ہے انہوں نے اس دوسری حدیث کو بھی مشکوک ہی بنا کے چھوڑا۔ سنئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان میں بخاری و مسلم سے ایک

روایت نقل ہوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زور دیکر فرمایا ہے :

ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنۃ — ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور اسی پر مرے پھر جنت میں داخل نہ ہو۔

کتنی واضح حدیث۔ اہلیت ہونے نہ ہونے کی کوئی بحث ہی اس میں نہیں اٹھتی جب کہ ثم مات علی ذلک کے الفاظ موجود ہیں لیکن قاضی صاحب نے دوسرے مقام سے اس کا ملخص لے لیا مجھوں ہے من قال لا الہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ اسکی نقل میں تو ان سے یا کاتب سے چوک ہوئی کہ ٹھیک کفریہ کلمہ لکھا من قال لا الہ دخل الجنۃ (جس نے لا الہ کہا جنت میں داخل ہوا، صہ ۲۴۳) ترجمانی میں یہ شوشہ چھوڑا کہ جس طرح دخول جنت کے لئے کلمہ کافی نہیں بلکہ اس کی اہلیت کی مزید چیزیں درکار ہیں اسی طرح مغفرت یزید کے لئے حدیث مغفرت کافی نہیں۔ بلکہ اہلیت مشروط ہے، یہ اہلیت بھی عجیب معمہ ان حضرات نے بنادی ہے، نہ یہ کہتے بن پڑتی ہے یزید کافر تھا نہ اہل سنت کے اس بنیادی عقیدے کو جھٹلائے بن پڑتی ہے کہ ہر صاحب ایمان کی مغفرت ہوگی چاہے کتنا ہی بڑا گناہگار ہو، مگر یزید کی مغفرت کی بشارت اللہ کا رسول دیتا ہے تو لاحاصل طور پر اہلیت کی بحث اٹھا دیتے ہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں، اور قاضی صاحب بھی مانتے ہیں کہ یزید مسلمان ہی مرا ہے۔ خیر دوسری زیادتی دیکھئے، اللہ کے رسول نے تو مذکورہ حدیث میں خود ہی اہلیت کی تصریح ثم مات علی ذلک سے کردی ہے مگر جس حدیث سے یزید کی مغفرت ثابت ہے، اس میں تو حضورؐ نے کوئی تصریح ایسی نہیں کی پھر کسی کو کیا حق ہے کہ من مانے شرائط کا اضافہ کرے۔

علاوہ ازیں غزوۂ قسطنطنیہ میں سب ہی حملہ آور مسلمان ہی تھے، اُن سب میں مغفرت کی اہلیت پہلے ہی سے موجود تھی۔ اگر بشارت کا مطلب یہی ہوتا کہ جس میں اہلیت ہوگی وہی مغفور ہوگا، پھر تو یوں کہئے معاذ اللہ۔ بشارت محض فضول ہوئی، یہ تو تحصیل حاصل ہے کہ جو مغفرت کے اہل ہیں انھی کو بشارت دیجارہی ہے خدا نہ کیجائے تو عناد معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مجاہدین قسطنطنیہ کے لئے مغفور لھم فرمانا اس حقیقت خامسہ کا انکشاف ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شرکت ہی اہلیت مغفرت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اب جسے بغض یزید کی رو میں یہ صاف سی بات بھی نظر نہ آئے وہ شوق سے مزید ثبوت ڈھونڈتا پھرے۔

فرماتے ہیں :

"ہر لا الہ الا اللہ کہنے والے کو جنتی ہونے کا قطعی حکم لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس میں اہلیت و صلاحیت کا ہونا ضروری ہے"۔

پھر یہی اہلیت وصلاحیت!۔ یہ گول مول بات ہے حالانکہ مغفرت کا معاملہ اللہ اور رسولؐ نے گول مول نہیں رہنے دیا۔ اگر یہ مطلب ہو کہ صرف زبان سے کہدینا کافی نہیں دل میں بھی اس کا یقین ہونا چاہئے تو صفائی سے لکھنا چاہئے تھا۔ لیکن صفائی سے لکھتے تو یزید کے ناقابل مغفرت ہونے کا تاثر کیسے دیا جاتا۔ کس میں ہمت ہے جو یہ ثابت کرسکے کہ یزید دل سے لا الہ الا اللہ کا قائل نہ تھا، اسی لئے اہلیت وصلاحیت کے گول مول الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ یزید کی تمام مشتہرہ سیاہ کاریاں درست مان لی جائیں تب بھی اہلیت مغفرت کا استیصال نہیں ہوجاتا۔ یہی حدیث جو ہم نے مشکوٰۃ سے نقل کی اسی میں تصریح ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا حضور وہ چوری اور زنا کرے پھر بھی؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ ہاں پھر بھی۔ ابوذرؓ نے تین بار پوچھا اور حضورؐ نے تینوں بار یہی جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہاں چاہے ابوذر کو ناگوار ہو پھر بھی!

بخاری ہی میں "باب زیادۃ الایمان ونقصانہ" کے ذیل میں دوسری روایت بھی آئی ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اسکے دل میں جَو برابر بھی ایمان تھا اسے ضرور آگ سے نکالا جائے گا۔

آیت قرآنی بھی یہی بتاتی ہے کہ سوائے شرک وکفر کے کوئی چیز مغفرت کی اہلیت زائل نہیں کرتی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط

قاضی صاحب بھی ان بنیادی محکمات کو مانتے ہیں مگر یہ ماننے کو تیار نہیں کہ یزید مغفور ہوا، حالانکہ ابن التین اور ابن المنیر

جیسے ہزار دماغ بھی یزید کو جنت سے نہیں نکال سکتے جب تک یا تو اس کا کفر تسلیم نہ کریں یا حدیث بخاری کو جھٹلائیں، حالانکہ اگر قاضی صاحب بردباری کے ساتھ صرف اتنا مان لیتے کہ مغفرت یزید پر ہمیں اطمینان ہے تو وہ ہزار کیڑے بھی عباسی صاحب کی کتاب میں ڈالتے ہمیں غم نہ ہوتا، ہمیں دعویٰ نہیں ہے کہ عباسی صاحب کی کتاب حرف بحرف مستند ہے اور یزید اتنا ہی اچھا تھا جتنا انہوں نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ جس شخص کے مغفور ہونے کا تیقن نہ سہی ۔ گمان غالب بہرحال موجود ہے، اسے دلیل درسوا کئے بغیر مدحت حسینؓ کا راستہ نکالو، رسول اللہؐ کے نواسے ہمارے سر آنکھوں پر، ان سے بغض ، عداوت یا ہلکا سا کینہ بھی بے ایمانی کی دلیل ہے لیکن بشارت رسول بھی تو آخر کوئی چیز ہے ؟ ۔ اور اگر کوئی کہتا ہے کہ حدیث بشارت سے گمان غالب بھی حاصل نہیں ہوتا تو اسے ایمان بالرسالت کا تکلف ختم کر دینا چاہیئے ۔

یہ تو تبصرے کے ناگوار پہلو ہوئے لیکن مجموعی طور پر کتاب لائق التفات ہے، اس میں بے شمار اعتراضات عباسی صاحب پر کئے گئے ہیں جن میں سے بعض اعتراض برائے اعتراض ہیں، بعض بے جان ہیں، بعض قوی ہیں۔ تبصرے میں سب کے نمونے دینے کہاں ممکن ہیں ۔ یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ مسئلہ متنازعہ میں قاضی صاحب کا اپنا انداز فکر خاصا مائل بہ اعتدال ہے گو شاعرانہ جزئیات سے خالی نہیں ۔

کتاب کے صفحات ہیں ۳۳۲ ۔ قیمت ساڑھے تین روپے ملنے کے دو پتوں میں سے ایک یہ ہے :

ایجنسی تاج کمپنی ۱۰۰ مسجد اسٹریٹ ۔ بمبئی ۳ ۔

* * * *

ترجمان فارسی مؤلفہ ۔ ابوالکیف نثار احمد خاں ناظم میواتی ۔ صفحات ۱۵۱ قیمت ایک روپیہ

• ناشر :۔ ناظم پبلیکیشنز ۔ سورج پورہ ۔ شاہ آباد ۔

اچھی اردو سیکھنے کے لئے فارسی جسقدر اہم ہے محتاج بیان نہیں ۔ یہ کتاب فارسی کی ابتدائی تعلیم پر مشتمل ہے، اس نوع کی متعدد کتابیں اب تک نظر سے گذر چکی ہیں ۔ یہ فیصلہ تو کوئی ماہر تعلیم ہی کر سکتا ہے کہ ایک ہی نوع کی متعدد کتابوں میں کونسی سب سے بہتر ہے، ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ زیر تبصرہ کتاب بھی اپنی ترتیب اور تفہیم کے اعتبار سے بہت اچھی ہے ۔ بچے یا کم تعلیم یافتہ بڑے اسے "سنگ" سے پڑھ لیں تو فارسی کی خاصی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے ۔

کاش مؤلف اس پر کسی ادیب سے نظر ثانی کرا لیتے ۔ بعض جگہ نمایاں غلطیاں رہ گئی ہیں ۔ مثلاً ایک ہی صفحہ (۸۹) میں کئی فقرے قابل ترمیم تھے

" راج نے پرسوں اینٹ چوڑا تھا "

اول تو اینٹ مؤنث ہے، دوسرے اینٹ جوڑنا محاورہ نہیں ہے ۔

" میں نے بوتل چور کردی تھی "

بوتل توڑ دی تھی ہونا چاہئے تھا یا پھر چور چور کر دی تھی "

" اس نے تمہیں ڈھونڈا لیکن تم نہیں پائے گئے "

"تم نہ مل سکے" کی بجائے "تم نہیں پائے گئے" ناقص قسم کے ترجمے کی زبان ہے ۔

" آج کی دعوت کے لئے ایک خصی ذبح کیا تھا "

بچہ "خصی" کیا جانے، وہ خوانخواہ خصی کا مطلب پوچھے گا اور استاد آزمائش میں پڑ جائے گا ۔

" آپ کے آنے کے پہلے ہم لوگ پڑھائے جاتے تھے "

یہ مادری زبان نہیں ہے ۔

حاصل یہ کہ اگلے ایڈیشن میں اس طرح کی خامیاں دور ہونی چاہئیں ۔ ویسے کتاب بہت اچھی ہے ۔

* * * *

تحفۂ کربلا از جناب محمد احمد الہ آبادی • صفحات ۱۶۲ لکھائی چھپائی متوسط ۔ قیمت ساڑھے تین روپے (جو قدرے زیادہ ہے) • ناشر :۔ مولوی محمد احمد ۔ شاہ گنج ۔ الہ آباد ۔

نام ہی سے ظاہر ہے کہ موضوع کیا ہے ۔ محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی اشاعت سے پہلے کربلا اور اسکے متعلقات پر اردو میں کم و بیش ایک ہی نوعیت کی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں، طرز تحریر، ترتیب اور مواد کی کمیت میں تو فرق ضرور رہا ہوگا لیکن متعلقہ شخصیات کے بارے میں فکر و نظر کا زاویہ

بفرق مراتب ایک ہی رہا، وہی لگے بندھے نتائج جن کا استنتاج واقعات کے بطن سے نہیں کیا جاتا رہا بلکہ چند نتائج اور عقائد کو تمہیدی مسلمات کا درجہ دیکر واقعات کو ان کے محور پر گھمایا گیا۔ لگی بندھی جمعیتیں اور تفریقیں۔ لگے بندھے عقائد۔ "خلافت معاویہ ویزید" بجائے خود چاہے کیسی ہی ہو مگر اس نے یہ ثمرہ ضرور دیا ہے کہ تاریخ کے اس ہنگامہ خیز باب پر جذبات سے بالاتر ہو کر سوچنے اور برہان وشہادت کے رخ سے نقد ونظر کرنے کا عام رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ رفض وتشیع کے حاملین نے بڑی فنکاری کے ساتھ جن تصورات اور عقائد کی پیٹ میں بہتیرے سینوں کو بھی لے لیا تھا ان کی برف کو مذکورہ کتاب نے کچھ پگھلایا ضرور ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بال اکھیڑنے سے مردے ہلکے نہیں ہوتے۔ ایک دو کتابیں صدیوں کے جاگزیں اثرات کا ازالہ نہیں کر سکتیں لیکن اہل علم دانش کو تو اپنا فرض ادا ہی کرنا چاہیے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی۔

تحفۂ کربلا نہ تو محمود عباسی صاحب کے افکار ودعاوی سے موہوم ہم آہنگ ہے نہ مروجہ تصورات کا ساتھ دیتی ہے اس میں انہوں نے اور ہی انداز کی بحث کی ہے جو تاریخ اور اس کی متنازعہ شخصیتوں کے معاملے میں عدل وانصاف کی ایک جذبات سے بالاتر علمی ومنطقی کوشش کہنی چاہئے، ان کی ترتیب مقدمات شائستہ ہے اور استدلال جاندار، انہوں نے مواد بھی کافی جمع کیا ہے اور ان کا تبصرہ محاکمہ بھی ذہانت اور سنجیدگی کا حامل ہے، صفحات کی تنگ دامانی لمبے تبصرے کی اجازت نہیں دے رہی۔ حاصل تبصرہ یہ ہے کہ کتاب عوام وخواص دونوں کے مطالعہ کے قابل ہے۔

یہ بات ہمیں پسند نہیں آئی کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں مصنف، عبداللہ بن سبا یہودی کو ہر دس منٹ بعد کوستے کاٹتے ہیں۔ اول تو ہمارے خیال میں ابن سبا کی شخصیت کو پوز کرنے میں مؤرخین نے اعلان جنگ کے فن سے کام لیا ہے، نیت ان کی بری نہیں تھی وہ چاہتے تھے کہ اہل ایمان کی جس برائیوں، لغزشوں اور بے اعتدالیوں کا جواز نہ مل سکے انھیں بالواسطہ ابن سبا کے ذمے ڈالدیں۔ مؤرخوں سے بھی زیادہ تاریخ کے مسلمان ناقدوں نے ابن سبا سے فائدہ اٹھایا، جہاں ضرورت سمجھی ترپ کے پتے کی طرح آگے بڑھا دیا، نیت ان کی بھی بری نہیں تھی، جو روافض ان کے افضل ترین خلفاء اور امہات المؤمنین اور بعض اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تبرا کرتے ہوں انکا جوڑ جتنا زیادہ ابن سبا یہودی سے ملتا جائے گا اتنی ہی جذبات کو تسکین ہوتی جائے گی، لیکن فی الواقع یہ ابن سبا تمام مسائل کی کنجی نہیں۔

دوسرے مان لیا ابن سبا ہی بس کی گانٹھ تھا جیسا محمد احمد صاحب باور کرا رہے ہیں تب بھی بات بات پر کوسنا کاٹنا بہت بھونڈا لگتا ہے حالانکہ جس پائے کی ان کی کتاب ہے اس میں یہ بھونڈا پن نہیں کھپتا۔

یہ دعویٰ بھی ہمیں تسلیم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ رنجشیں جڑ بنیاد سے ختم ہو گئی تھیں اور محض عبداللہ بن سبا ہی تھا جس نے از راہ شرارت یہ پروپیگنڈا کیا کہ نہیں وہ ختم نہیں ہوئی تھیں باقی تھیں، اس دعوے کے دلائل وزنی نہیں ہیں۔

صفحہ ۲۵ کے حاشیہ میں حدیث کے ٹکڑے وعمر حیطانها کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے اگلے ایڈیشن میں تلافی کی جائے۔

کربلا اور اس سے متعلق افراد سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہم اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

* * *

مشاہیر اسلام

لکھنؤ سے ایک پندرہ روزہ جریدہ "برادری" نکلتا ہے جو صالح فکر ونظر کا سرمایہ دار ہے۔ یہ اسی کا خاص نمبر ہے جو چھوٹے کتابی سائز کے ۱۳۸ صفحات پر شائع ہوا ہے، بڑے اچھے مضامین پر مشتمل ہے، کوئی مضمون بھرتی کا نہیں معلوم ہوتا، حصہ نظم بھی جاندار ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

"برادری" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ پتہ: پندرہ روزہ "برادری" سعادت گنج۔ لکھنؤ۔

اسباب زوال امت

عالم اسلامی کے مشہور ادیب و مفکر امیر شکیب ارسلان کی یہ کتاب اردو لباس میں پہلے بھی جلوہ گر ہو چکی ہے۔ اب مکتبہ انسانی کاوری (سعادت گنج۔ لکھنؤ) نے بھی اسے چھاپا ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف نے اس کتاب میں زوال امت کے ہر ہر سبب و علت کو مشخص کر کے رکھ دیا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ تمام اسباب کا ایک مجمل تصور ضرور دیتی ہے، اور صحیح لائن پر غور و فکر کرنے کے لئے بڑی اچھی محرک ہے۔

صفحات ۲۲۴ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ ہمارے خیال میں یہ قیمتیں ۲۵ فیصد زیادہ ہیں۔

* * *

پیارے رسول کی پیاری دعائیں

مرتبہ:۔ مولانا محمد حنیف عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ ناشر:۔ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور۔ صفحات ۸۸ قیمت ۱۲ر لکھائی چھپائی، کاغذ سب معیاری۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی دعاؤں کے مجموعے پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں ویسا ہی ایک یہ بھی ہے لیکن ہر نوع کی دعا شامل ترتیب کر لینے کی سعی اس میں نسبۃً کامیاب معلوم ہوتی ہے۔ حاشیے پر ماخذ کا حوالہ کتاب کی وقعت میں اضافہ کر رہا ہے۔ اہل ایمان کے لئے یہ مجموعہ خاصے کی چیز ہے۔

* * *

الحسنات خاص نمبر ۱۹۶۰ء

رامپور کا پندرہ روزہ "الحسنات" ایک معروف اسلامی جریدہ ہے جو اسلام پسند گھرانوں میں کافی مقبول ہے، بچوں، لڑکیوں اور کم استعداد والوں کے لئے اس میں بڑے اچھے اصلاحی و تعمیری مضامین آتے رہتے ہیں، بعض چیزیں تو اہل علم کے لئے بھی باعث کشش ہوتی ہیں۔

یہ خاص نمبر دراصل انتخاب نمبر ہے جس میں الحسنات ہی کے پچھلے تیرہ برسوں کے عمدہ مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔

صفحات ۲۱۶ قیمت صرف ایک روپیہ جو بہت کم ہے بلکہ معنوی منفعت کے مقابلے میں تو مفت برابر ہے۔ ٹائیٹل نہایت دلکش سدرنگا۔ ادارۂ الحسنات کو اتنا دیدہ زیب اور پرکشش نمبر اتنی کم قیمت میں پیش کرنے پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ہماری سفارش ہے کہ قدر دانی حضرات اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اسباق النحو

مصنف: مولانا حمید الدین فراہیؒ۔ صفحات ۵۵ قیمت ایک روپیہ (جو کچھ زیادہ ہی) شائع کردہ:۔ دائرہ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر اعظم گڑھ

یہ حصہ اول ہے جو صرف "اسم" کے بیان میں ہے۔ مولانا فراہیؒ عربی زبان و ادب کے شہسواروں میں گنے جاتے ہیں، ان کی ترتیب دی ہوئی درسی کتاب عمدہ ہی ہونی چاہئے اور ہے۔ عربی سیکھنے والوں کے لئے اس سے استفادہ از بسکہ ضروری ہے۔

* * *

فاتحہ کا طریقہ

مؤلف: قاضی سید اسماعیل صاحب۔ شائع کردہ: قاضی بک ڈپو۔ بنگلور ضلع چتور۔ صفحات ۴۸ قیمت صرف ۷ر

اس کتاب پر تجلی میں پہلے بھی تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ نیا ایڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ بعض جدید مضامین پہلے سے زیادہ ہیں۔ "فاتحہ" کی رسم چونکہ نئی زمانہ بہت رائج ہے، اس لئے جس کتاب کا مطالعہ عوام کے لئے نافع ہوگا اس میں بدعی طریقوں کی نشاندہی اور تردید کی گئی ہے۔

ریاض المصلی

مرتبہ: جناب عبد القدوس صاحب۔ ناشر:۔ انجمن مصنفین بھوپال۔ صفحات ۱۲۸ سائز چوڑا خوبصورت۔ لکھائی چھپائی کاغذ معیاری قیمت دو روپے۔

اس کتاب میں فاضل مرتب نے نماز اور اس کے متعلقات کی مرویات جمع کی ہیں۔ ترجمہ بلا متن پر اکتفا کیا ہے لیکن حوالے ہمرشتہ ہیں، ترتیب وہی فقہی انداز کی ہے۔ آغاز میں نماز کی اہمیت و فضیلت ظاہر کرنے والی روایات دی گئی ہیں، اور خاتمے پر چالیس مختصر روایات کا ترجمہ بھی منسلک ہے۔ کتاب ہر اعتبار

مفید ہے۔ بعض مقامات دیکھنے سے اندازہ ہو کر مؤلف کی نگاہ رسا اور انتخاب جاندار ہے۔

ملنے کا پتہ: دار الاشاعت انجمن مصنفین۔ قریشی ہاؤس ــــ شاہجہاں آباد۔ بھوپال۔

* * *

ترجمۃ القرآن مرتبہ عزیز دانش ابن مولوی عبد العزیز۔ ناشر: پاکیزہ دار الکتب۔ جیل روڈ حیدر آباد (سندھ۔ پاک) لمبے ۲۱۲ صفحات۔ قیمت سوا روپیہ۔

قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا کام نہ کبھی بند ہوا ہے نہ ہو گا۔ خدا کی اس کتاب کی جتنی بھی خدمت کی جائے حق خدمت باقی رہے گا۔

یہ کتاب تفہیم قرآن کی ایک نئے انداز کی کوشش پر مبنی ہے۔ فاضل مرتب نے آیات قرآنیہ ہی سے صرف و نحو کے قواعد سمجھائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو نافع بنائے۔ گو ہم مطمئن نہیں ہیں کہ اس نوع کی کوشش فہم قرآن کو آسان بنا سکتی ہے، لیکن صحیح فیصلہ کوئی ماہر تعلیم ہی دے سکتا ہے۔

* * *

ماہنامہ اردو ڈائجسٹ "ڈائجسٹ" یعنی منتخبات کا گلدستہ ایشیا والوں کے لئے نئی چیز ہے اس کا رواج ابھی ابھی شروع ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے دوسروں کی محنت سے مفت میں خوشہ چینی کر کے فائدہ اٹھانا مجرمانہ فعل ہے لیکن علم و ادب کے بارے میں ہم اس طرز فکر کو درست نہیں سمجھتے۔ آج لوگوں کو فرصت کم ہے، ایشیا والوں کے پاس تو پیسہ اور تعلیمی تناسب بھی کم ہے کچھ لوگ اگر اچھی قسم کی کتابیں اور رسالے پڑھ کر ان میں سے اچھی اچھی تحریریں یکجا کر کے ماہ بماہ عوام کو پہنچاتے رہیں تو اس میں جرم و گناہ کچھ بھی نہیں۔ افادیت ظاہر و باہر ہے۔

پیش نظر ڈائجسٹ لاہور سے نکلا ہے، اس کے دو شمارے ہمارے سامنے ہیں۔ سائز خوشنما۔ گیٹ اپ معیاری کتابت و طباعت کا معیار اعلیٰ اور ممتاز۔ صفحات ۱۱۲ اور قیمت پھر بھی ایک روپیہ پانچ آنے۔ پھر بھی ہمارا مطالبہ یہ کہ بیع سے مقابلہ میں ثمن کم ہے۔ دو روپے بھی قیمت ہوتی تو زیادہ نہیں کہی جا سکتی تھی۔

مضامین کے انتخاب میں صالح و صحت مند رجحانات کارفرما نظر آتے ہیں۔ تقریباً تمام منتخبات سنجیدہ و وقیع ہیں۔ مجلس ادارت پانچ قابل آدمیوں پر مشتمل ہے اسی لئے ایک مؤثر ڈائجسٹ کا اجراء ممکن بھی ہوا ہے۔ توقع ہے کہ اگر اسی محنت شوق سے کام کیا جاتا رہا تو یہ ڈائجسٹ قبول عام حاصل کرے گا۔

ملنے کا پتہ:۔ ۱۲ بیڈن روڈ۔ لاہور۔

* * *

مجربات فخر الاطباء مرتبہ: حکیم محمد جلال الدین۔ شائع کردہ: دار الاشاعت علوم اسلامیہ حسین آگاہی۔ ملتان۔ صفحات ۱۱۲ قیمت دو روپے۔

فن طب سے ہمیں کوئی مس نہیں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں فخر الاطباء جناب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے مجربات اور صدری نسخے ترتیب کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، ناشر نے لکھا ہے کہ نسخوں کی ترتیب و تبویب میں فخر الاطباء کے فرزند حکیم محمد جلال الدین نے کی ہے اور فارسی نسخوں کا ترجمہ بھی آغاز میں فخر الاطباء کے حالات و سوانح بھی دس گیارہ صفحات پر ہیں جن سے ان کے اوصاف عالیہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ نسخوں کے مقام و مرتبے کو ماہرین طب ہی سمجھ سکتے ہیں یا پھر تجربہ بتائے گا۔ خاتمہ کتاب پر تشخیص امراض اور علامات کے بارے میں کچھ اصولی نکتے دیئے ہوئے ہیں۔

* * * *

اسلام کا نظام قانون مرتبہ جناب غلام علی صاحب شائع کردہ: مکتبہ چراغ راہ۔ کراچی صفحات ۲۹۱ قیمت مجلد پونے چار روپے۔

یہ عبد القادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط بہا کتاب ــــ الاسلام واوضاعنا القانونیۃ کا سلیس و بلیغ ترجمہ ہے جس کا بیشتر حصہ کچھ دن ہوئے ماہنامہ "ترجمان القرآن" لاہور میں قسط وار چھپ چکا ہے۔ "الاخوان المسلمون" کے نائب مرشد عام جناب عبد القادر عودہ شہید پر اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں

علمی وعملی دونوں اعتبار سے بڑے اونچے لوگوں میں تھے۔ کرنل ناصر کی آمریت نے انھیں پھانسی کے تختے پر لٹکا کر ایک ایسے جلیل القدر مرد مسلماں کو دنیائے اسلام سے چھین لیا جس کی جدائی پر آج بھی سینہ پھٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ وہ خداداد اور اکتسابی دونوں طرح کی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اکثر علوم و فنون پر ان کی گہری نظر تھی اور "قانون" تو ان کا خاص موضوع تھا۔ اپنی اس خصوصیت کو انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے نہایت سرگرمی، شدومد اور ذہانت و بلاغت کے ساتھ استعمال کیا۔ تعاملی محاکمے کے ذریعے مغربی قوانین پر اسلامی قوانین کی برتری ثابت کی۔ دنیا بھر کے آئینوں پر اسلامی آئین کی فوقیت نمایاں کرنے میں ان کے فکر و استدلال نے بڑا کام کیا۔

زیر تبصرہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔ انشاء رواں اور پر وقار۔ استدلال وزنی اور تیکھا، مطالب پاکیزہ اور ایمان افروز۔ آخر میں "حصہ دوم" کے تحت بعض علماء و مفکرین کے ایسے رشحات فکر منسلک کئے گئے ہیں جو اپنے مفاد مدعا اور مطالب کے لحاظ سے اصل کتاب کی علمی توضیحات کو تقویت دینے والے ہیں۔ ہر مضمون کے ساتھ صاحب مضمون کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے۔ اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ کتاب دینی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے جس سے ہر صاحب ذوق مسلمان کو استفادہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆

ماہنامہ فروغ اسلام

● مدیر مسئول :۔ زاہد انصاری
● :۔ سالانہ قیمت چھ روپے ــــ فی پرچہ ۸۰ ● پتہ :۔ دفتر ماہنامہ فروغ اسلام۔ سعید منزل انارکلی لاہور ــــ

اس نومولود جریدے کے ابھی چار پانچ ہی پرچے سامنے آئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحت مند رجحان رکھنے والے علمی و دینی پرچوں میں یہ انشاء اللہ اچھا مقام حاصل کرے گا بشرطیکہ اس کے فاضل مدیر نے اہل حضرات کا تعاون حاصل کرنے کی مساعی میں سستی نہ پیدا ہونے دی۔ نظم و نشر دونوں اعتبار سے اس کا ہر شمارہ وقیع ہے۔ دین پسند حلقوں کو اس کی حوصلہ کرنی چاہیے۔ پہلے شمارے میں اس کے حلقۂ ادارت میں معروف صاحب علم و قلم جناب وارث کامل کا نام نامی نظر آیا تھا جس سے اس کے مستقبل کے بارے میں کافی خوش گمانی پیدا ہوئی تھی مگر اللہ نے انھیں وفعۃً اپنے یہاں بلا لیا۔ بعد کے شمارے بھی غیر معیاری نہیں ہیں لیکن معیار کو کچھ اور بلند کرنے کی کوشش برابر جاری رہنے چاہئیں۔ ہم اس کی بقاء اور ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

☆☆☆

ماہنامہ فکر نو

● نگران :۔ حافظ سید محمد اسحاق صاحب۔
● مدیر :۔ محمد ولی راز صاحب
● سالانہ قیمت چار روپے ● فی پرچہ ۴۰ ● زیر اہتمام پاکستان ریفیوجی ہیبلی ٹیشن فنانس کارپوریشن (ادارہ فلاح عامہ) کاشن ایکسچینج بلڈنگ، میکلوڈ روڈ۔ کراچی

اس ماہنامے کے ابھی دو پرچے شائع ہوئے ہیں خصوصیت یہ ہے کہ ادب و ثقافت کے علاوہ صنعت و حرفت کو بھی اس کا موضوع خاص بنایا گیا ہے۔ اس کے مدیر جناب محمد ولی صاحب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ علم و ادب کی وراثت انھیں ملنی چاہئے تھی۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشق تحریر جاری رہی تو جلد ایک ممتاز مقام حاصل کرلیں گے۔ "فکر نو" کی ترتیب اور مضامین کا انتخاب ان کے حسن مذاق اور سلیقے پر دال ہے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فکر نو اپنی ادبی و فنی افادیت کے اعتبار سے اہل ذوق کے بیش از بیش التفات کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ترقی اور عمر طویل عطا فرمائے۔

☆☆☆

الایقاف فی سبب الاختلاف

از مولانا محمد حیات اللہ سندھی ــــ ترجمہ :۔ مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی ــــ شائع کردہ :۔ المکتبۃ السلفیۃ۔ شیش محل روڈ، لاہور ــــ

یہ ایک مختصر سا عربی رسالہ ہے جو مدت گذری "تقلید اور عمل بالحدیث" کے موضوع پر سپرد قلم ہوا تھا، پھر مولانا بنالوی رح نے اسے اپنے ترجمہ و حواشی کے ساتھ اپنے ماہنامے "اشاعۃ السنۃ" میں شائع کیا تھا۔ شروع میں مصنف و مترجم کے مختصر حالات ہیں۔ پھر سفید کاغذ پر سلیقہ اور خوبصورتی سے متن مع حواشی ہے۔

المکتبۃ السلفیۃ اہل حدیث حضرات کا مکتبہ ہے جو کافی دنوں تک رحیق جیسے متین و رفیع علمی ماہنامہ شائع کرتا رہا۔ یہ ماہنامہ تو شومئی قسمت سے نذر اجل ہو چکا ہے لیکن معیاری لٹریچر کی اشاعت اب بھی اس مکتبہ سے وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے

ہم مقلد ہیں، یہ اہلیت ہی نہیں رکھتے کہ راست اجتہاد کی بنیادوں پر اپنے لئے مسلک کا قصر تعمیر کریں۔ لیکن اس انداز کی کتابیں ہمیں بہت پسند آتی ہیں جن میں تقلید جامد کی قباحتوں اور عمل بالحدیث کی برکتوں کو پر وقار علمی و استدلالی انداز میں واضح کیا گیا ہو۔ یہ ایقاف بھی ہماری نگاہ میں ایسا ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں جو اسپرٹ نظر آتی ہے وہی اگر اہل حدیث کی دائمی اسپرٹ ہو تو ان کے اور اعتدال پسند مقلدین کے مابین نزاع کی کوئی وجہ نہیں، لیکن رنج یہ ہے کہ عام طور پر یہ اسپرٹ نظر نہیں آتی، نہ تقلید ہی میں اعتدال باقی رہا ہے تالی دونوں طرف سے بج رہی ہے۔

"الایقاف" کے بعض مطالب سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس کا اسلوب بہرحال محمود و مستحسن ہے جس کی ہم اخلاف کو تقلید کرنی چاہیئے۔

* * *

اسلامی نظم و نسق تالیف :- قاضی بدر الدین ابن جماعہ
ترجمہ :- ابو یوسف حکیم سید عبد الباقی شطاری۔ ● ناشر :- اسلامک پبلشنگ ایجنسی سلطان شاہی حیدرآباد دکن ● صفحات ۲۸۰ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے (جو بازار کے معیار سے زیادہ ہے)

اب سے تقریباً ساڑھے چھ سو برس قبل ابن جماعہ عصر و شام کے قاضی القضاۃ ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ کے ہم عصروں میں تھے۔ ذہبی اور تذکرہ نگاروں نے اگرچہ ان کے امتیازات و اوصاف میں تفصیل اختیار نہیں کی لیکن زیر تبصرہ کتاب کے مقدر نگار جناب ابو النصر محمد خالدی نے پرانے مآخذ سے بڑی کاوش کے ساتھ ان کے اوصاف و احوال کا سراغ لگایا ہے جس سے ان کی بھاری بھرکم شخصیت کے خدوخال خاصے روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ ۴۵ صفحات کا مقدمہ اس کتاب کی جان ہے۔

نفس کتاب اسلامی نظم و نسق کی تفصیلات پر مشتمل ہے، امامت و خلافت کی حقیقت۔ خلیفہ کے حقوق و فرائض۔ وزراء امراء کا تقرر۔ لشکروں کی ترتیب۔ دفاتر کا قیام۔ جہاد۔ مال غنیمت صلح۔ بغاوت۔ معاہدے وغیرہا کے اصول و فروع بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آج جبکہ ہم غیر اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ زندگی گذار رہے ہیں ان تفصیلات سے آگاہی کا عملاً کوئی نفع نہیں لیکن علمی طور پر بہرحال ہمیں ان چیزوں سے واقف ہی ہونا چاہیئے۔ علمی حیثیت سے کتاب بلند پایہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جذباتی زاویۂ نگاہ سے اس کا مطالعہ ذہن کے تاریک گوشوں میں بجلی کی سی لہر پیدا کر دے اور زبان پر بے اختیار یہ شعر آجائے

تذکرہ دلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

فاضل مقدمہ نگار کی انشاء میں کہیں کہیں داغ نظر آتے ہیں۔

"تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پانچ سال سے تجاوز نہیں ہوئے تھے" صفحہ

"تجاوز" اگر کتابت کی غلطی نہیں ہے تو "متجاوز" ہونا چاہیئے تھا

"شاعری محض تفریح کا ایک بے ضرر مشغلہ تھا اس لئے ان کے کلام میں صوری یا معنوی خوبی تلاش کرنا بالکل بے محل ہے"۔ صفحہ ۲۵

کیا بات ہوئی؟ ــــ "بے ضرر" کا یہاں کوئی محل نہیں، نہ معذرت ہی معقول ہے۔

"رسمی اعزاز کے علاوہ بصورت نقد جنس بھی انعامات و اکرامیوں" کی ایسی بہتات ہوئی"۔ صفحہ ۲۷

یہ "انعامون و اکرامون" ایک صاحب علم انشار پرداز کے شایان شان نہیں۔

"بالکل معذور ہو گئے تو سرکاری خدمت سے سبک بار ہونا چاہا" صفحہ ۲۸

محاورہ "سبکدوش" ہے، سبک بار نہیں،

صفحہ ۲ پر "درہم" کی توضیح بریکٹ میں "اشرفی" سے کی گئی ہے یہ تسامح ہے۔ درہم تو ہر زمانے میں کم قیمت رہا ہے۔ "دینار" البتہ اشرفی کا ہمسر ہے۔

* * *

وسیلۂ نجات مرتبہ:۔ ابو صالح محمد عبدالجلیل خطیب

ملنے کے متعدد پتوں میں سے ایک پتہ:۔ تاج بک ڈپو۔ بڑی مٹ مسجد۔ مدراس ۳ ۔ صفحات ۱۹۲ قیمت دو روپے۔

طرح طرح کے رسوم و رواج دین کے زمرے میں شامل کر لئے گئے ہیں اور مسلمانوں کے معاشرے میں ہر طرف بدعت و شرک کی گرم بازاری نظر آرہی ہے۔ اسی تبیح صورت حال کی اصلاح کے لئے فاضل مرتب نے شرک و بدعت کے موضوع پر مختلف علماء دین کے مقالات اور فتاوی جمع فرمائے ہیں، کتاب ہر آئینہ نافع ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفع کو عام کرے۔

* * *

ہلالِ عید ●۔ جناب احمد سہارنپوری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ۔ صفحات ۹۶۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ (جو تقریباً پچاس فیصد زیادہ ہے) ●۔ ناشر:۔ محمد یوسف خاں و صابر علی خاں تاجران کتب۔ بازار قاسم۔ سہارنپور۔

اوسط درجے کے علمی و ادبی حلقوں میں جناب احمد سہارنپوری چاہے کوئی شہرہ نہ رکھتے ہوں لیکن قصبے و دیہات کے قوالی پسند حلقوں میں ان کی بڑی شہرت و مقبولیت ہے وہ چلتے ہوئے فقرے اور متصوفین کی محفلوں میں دھوم مچا دینے والے مصرعے منظوم کرنے میں "ید طولیٰ" رکھتے ہیں، ان کی نعتیہ غزلوں اور گیتوں کو گانے والے اور والیاں نہایت شوق سے گاتے ہیں۔

پیش نظر مجموعہ کچھ اسی تاثر کا ہے۔ اس کے عیب و صواب کا جائزہ تجلی کے صفحات میں بیکار ہے۔ صرف اتنا کہیں گے۔ کہ احمد صاحب اپنے رنگ کے استاد ہیں اور کہتے کہتے منجھ گئے ہیں۔ زبان و اسلوب کی خامیاں بہت ہیں، مگر اگر رنگ کی دنیا زبان و اسلوب کی باریکیوں سے بحث نہیں کرتی، اور جو حلقے ان کے مجموعۂ کلام کو شوق سے خرید سکتے ہیں وہ اس سے بالاتر ہیں کہ انھیں علمی و ادبی جائزے کی روشنی دکھائی جائے۔

پھر بھی دو مشورے ضرور پیش کریں گے۔ ایک یہ کہ جاہل و نیم جاہل لوگوں کو وجد میں لانے کی خاطر تمام ہی حدوں کو نہیں گذرنا چاہیئے۔ مثلاً اس طرح کے خیالات۔

"محشر میں نواسوں سے مجھ کو بخشش کی بھیک دلا دینا"

کھلا شرک ہیں۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غزل کے وہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں جو جنسیت کے رنگ و بو میں رچے ہوئے ہیں۔ مثلاً: دلدار۔ نازنین۔ گلفام۔ گلعذار۔ دولہا وغیرہ۔ احمد صاحب نے توحید کی ہے کہ رسولِ خدا کو چوندری تک اڑھا گئے ہیں۔

"خود بنائی حق نے اپنے دلربا کی چوندری"

پانچ بندوں کی نظم "چوندری" پر ہے۔ "چوندری" زنانہ لباس ہے، پھر جس میں جھالر، بیل، گل بوٹے، اور تار وغیرہ ہوں اسے تو کسی طرح کھینچ تان کر بھی مردانہ لباس کا ہم معنی قرار نہیں دیا جا سکتا رسولِ خدا کے لئے اس کا اثبات بہت بری بات ہے چاہے وہ استعارے ہی کے طور پر ہو۔

ہاشمی زلفوں پہ جب واللیل کی چھائی گھٹا
حق نے پیشانی پہ جب والشمس کا غازہ ملا
دیدۂ حق بیں میں جب مازاغ کا سرمہ لگا
اور بھی روشن ہوا روئے محمد مصطفیٰ

اس طرح کے شعروں سے عوام کالانعام کا کلیجہ تو ضرور گز بھر کا ہو جاتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ بہت بڑے ذہنی زخم کے غماز ہیں، اللہ کو بے شک محمد مصطفیٰ محبوب ہیں لیکن اس محبت کو زلفِ سیاہ کی خوشبو، جبینِ معطر کی بھینی، سرمئی آنکھوں کی مستی اور

جلوہ ہائے لب و لعل کی کشش سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بارگاہ رب العزت میں بہت بڑی گستاخی ہے کہ ان کی محبت کا جوڑ جنسی محبت کے تار و پو سے ملا دیا جائے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ـــ

آخر میں "سوز و سلام" کا باب "انیس و دبیر" کے مرثئے یاد دلا دیتا ہے۔ وہی شیعی انداز ماتم وہی زنانہ بین و شیون۔

ـــ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا ـــ

* * *

الاتباع

ناشر:۔ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور
صفحات: ۶۳ قیمت ۱۲ر

یہ ایک عربی رسالہ ہے جس میں ایک حنفی کا رد دوسرے حنفی نے کیا ہے۔ صورت یہ ہے کہ معروف اہل حدیث عالم جناب محمد عطاء اللہ حنیف کو یہ رسالہ مخطوطے کی شکل میں اپنے ایک بزرگ سے حاصل ہوا۔ پھر انہوں نے اس پر کافی محنت کرکے لائق طباعت بنایا۔ تعجب یہ ہے کہ اگرچہ "کلمۃ الناشر" کے تحت مولانا حنیف صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ کتب تاریخ و تراجم کی چھان بین کرنے کے باوجود مجھے ان دونوں حنفی فقیہوں کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل نہ ہو سکی لیکن پھر بھی وہ ان بزرگوار کو جنہوں نے رد کیا ہے آٹھویں صدی ہجری کے محققین علماء میں شمار کرا رہے ہیں۔ شاید ان کی نگاہ میں رد حنفیت کا یہ کارنامہ ہی کسی شخص کے محقق ہونے کو کافی ہے جو اس رسالے میں انجام دیا گیا ہے۔

یہ شکوہ تو فضول ہی ہوگا کہ محقق موصوف اور بعض اور علماء کی طرح مولانا حنیف صاحب نے بھی محدثین اور ائمہ مجتہدین کے لئے رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جب مولانا ابو الکلام آزاد جیسا روشن دماغ عالم حضرت حسینؓ کو امام حسین علیہ السلام لکھ سکتا ہے تو کسی کو کیا کہئے۔ مگر لکیر کے فقیر کی طرح بات ہم وہی کہیں گے کہ علیہ السلام آخری پیغمبر کو چھوڑ کر باقی تمام انبیاء کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم صرف خاتم النبیین کے لئے اور ... رضی اللہ عنہ صرف صحابی کے لئے مخصوص رہنا چاہئے۔ بحث معنی سے نہیں ہے۔ معنی کے اعتبار سے تو صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نبی اور صحابی اور ولی کے لئے کہا جا سکتا ہے لیکن سوال معنی کا نہیں الفاظ کا ہے۔ رضی اللہ عنہ کا تاج زرنگار کچھ صحابۂ رسولؐ ہی کے فرق مقدس کو زیب دیتا ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔

ماننا چاہئے کہ تقلید ابو حنیفہ کی مدح کرنے والے فقیہ شیخ محمد بن محمود نے اپنی مدح میں خاصے غلو اور شدت سے کام لیا ہے، خصوصاً وہ حصہ بہت ناخوشگوار ہے جس سے امام بخاری و امام شافعی جیسے حضرات کی تحقیر مترشح ہوتی ہے۔ لیکن جس انداز میں محقق صدر الدین حنفی نے جوابات دئے ہیں وہ اپنی متانت و ثقاہت کے باوجود یہ یقین دلاتا ہے کہ موصوف ذہنی طور پر حنفی نہیں ہیں بلکہ محض تکلفاً خود کو حنفی کہتے اور کہلواتے رہے ہیں۔ جوابات کے خاتمے پر جو قدرے مفصل تقریر انہوں نے فرمائی ہے وہ تو کھلے طور پر غیر مقلدانہ طرز فکر کی آئینہ دار ہے۔ اپنے اپنے زاویۂ نظر کی اشاعت اور موقف و مسلک کی تبلیغ کوئی بری بات نہیں، لیکن یہ یقیناً بری بات ہے کہ یہ کار خیر بھیس بدل کر کیا جائے۔ جوابی تقریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مجیب امام ابو حنیفہ کے علم و تفقہ اور ذہانت صالحہ کے ان امتیازات تک کو لائق اعتبار نہیں سمجھتے جنہیں تاریخ علم و دانش کا نقش دوام کہنا چاہئے۔ وہ ابن محمود صاحب کے غیر معتدل فرمودات کا بجا طور پر رد کرتے ہوئے یہ کمال دکھاتے ہیں کہ کسی بھی امام و محدث اور فقیہ و مجتہد کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ کی فکری پیش رفتوں اور کارناموں کا تصور تک پاس نہیں پھٹکتا۔ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس بے مثال مقنن اور یگانہ مجتہد کو کچھ بھی امتیاز حاصل تھا۔ ایسا ذہن رکھنے والا شخص سب کچھ ہو سکتا ہے مگر حنفی نہیں ہو سکتا۔ ابو حنیفہ کی فقہ کے شیوع و قبول میں چاہے کچھ بھی اسباب کارفرما رہے ہوں لیکن آئین سازی کی پیچیدگیوں اور اصول و فروع کے باہمی تعلق کی لطافتوں کا شعور رکھنے والا کوئی بھی منصف مزاج انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو شریعت تمام عالم کے لئے بھیجی گئی ہے اس کی بنیاد پر قانون سازی کا کام اسی دور رس تعقل، اسی باریک بین بصیرت، اسی خوشگوار توازن اور اسی توسع پسند اجتہاد سے سب سے بہتر ہو سکتا تھا جس کا ثبوت امام ابو حنیفہ کے فکری کارناموں میں ملتا ہے۔

اوصاف عالیہ سے دوسرے ائمہ بھی متصف ہیں اور فکر و نظر کے چراغ انہوں نے بھی خوب خوب جلائے ہیں مگر ترقی پذیر زمانے

کے چیلنج کو قبول کرتے رہنے کی ہمت اور کس بل سوائے حنفی انداز فکر کے اور کسی میں بھی نہیں۔ اس انداز فکر کو استعمال کرنے میں اگر بعض علماء احناف سے چوک ہوئی ہے تو ہوا کرے۔ اخلاف کی کج فکری اسلاف کے ذمے نہیں مڑھی جا سکتی۔ دیکھنا ان اصول اور کلیات کا ہے جو خود امام اعظم نے دنیا کو دیئے ہیں۔ بحث ان فکری خطوط کی ہے جنہیں دستور شریعت کی لوح پر کھینچنے والے خود امام اعظم اور ان کے معاون اصحاب تھے۔

محدثین اور اہل حدیث پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے بارہا اس نکتہ کو نظر انداز فرما دیا ہے کہ تعمیری ساز و سامان جمع کرنا اور چیز ہے اور اس سے ایک پائدار و دلکش عمارت تعمیر کرنا اور چیز دونوں کے لئے مختلف صلاحیتوں کے لوگ درکار ہیں اور کم ایسے ہوتے ہیں جن میں دونوں صلاحیتیں بہترین تناسب کے ساتھ جمع ہو گئی ہوں۔

بات لمبی ہو گئی۔ تبصرہ کا لب لباب یہ ہے کہ الاتباع ایک دلچسپ عربی کتاب ہے جو اہل حدیث کے مسلک و موقف کو تقویت دیتی ہے۔ اس کے مصنف قاضی صدر الدین لباس کے اعتبار سے حنفی ہیں مگر طبعی میلان شافعیت کی طرف ہے اور احقاق اہل حدیث کے موقف کا فرما گئے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔

* * *

نصیحۃ المسلمین | مؤلفہ: مولانا خرم علی بلہوری

یہ وہی رسالہ ہے جسے بارہا حضرت اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان کے ساتھ چھاپا جاتا رہا ہے۔ مولانا خرم علی حضرت شہیدؒ مجاہد ساتھیوں میں تھے۔ حق کے فدائی، قرآن و سنت کے شیدائی۔ شرک و بدعت سے متنفر۔ توحید و سنت کے داعی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

اس رسالہ میں نہایت عمدگی سے شرک و بدعت کا رد کیا گیا ہے اور زبان اتنی سلیس و شستہ ہے کہ تصور ہی نہیں آتا کہ یہ ڈیڑھ سو سال پہلے کے کسی عالم کی تحریر فرمودہ ہے۔ اللہ تعالے مصنف کو آخرت کے مقامات بلند پر سرفراز کرے اور ناشرین کو جزائے خیر دے۔ صفحات ۷۶، قیمت صرف چار آنے

ملنے کا پتہ: جمعیۃ اہل حدیث۔ مصری شاہ۔ لاہور۔ (ع۔ع)

فارسی کا ایک مفید ترین نصاب

اصول فارسی حصہ اول ۱۲ر حصہ دوم ۸ر۔
معین فارسی ۷ر۔ دروس فارسی ۸ر۔
چاروں کی یکجائی رعایتی قیمت دو روپے۔
یہ کتابیں ایک دل نشیں ماہرانہ تدریج و ترتیب کے ساتھ فارسی سے بہرہ ور کرتی ہیں۔

مناجات مقبول | مولانا اشرف علیؒ کا مرتب فرمودہ مقبول ترین مجموعہ دعاؤ مناجات مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ۔ قیمت مجلد دو روپے۔

گلدستۂ نعت | بڑے بڑے شاعروں کا منتخب نعتیہ کلام۔ چند مقالات بھی بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ صفحات ڈھائی سو سے زیادہ۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ

قرآن مجید بہت جلی (چوب قلم)

بوڑھوں اور موٹی نگاہ والوں کے لئے خاص تحفہ۔ نہایت روشن اور موٹے حروف، بہت بڑا سائز، اعراب اور نقطے واضح چھپائی عمدہ۔ ہدیہ مجلد دس روپے۔

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور ان کی دولت علم و عرفان کے امین حضرت خواجہ سرہندیؒ کے ان گرانمایہ خطوں کا مجموعہ جو دین و شریعت، تذکیہ و معرفت اور عقائد صحیحہ کا گنجینہ ہیں۔ قیمت مجلد چار روپے

مکتبہ تجلی دیوبند یو۔پی

باب الصحت

بیگم عظیم زبیری

صحت کیلئے مفید غذائیں

ہندو پاک سے آنے والے خطوط شاہد ہیں کہ دونوں ممالک میں ایسے مردوں اور عورتوں کی اکثریت ہے جو آئے دن بیمار رہتے ہیں، مریضوں کے حالات پڑھکر دلی کو دکھ ہوتا ہے۔ ہماری جانب سے ان کے دکھ درد دور کرنے اور ان کو صحیح اور درست راستہ دکھانے کی ہر ممکن کوشش کیجاتی ہے، یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ صحت کی عمدگی اور بیماری سے چھٹکارا بہت حد تک اس خورد اک پر منحصر ہے جو ہم کھاتے ہیں، جب کوئی شخص غیر متوازن غذا پر عرصہ تک زندگی بسر کرتا ہے تو جسم کی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے، اس کا جسم بیماریوں سے لڑنے کے قابل نہیں رہتا، اور بڑی آسانی سے معمولی سے معمولی مرض کا شکار بن جاتا ہے۔ خیال صحیح نہیں ہے کہ قیمتی غذا ہی طاقت بخش ہوتی ہے، غریب مزدور جو بے چھنے آٹے کی تازہ روٹی املے ساگ بات کے ساتھ کھاتا ہے وہ کہیں بہتر غذا کھاتا ہے بہ نسبت اس امیر کے جو مرغن مصالحہ دار چٹپٹی غذائیں کھاتا ہے۔

اس مضمون میں آپ کو یہ بتاؤں کہ کونسی غذائیں خون پیدا کرتی ہیں، کونسی غذائیں ہڈیوں اور اعصاب کو مضبوط بناتی ہیں، کونسی غذائیں دماغی قوت اور جسمانی طاقت حاصل کرنے کے لئے کھانی چاہئیں اور کونسی غذائیں قبض رفع کرتی ہیں۔

(۱) قبض کشا اشیاء:-

شیریں پختہ پھل، پتوں والی سبزیاں، بھوسی ملا ہوا موٹا آٹا، دودھ، کشمش، موبز منقی، خوبانی، کھجور، انجیر۔ یہ سب چیزیں معدہ و آنتوں کو صاف کرتی ہیں، ان میں فولاد، کثیر مقدار میں وٹامنز سالٹ، اور دیگر معدنیات ہوتے ہیں، ان کے استعمال سے دائمی قبض سے نجات حاصل ہوجاتی ہے اور طاقتور خون پیدا ہوتا ہے ایسی اشیاء زیادہ استعمال کرنی چاہئیں۔

(۲) نشاستہ دار غذائیں:-

دالیں، چاول، آلو، جو، گندم، کیلا۔ ان کے استعمال سے انرجی پیدا ہوتی ہے اور حرارت غریزی قائم ہوتی ہے، دالیں چھلکے دار اور چاول غیر پالش کا استعمال کرنا چاہئے

(۳) اعصاب اور ہڈیوں کو طاقتور بنانیوالی چیزیں۔

دودھ، انڈا، مچھلی، پرندوں کا گوشت، بکرے کا گوشت مٹر، شہد: یہ چیزیں مقوی اعصاب، مقوی دماغ اور انرجی پیدا کرنی والی ہیں۔ دنیا میں کامیابی کا راز انرجی پر ہے۔

(۴) چربی پیدا کرنے والی چیزیں:-

مکھن، بالائی، گھی۔ جانوروں کی چربی۔ زیتون کا تیل۔

(۵) کثیر مقدار میں وٹامنز پیدا کرنے والی اشیاء

گاجر۔ ٹماٹر۔ چقندر، آلو۔ آم۔ سنگترہ۔ کیلا۔ دودھ مکھن۔

(۶) مضر صحت غذائیں:- لال مرچ۔ ہر قسم کے آچار چٹنیاں۔ ہر قسم کی ترشی، مصالحہ، پوری کچوری، تلی ہوئی اشیاء، بیگن۔ سنگرٹ حقہ، تیز قسم کی چائے، کافی، افیون، برف کا سرد پانی۔ بیڑی۔

میں نے ان غذاؤں کا ذکر کیا ہے جو صحت کو برقرار رکھنے والی ہیں آپ ان میں سے اپنی جسمانی و مالی حالت کے پیش نظر انتخاب کر کے اپنا غذائی پروگرام مرتب کر لیجئے، کوئی الجھن ہو تو مجھ سے جوابی خط لکھ کر معلوم کر لیجئے۔

ضروری نوٹ:-

موسم سرما ختم ہوتا جا رہا ہے جسمانی کمزوریوں کو دور کرنے اور پوشیدہ بیماریوں کے علاج کے لئے یہ مناسب موسم ہے جو زمانہ باقی ہے اس سے فائدہ اٹھائیے، ضائع نہ کیجئے، صحیح رہنمائی کیلئے صحافت شباب ہم سے مفت منگا کر پڑھئے، مرد، زنانہ اور بچوں کے امراض کے متعلق مفت مشورہ حاصل کیجئے، لیکن جواب کیلئے ٹکٹ یا پتہ لکھا لفافہ یا کارڈ رکھنا نہ بھولئے۔ پتہ یہ کافی ہے:

بیگم حکیم محمد زبیری - امروہہ
ضلع مراد آباد - یوپی

صحیح بخاری شریف مع مکمل متن و بہترین اردو ترجمہ

مکتبہ

فیض القرآن دیوبند کا دوسرا شاندار کارنامہ

فیض القرآن دیوبند اپنے پہلے پروگرام کے تحت قرآنِ مجید کی شہرۂ آفاق تفسیر "تفسیر ابنِ کثیر" اردو کا ایک ایک
ری پابندی وقت کے ساتھ ہر ماہ شائع کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکتبہ کا دوسرا پروگرام **صحیح بخاری شریف**
اردو کی اشاعت ہے۔ اس کے تیس پارے ماہ بماہ ایک ایک پارہ کی شکل میں شائع ہوتے رہیں گے۔
فخر دو عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا وہ گرانقدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث
ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرما کر سولہ سال میں مرتب فرمایا ہے۔
قرآنِ مجید کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب جس میں قطعی سچی احادیث کا وہ جلیل القدر عظیم الشان
علمی خزانہ پوشیدہ ہے جو اسلام کی روحِ رواں ہے۔
سابقہ تراجم کی خامیوں کے پیش نظر ترجمہ اردو بھی زیادہ دقتِ نظر، صحت و فکر کا محتاج تھا اور حواشی و تشریح کا ایک
خلاصہ بھی ضروری تھا۔ مکتبہ نے مستند علماء کی خدمات حاصل کر کے اکابر علماءِ امت کی نگرانی میں اس اہم خدمت
ل کا عزم کیا ہے، سفید کاغذ۔ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ۲۰×۳۰/۸ سائز، کتابت و طباعت معیاری۔
ے دو روپے فی پارہ۔ محصول ڈاک ایک روپیہ فی پارہ، یہ رعایت صرف ممبران کے لئے مخصوص ہے۔ عام ہدیہ تین روپے فی پارہ

ممبری اس سلسلہ کی دائمی شرکت کیلئے صرف ایک روپیہ کا منی آرڈر ارسال فرما کر ممبر بن جائیے
ممبران کی خدمت میں ہر ماہ صحیح بخاری شریف اردو کا ایک پارہ ذریعہ وی، پی
روپے ارسال کیا جاتا رہے گا۔ لیکن اگر آپ پانچ دوست مل کر ہر پارے کے ہر ماہ پانچ نسخے یکجا
ائیں گے تو رعائتی وی، پی مع ڈاک خرچ تیرہ روپے (عہ) کی ارسال ہوگی۔ اس شکل سے یہ مایۂ ناز علمی خزانہ
ت معمولی رقم میں رفتہ رفتہ ہر شخص کے پاس پہنچ جائے گا۔

دیگر تفصیلات کیلئے ... لکھیے

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یو۔پی

آج ہی ممبر بنیے اور ممبر بنائیے

- دھندلا، جالا، رتوندا، پڑبال، سرخی، اور آنکھیں دکھنے میں مفید ہے۔
- آنکھوں کے آگے تارے اڑتے ہوں، یا بینائی کمزور ہوتی جارہی ہو، یا آنکھیں تھکاوٹ محسوس کرتی ہوں تو اسے استعمال فرمائیں۔
- ضروری ہدایات ساتھ بھیجی جاتی ہیں۔

جن حضرات نے تجربہ کے بعد تعریفی تحریریں مرحمت فرمائیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار دیوبند۔ مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی۔ مولانا مفتی عتیق صاحب (ندوۃ المصنفین دہلی)۔ ڈاکٹر ظفر یار خاں صاحب سابق ملٹری سرجن۔ حکیم کنہیا لال صاحب وید سہارنپور۔ ڈاکٹر انعام صاحب ایل ایم ایس ہومیوپیتھک۔ ساہو جوالا سرن صاحب رئیس اعظم مراد آباد۔ جناب امتیاز نسیمی ایڈیٹر اسلامی دنیا

ہندوستان کا پتہ: دارالفیض رحمانی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور۔ (یو۔پی)

پاکستان کا پتہ: عثمان غنی۔ کرانہ مرچنٹ ۲۲۸۰ مینا بازار پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاک